Servants of the Cross

By

Allama Barakat Ullaha

Fellow of the Royal Asiatic Society London

مصنفہ

علامہ برکت اللہ ۔ ایم ۔ اے

فیلو آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۔ لندن

۱۹۳۲

Urdu

September.18.2006

www.muhammadanism.org
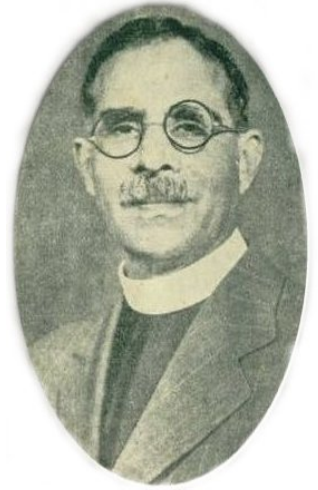
1891-1971

صلیب کے علمبردار

پہلا ایڈیشن ۱۹۳۲ء

دوسرا ایڈیشن............... ۱۹۷۷ء

دُوسری ایڈیشن کا دیباچہ

تازہ خواہی داشتن گرداغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے بازخواں ایں قصہ پارینہ را

"اے خدا ، ہم نے اپنے کانوں سے سنا، ہمارے باپ دادا نے ہم سے بیان کیاکہ تونے اُن کے دنوں میں قدیم زمانہ میں کیا کیا کام کئے۔جن کو ہم نے سُنا اورجان لیا اورہمارے باپ دادا نے ہم کو بتایا۔ اورجن کو ہم اُن کی اولاد سے پوشیدہ نہیں رکھیں گے بلکہ آئندہ پُشت کوبھی خداوند کی تعریف اوراُس کی قدرت اورعجائب جواُس نے کئے بتائینگے تاکہ بڑے ہوکروہ اپنی اولاد کوسکھائیں اوراُس کے کاموں کوبھول نہ جائیں"۔

(زبور۴۴: ۱- ۷۸: ۳، ۴، ۶-۷)۔

میں نے اپنی کتاب" مقدس تومارسولِ ہند" میں ذکرکیا ہے کہ منجئی عالمین ربنا المسیح کے دوازدہ رسولوں میں سے ایك یعنی مقدس توما رسول بہ نفس نفیس راولپنڈی کے قریب شہرٹیکسلا میں انجیل جلیل کا جانفزا، پیغام دینے کےل ئے تشریف لائے۔ یہاں آپ نے متعدد کلیسیائیں قائم کیں اور

پھر جنوبی ہند نقل مکانی کرگئے جہاں آپ مدراس کے قریب مائلاپورمیں شہید کئے گئے۔

میں نے تاریخ کلیسیائے ہند کی دُوسری جلد " صلیب کے ہراول" میں بتلایا ہے کہ مختلف مشرقی کلیسیاؤں کے جانبازعاشقانِ مسیح اوائل صدیوں میں ہمارے ملک میں آکر مسیحی کلیسیاؤں کی استقامت اورمضبوطی کا باعث بنے۔ اُن کی سرفروشانہ مساعی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہندوستانی کلیسیائیں ان اوائل صدیوں میں دن دُگنی اوررات چوگنی ترقی کرتی گئیں۔ اورمنجئی جہان کا نجات بخش پیغام شمالی ہند کے مختلف کونوں میں پھیل گیا اورلاکھوں افراد کلیسیا میں شامل ہوگئے۔

اس کے بعدایک زمانہ آیا جب مختلف وجوہ کے باعث (جن کا ذکر اُس کتاب میں کیا گیا ہے) مسیحی کلیسیا کا نام "ونشان شمالی ہندوستان میں نہ رہا۔اس حقیقت پر ہم کو پہلے حیرت ہوتی تھی لیکن ۱۹۴۷ء کے لرزہ خیز ہولناک واقعات کی روشنی میں ہم اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اس ہیبت ناک سال سے پہلے صوبہ سرحد اورپنجاب میں لاکھوں ہُندو اورسکھ پُشت درُپشت ہزاروں سالوں سے رہتے چلے آئے تھے لیکن اس کے بعد صرف گنتی کے ہندوں وہاں رہ گئے اورسکھوں کی بیخ کنی ہوگئی۔ایساکہ اب پنجاب کے بٹوارے کے بعد مغربی پاکستان میں کوئی سکھ ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملتا۔یہی حال شمالی ہندوستان میں مسیحی کلیسیا کا ہوا۔ ایک زمانہ تھا جب ایران، افغانستان، بلوچستان، صوبہ سرحد، پنجاب اورشمالی ہندوستان میں کروڑوں مسیحی آباد تھے اوربیسیوں صدراُسقف، صدہا اُسقف اورلاکھوں قسیس ، شماس، رہبان اورمبلغین ان ممالک میں انجیل جلیل کا روح پرورپیغام ہرطرف دیتے پھرتے تھے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا جب اکبر اعظم شہنشاہِ ہند کو سیدنا مسیح کی تعلیم کے اُصول کو معلوم کرنے کیلئے غیرملکی رُومی مبلغین کی جانب رجوع کرنا پڑا کیونکہ شمالی ہند میں مسیحی کلیسیا کا نام مٹ چکا تھا۔

اس کے صدیوں بعد گذشتہ صدی میں مغربی ممالک کی مختلف کلیسیاؤں کے چند سروفشان صلیب کے دلوں میں خدا نے یہ ولولہ پیدا کیا کہ وہ ہمارے ملک میں آکر

ازسرنوصلیب کے علم برداربنیں اوریہاں صلیب کا جھنڈا گاڑیں۔ ان مبلغین کی حکومتوں نے (بالخصوص انگریزی حکمت نے) ان کی ازحد مخالفت کی۔ ان کی کلیسیاؤں نے حتیٰ المقتدورکوشش کی کہ ان کو اس ارادہ سے بازرکھیں لیکن سیدنا مسیح کے یہ بہادر سپاہی ٹلنے والے انسان نہ تھے۔ منجئی عالمین کے آخری حکم کے الفاظ اُن کو چین لینے نہیں دیتے تھے۔ "آسمان اورزمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا ہے۔ پس تم جاکر سب قوموں کوشاگرد بناؤں اوردیکھو میں دنیا کے آخرتک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں" (متی ۲۸: ۱۸تا ۲۰)۔ پس وہ اپنی جانیں مختارِ کُل کے ہاتھوں میں سونپ کر بے سروسامانی کی حالت میں خویش واقارب کے الوادع کہہ کر اپنے وطن سے بے وطن ہوکر آرام وآسائش کی زندگی کوخیرباد کہہ کر صلیب کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر تبلیغِ انجیل کے میدان میں کود پڑے۔

اس کتاب میں ہم نے اس گروہ کے صرف نومبلغین کے حالات کا ذکر کیا ہے جوگذشتہ صدی میں پنجاب میں آئے تھے۔ اُن کی انتھک کوششوں نے صوبہ سرحد اورپنجاب کے مختلف گوشوں میں صلیب کا جھنڈا گاڑا۔ اُن کو مساعی جمیلہ کا نتیجہ یہ ہواکہ خدا کے فضل سے اُن کی حین حیات میں ہی کلیسیائیں اُن جگھوں میں ازسرنوپیدا ہوگئیں جہاں وہ صدیوں پہلے مقدس توما رسول اورآپ کے جانشینوں کے ذریعہ قائم ہوئی تھیں۔ مزمورنویس کے الفاظ میں" جیساہم نے سنا تھا، ویسا ہی ہم نے دیکھا" (۴۸: ۸)۔

خدا نے ان سورماؤں کے وسیلے اورصلیب کے دیگرعلَم برداروں کے ذریعہ پنجاب کے ہزاروں مقامات میں کلیسیائیں برپا کردی ہیں۔ اب پنجاب کی کلیسیا کا یہ فرض ہے کہ وہ اُن عجائب کاموں کو جوان پردیسی مبلغین نے ہمارے درمیان کئے ہیں بھول نہ جائے اورہر شخص انجیل جلیل کی تبلیغ کے کام کو جاری رکھنا اپنا فرضِ اوّلین خیال کرکے جان توڑ کوشش کرے تاکہ مسیحی کلیسیا کا نام نابود ہونے کی بجائے کروڑوں رُوحوں کوبچانے کا وسیلہ بن جائے۔

برکت اللہ

ہنری مارٹن سکول، علی گڑھ، یکم جون ۱۹۵۷ء

فہرست مضامین

پادری سی ۔ جی ۔ فینڈر۔ ڈی ۔ ڈی

Karl Gottlieb Pfander

Karl G. Pfander
1803-1865

کارل گوٹلیب فینڈر ۱۸۰۳ء میں ویبلینگن Waiblingen میں پیدا ہوا جورٹم برگ Württemberg جرمنی میں واقع ہے۔ اس کے والدین دیندار تھے۔ اِس کا باپ نانبائی کا کام کرتا تھا اورماں ایک جوشیلی مسیحی عورت تھی۔

کارل ذہن لڑکا تھا اوراُس کو پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ لہذا اس کولاطینی زبان کی تحصیل کے لئے اسکول میں داخل کردیا گیا۔ اُس کے اُستاد دیندار اورخُدا پرست تھے جواُس کو سیدنا مسیح کے آخری حکم پرعمل کرنے کی تاکید کرتے رہتے تھے کہ تم سب" قوموں کو شاگرد بناؤ"۔

لڑکپن میں اس کا دل تبدیل ہوگیا اوروہ اپنے نجات دہندہ سے محبت کرنے لگا جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کو مسیحی مبلغ بننے کا شوق دامنگیر ہوگیا۔ وہ دُعا کرتا تھا کہ اے خدا اگر تیری مرضی ہے کہ میں تیرا مبلغ بنوں تومجھے راستہ دکھا اوراگر نہیں تویہ شوق مجھ سے دُور کردے کیونکہ تیری غیرت کی آگ مجھے بھسم کررہی ہے"۔

خدا نے اُس کے لئے راستہ کھول دیا اور وہ ۱۸۲۰ میں باسل مشنری کالج Basel Missionary Institute میں پانچ سال تک علمِ الہٰیات کا مطالعہ کرتا رہا۔

خُدا نے فینڈر کو زبانیں سیکھنے کی لیاقت عطا فرمائی تھی ۔ پس کالج کی کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ اُس کو ایشیائی زبانوں میں کتابِ مقدس کا ترجمہ کرنے کیلئے بھیجا جائے۔ لہذا ۱۸۲۵ء میں وہ دواورمشنریوں کے ساتھ آرمینیا کے ملک کے ایک قصبہ شوشاShusha میں بھیجا گیاجوبحیرہ اسود اور بحیرہ کیسپین کے درمیان ہے۔ شوشا کا مشن اہلِ اسلام کیلئے تھا۔ فینڈر اس وقت صرف بائیس سال کا تھا۔ اُس کو تین زبانیں سیکھنی پڑیں یعنی تُرکی، تاتاری، آرمینی اور فارسی۔ وہ اہلِ اسلام کے درمیان خدا کے کلام کی منادی کرتا تھا۔ منادی کے دوران میں اُس کو احساس ہواکہ مشرقی ممالک میں وہ اُس طریقہ سے منادی نہیں کرسکتا جس طرح یورپ کے پادری مغربی ممالک میں کرتے ہیں۔اہلِ اسلام کے پاس ایک مقدس کتاب تھی جس کو وہ آسمانی کتاب سمجھتے تھے اوروہ مسیحی کُتب مقدسہ کو محرف تصورکرتے تھے۔ پس فینڈر نے قرآن وحدیث کامطالعہ شروع کیا اوراسلامی فلسفہ اوردینیات سے واقفیت حاصل کرنے لگا۔ اس مطالعہ نے اُس پر روزِروشن کی طرح ظاہر کردیا کہ اُن کو کروڑہا مسلمانوں کوجواللہ ، قرآن اوررسول عربی پر ایمان رکھتے ہیں منجئ جہان کے قدموں میں لانا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اسلام نے مسیحیت کا ایک ہزارسال سے زائد عرصہ تک مقابلہ کیا ہے۔ اورمشرقی کلیسیا کے لاکھوں مسیحی مسلمانوں کے زیرنگیں ہیں جن پر عرصہ حیات تنگ ہے۔ جس کی وجہ سے شوشا کے متعدد مسیحی خاندان جن کا تعلق آرمینیا کی کلیسیا سے تھا مسلمان ہوگئے تھے۔ فینڈرصاحب کی دلی خواہش تھی کہ وہ اُن بھٹکی

بھیڑوں کو واپس اُن کے گلہ بان کے پاس لے آئے اورکروڑوں مسلمانوں کو راہ نجات دکھانے کا ذریعہ ہو۔

انہی دنوں میں اُس نے میزان الحق پہلے پہل جرمن زبان میں لکھی تھی جواُس کی حین حیات میں تیس ہزار سے زیادہ چھپ گئی۔اوراس کا ترجمہ پہلے فارسی میں اورپھر انگریزی ،اردو، مرہٹی،ترکی اور عربی زبان میں ہوگیا۔اس کتاب کے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اسلامی ممالک میں چند سال کام کرنے کے بعداُس نے دیکھا کہ زبانی تقریروں اورمباحثوں کا بہت اثرنہیں ہوتا کیونکہ مسلمان مسیحی عقائد کی تائید میں قرآن اوراسلامی عقائد کے خلاف لمبی چوڑی تقریر سننے کے خواہشمند نہیں تھے اوراگر سنتے بھی توتقریر کے دوران میں صدائیں بلند کرتے اورشوروغُل مچاتے تھے۔پس ایک ایسی کتاب کی ضرورت لاحق ہوئی جواِن ضروریات کو پورا کرے۔ اورجس میں مسیحی عقائد کی تائید اوراسلامی عقائد کی مفصل تردید ہو۔ لیکن اُس وقت کوئی ایسی کتاب مشنریوں کے پاس موجود نہیں تھی۔ فینڈرخود ہنوزنوجوان تھا لہذا اُس نے اپنے ہم خدمتوں کواس کمی کی طرف متوجہ کیا۔ لیکن چونکہ وہ ایسی کتاب لکھنے کے اہل نہ تھے فینڈر نے اپنے خیالات کویکجا لکھنا شروع کردیا اوریوں ہوتےہوتے ۱۸۲۹ء میں میزان الحق تیارہوگئی۔

۱۸۹۲ء میں وہ ایک مشنری کے ساتھ بغداد گیا کیونکہ اُس کو عربی سیکھنے کا شوق تھا اُس زمانہ میں بغداد میں انجیل کی اشاعت کی مخالف تھی اورانجیل جلیل کے جانفزا پیغام سنانے کی سزا موت تھی۔ لیکن اُس نے کہا " مجھے اپنی جان کی پرواہ نہیں ہے۔ اگرخدا کو اس کی ضرورت ہے تووہ اُس کو خود محفوظ رکھیگا"۔ بغداد میں وہ عربی سیکھتا رہا۔ اس وقت تک میزان الحق ارمنی، تُرکی ،تاتاری اور فارسی زبانوں میں ترجمہ ہوچکی تھی۔

۱۸۳۱ء میں وہ ایک قافلہ کے ہمراہ ایران کی طرف روانہ ہوا۔ اُس نے ایرانیوں کا لباس اختیارکرلیا۔ اگرچہ ایسا کرنے سے اُسے اپنے تمام ملکی حقوق سے دستبراد ہونا پڑا۔ کیونکہ اگراُس کو کوئی خطرہ درپیش آتا تواُس کے ملک کا سفیر اُس کی حفاظت کا ذمہ دارنہ ہوسکتا۔تمام قافلہ میں وہ اکیلا عیسائی تھا۔ کاروان والے اُس کو " ملائے فرنگ" کہتے تھے۔

دورانِ سفر وہ ناتاریوں اورکردوں میں خدا کے کلا کی اشاعت کرتا اورٹریکٹ اورفارسی انجیلیں تقسیم کرتا گیا۔ راہ میں جب کرمان شاہ کے مُلانوں کوخبر ملی کہ" ملائے فرنگ" اناجیل تقسیم کرتا پھرتا ہے تووہ ایک بڑی تعداد میں اُس کے پاس اور فینڈر کے ساتھ بحث کرنے لگے لیکن جب جواب نہ دے سکے تواُنہوں نے جامع مسجد میں اعلان کردیاکہ اناجیل کو جلادینا اورفینڈرکوقتل کردینا کارِثواب ہے۔ جس راہ سے وہ گذرتا تھا لوگ شوروغُل مچاتے تھے۔

وہ لکھتا ہے " وہ مجھے ٹھٹھوں میں اڑاتے مجھ پرلعنت بھیجتے اورمیرے منہ پربارباتھوکتے تھے"۔

لگے روز قافلہ وہاں سے روانہ ہوکر اصفہان پہنچا جوفینڈر کا منزل مقصود تھا۔ وہاں اُس نے یہودیوں ، مسلمانوں اورآرمینیوں کو مسیحی کتُب مقدسہ دیں۔ اصفہان میں اُس کو ایک نوجوان آرمینی عیسائی ملا جس نے بشپ کالج کلکتہ میں تحصیل علم کیا تھا اوراصفہان میں ایک اسکول کھولنے کی کوشش میں تھا تاکہ اُس کہ ہم وطن انجیل جلیل کا مسرت انگیز پیغام سن سکیں۔ اصفہان میں کلامِ اللہ کی منادی اوراشاعت ایک ناممکن امر تھا۔پس فینڈروہاں رہ کر نزدیک کے قصبوں میں کتابِ مقدس اوردیگر کتُب کوتقسیم کرتا اورمُلانوں سے بحث کیا کرتا تھا۔اُس کا یہ خیال تھاکہ اصفہان میں مُلانوں کو اشتعال دیئے بغیرخدا کا کام کرنا چاہیے۔

۱۸۳۳ء میں وہ طہران سے ہوتا ہوا واپس شوشا کی طرف چلا گیا۔ وہاں جاکر اُس نے باسل کی کمیٹی کوابھارا تاکہ اس کے شرکاء خدا کے کلام کی تبلیغ اہلِ اسلام میں کرنے کےلئے مبلغین کوایران بھیجیں۔شوشا سے وہ شمکی اوربالو میں گیا جہاں سے وہ تبریز کو چلاگیا۔ اس جگہ اُس نے میزان الحق کی نظر ثانی کی۔ اس کام میں اُس نے ایک آزاد خیال ایرانی منشی اورایک کٹر ملاُ کی مدد لی۔جس موخرالذکر نے اُس کے پاس آنے سے انکارکیا تو فینڈراپنے مسودہ کو اُس کے پاس بھیجتا تھا۔ جب کام ختم ہوگیا توایرانی منشی نے کہا" جناب آپ کسی کو نہ بتائیں کہ میں نے اس کتاب کی تصنیف میں آپ کی مدد کی ہے لیکن یہ کتاب آزاد خیال ایرانیوں میں بہت مقبول ہوگی"۔ ملاُصاحب نے کہلا بھیجاکہ " ہمیں افسوس ہے کہ یہ کتاب قرآن کے خلاف ہے۔اوراگرہمیں اس کے

ناپاک مضامین کی پہلے اطلاع ہوتی توہم مدد کرنے کا کبھی وعدہ نہ کرتے " تبریز کے مسلمانوں میں فینڈر نے مسیحی کتبِ مقدسہ تقسیم کیں اوران کتابوں کی دوکشتیاں بھرکر نسطوری صدااُسقف کوبھی روانہ کیں۔

۱۸۳۳ء میں وہ واپس جرمنی میں اپنے گھر گیا۔اس سال اُس کی شادی صوفیا ء یوس(Sophia Reuss) سے ہوگئی جو ماسکو کے ایک سینٹیر(Senator) کی بیٹی تھی۔ اُس کوبھی زبانوں کی تحصیل کاخاص ملکہ تھا۔ وہ نہایت دیندار اور دانشمند عورت تھی اورمسیح کی خاطر ایذادکھ اٹھانے کےلئے ہروقت تیارتھی۔ ۱۸۳۴ء میں دونوں میاں بیوی شوشا واپس آگئے۔

۱۸۳۵ء میں فینڈر کی بیوی وفات پاگئی ۔ اُسی سال شہنشاہ رُوس نے شوشا میں تبلیغی کام کی ممانعت کردی۔ شہنشاہ نے حکم دیا کہ اگرمشنری کھیتی باڑی کا کام سکھانے یا تجارت وغیرہ کیلئے شوشا میں رہنا چاہیں توحکومت کوکوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اُن کو انجیل سنانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ۔ یوں ایک نام نہاد" مسیحی" سلطنت نے شوشا کا مشن بندکردیا۔

فینڈراورکرایس(Kreiss) ۱۸۳۷ء میں ہندوستان بھیجے گئے۔ وہ ایران اورخلیج فارس سے ہوتے ہوئے تیرہ ماہ کے بعد کلکتہ پہنچے۔ وہاں چرچ مشنری سوسائٹی کے مشنری وائی براؤ (Wybrow) اوربردوان کے " رسولوں کا ساول رکھنے والے "مشنری وائٹ بریخٹ(Weit Brecht) نے (جوفینڈر کا رشتہ دارتھا) اُن کا خیرمقدم کیا۔

۱۸۴۰ء میں فینڈراورکرائیس نے باسل کمیٹی سے قطع تعلق کرلیا اورچرچ مشنری سوسائٹی نے اُن کو قبول کرکےآگرہ روانہ کردیا۔ہندوستان پہنچتے ہی فینڈر نے اُردو سیکھی اورمیزان الحق کومکمل کیا۔ بمبئی اورکلکتہ کے احباب کی مدد سے اُس نے اپنی فارسی تالیفات چھپواکر بنارس، آگرہ اوربمبئی روانہ کیں۔

فینڈر نے دوسری شادی ایک انگریز خاتون ایملی سونبرن(Emily Swimburne) کے ساتھ کی۔یہ خاتون بھی ایک مشنری تھی۔ دونوں میاں بیوی آگرہ کودریا کی راہ روانہ ہوئے اور۱۸۴۱ء کےآخر میں آگرہ بخیریت پہنچ گئے۔ آگرہ میں اُنہوں

نے گنجان آبادی کے درمیان جگہ رہائش اختیار کی۔ یہ مکان بشپ کوری (Corrie) نے خرید کر سی ۔ ایم ۔ ایس کو نذر کردیا تھا۔

اس گھر میں ہنری مارٹن (Henry Martyn) کا شاگرد عبدالمسیح کام کرچکا تھا۔ جس کا اسلامی نام شیخ صالح تھا۔ وہ دہلی کے سربرآور مسلمانوں میں سے تھا۔ اورشاہِ اودھ کا خاص جوہری تھا۔ ایک دفعہ جب وہ کانپور میں تھا تو ہنری مارٹن برسرِ بازار منادی کررہا تھا۔ وعظ کو سُن کر اُس کو مذاہب کی چھان بین کا شوق پیدا ہوگیا۔ اُس نے ثابت سے جو ہنری مارٹن کے ساتھ انجیل جلیل کا اُردو ترجمہ کرتا تھا درخواست کرتا گیا اُس کی روحانی پیاس بجھتی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۱۱ء میں پادری ڈیوڈ براؤن (Rev. David Brown) کے ہاتھوں اُس نے کلکتہ کے پُرانے گرجا میں بپتسمہ پایا۔ جب کوری آگرہ میں مقرر ہوکرگیا تو وہ اُس کو اپنے ساتھ چرچ مشنری سوسائٹی کا واعظ بنا کر لے گیا۔ عبدالمسیح ہندوستان میں سی ۔ ایم ۔ ایس کا پہلا کارندہ تھا۔ خدا نے آگرہ میں اجس کے کام پر بڑی برکت دی۔ چنانچہ سولہ ماہ کے اندر پچاس ہندومسلمان مسیحیت کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ ۱۸۱۴ء میں اُس کی تصویر انگلستان بھیجی گئی جو چرچ مشنری ہاؤس میں اب تک لٹکتی ہے۔ عبدالمسیح کے خطوط جو انگلستان باقاعدہ جاتے تھے نہایت دلچسپ تھے جن کو سوسائٹی کے احباب بڑے شوق سے پڑھا کرتے تھے۔ عبدالمسیح چرچ مشنری سوسائٹی کا پہلا میڈیکل مشنری تھا کیونکہ وہ طبابت بھی جانتا تھا اوردُوردُور سے لوگ اُس کے پاس علاج کے لئے آتے تھے ۔ بشپ مڈلٹن(Middleton) نے اُس کو ہندوستانی ہونے کی بنا پر قسیس کے عہدے پر مقرر کرنے سے انکارکردیا تھا لیکن اُس کے جانشین بشپ ہیبر(Heber) کو ہندوستانیوں کے تقرر پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ اُس نے ۳۰ نومبر ۱۸۲۵ء کے روز عبدالمسیح کو خادم الدین کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ پس دورِجدید میں ہندوستان کا پہلا خادم الدین اہل اسلام میں سے مسیح کے قدموں میں ،،،آیا تھا۔ ۴مارچ ۱۸۲۷ء میں چودہ سال کی خدمت کے بعد یہ خداوند کا وفادار خادم ابدی آرام میں سوگیا۔

فینڈر صاحب برسرِ بازار لوگوں میں مسیحیت کی منادی کیا کرتا تھا۔ اورروزانہ آگرہ اوراُس کے گردونواح میں جاکر کتُب مقدسہ کوتقسیم کرتا تھا۔ اہل ہنود کووہ خدائے واحد پر ایمان لانے کی اوراہل اسلام کو ابنِ وحید پر ایمان لانے کی دعوت دیتا تھا۔ اُسکی کتاب میزان الحق مولوی صاحبان کے پاس موجود تھی اورمولوی صاحبان کے اورفینڈر کے درمیان بحث کا سلسلہ جاری رہا۔

۱۸۴۵ء میں آگرہ کے ایک سرکاری افسر نے میزان الحق کے جواب میں کتابِ استفسار لکھی۔ لکھنئو کے مولوی محمد ہادی نے فینڈر کی کتاب مفتاح الاسرار کے جواب میں کشف الاستار لکھی جس کا جواب الجواب فینڈر میں حل الاشکال میں دیا۔ فینڈر اپنے یورپین احباب سے درخواست کی کہ وہ اُس کوکتُب الہٰیات بھیجا کریں تاکہ وہ مسلمان علماء کا تسلی بخش جواب دے سکے۔ خصوصاً وہ ایسی کتُب کا خواہشمند تھا جس میں کتب مقدسہ کے اختلافات کے جواب ہوں کیونکہ مسلمان علماء سٹراس (Strauss) فیورباخ(Feverbach) اورانگریزی ملاحدہ کی کتُب کا مطالعہ کرکے اعتراض پیش کیا کرتے تھے۔افسوس اس امر کا ہے کہ معترضین کویہ کتابیں آگرہ کی رومی کلیسیا کے اُسقف اورخادمان دین دیا کرتے تھے تاکہ وہ پروٹسنٹ علماء کو نیچا دکھاسکیں۔ان ملاحدہ یورپ کی کتُب کے علاوہ اُنہوں نے مسلمان علماء کوکلیسیا کی ابتدائی صدیوں کے بدعتیوں مثلاً مارسین، ابیونی، ایریس وغیرہ کی کتابیں بھی دیں۔اوران کے مضامین کو اُن علماء کے ذہن نشین کرتے رہتے۔ تاکہ بزعم خویش پروٹسنٹ خیالات کا پول کھل جائے۔ ہم ان بشپوں اوردین کے خادموں کی ذہنیت پر حیران رہ جاتے ہیں۔

فینڈر نے منادی کے لئے شہر کے گنجان حصہ میں دودُکانیں کرایہ پر لے لیں۔ وہ لکھتا ہے " لوگ مجھ پر ہنستے تھے اورمیرا مضحکہ اڑاتے تھے لیکن جس جگہ وہ ایسا کرتے میں وہاں لگے دن ضرور پہنچتا۔جب اُنہوں نے یہ دیکھا کہ میں ٹلنے والا شخص نہیں ہوں تواُنہوں نے ہنسی مذاق کرنا بند کردیا۔ اب میں بغیرکسی رکاوٹ کے اپنا کام کرتاہوں۔

۱۸۴۵ء میں وہ دریائے جمنا کی راہ دہلی پہنچا ۔ یہاں کے لوگوں کے پاس بھی میزان الحق تھی اوراُس نے علماء اسلام کے ساتھ جامع مسجد میں مناظرہ کیا۔

۱۸۵۱ء میں فینڈراپنی بیوی اوربچوں کی بیماری کی وجہ سے پہلی دفعہ انگلستان گیا۔ وہاں اپنی اہلیہ کوچھوڑکر جرمنی میں اپنے رشتہ داروں کی ملاقات کوگیا اور۱۸۵۲ء کے آخر میں نہرسویز کی راہ سے بمبئی پہنچا۔وہا ں سے وہ بیل گاڑی میں سفرکرتا ہوا فروری ۱۸۵۳ء میں واپس آگرہ پہنچ گیا۔

جب فینڈر انگلستان میں چھٹی پر تھا اُن دنوں میں چرچ مشنری سوسائٹی نے ٹامس ویلپی فرنچ(Thomas Valpy French) کو۱۸۵۱ء میں آگرہ میں مشن کالج کھولنے کے لئے روانہ کیا۔آگرہ میں دوسال کے قیام کے بعد فرنچ نے فینڈر سے ملاقات کی اورفرنچ نے فینڈر کے قدموں میں بیٹھ کر اسلام کا مطالعہ کیا۔ اورتادم مرگ اُس کا مداح رہا۔

آگرہ میں پہنچ کر فینڈر نے دیکھاکہ جوبیج اُس نے بویا تھا وہ بے پھل نہیں رہا۔ اہل اسلام مسیحی کُتب مقدسہ کا مطالعہ کرتے تھے۔دومسلمان رئیس مسیحیت کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ اُس کی کتاب میزان الحق دُوردُور پہنچ گئی تھی۔ کراچی میں مسٹر عبداللہ آتھم سرکاری ملازم کو اپنے آبائی دین کی نسبت شکوک پیدا ہوئے اوراُنہوں نے کراچی اور تمام ہندوستان کے نامی علماء سے اُن کے جواب طلب کئے لیکن جواب دینے کے بجائے اُنہوں نے کفر کا فتویٰ صادرکردیا اور مشہورکردیا کہ یہ سوالات کسی عیسائی نے لکھے ہیں جواپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے۔حالانکہ آتھم مسیحیت کے جانی دشمن تھے۔ دقیق مطالعہ کے بعد آپ نے بپتسمہ پایا۔ آپ ایک زبردست فلسفی اورشاعر تھے ۔آپ نے "آرام آتھمی"، اندرونہ بائبل، جوہرالقرآن ، نکات احمدیہ، آئینہ فطرت، ہوائے زمانہ " وغیرہ کتابیں لکھیں۔آپ نے اپنی عمر کی آخری منزل میں مرزا قادیانی سے امرتسر میں مباحثہ کیا۔ جب پندرہ روز کے مباحثہ کے بعد مزا نے دیکھاکہ اُس کوکامیابی نصیب نہیں ہوسکتی تواُس نے آپ کی موت کی پیشین گوئی کردی جو جھوٹی ثابت ہوئی۔ یہ مباحثہ کتاب " جنگ مقدس" میں موجود ہے اورجب تک مرزا ئی فرقہ زندہ ہے ڈپٹی عبداللہ آتھم فاح قادیان کا نام اُسکو گمراہ کن ثابت کرتا رہیگا۔

پشاور کے میجر مارٹن نے فینڈر کولکھا کہ یہاں ایک ایرانی ہے جوبپتسمہ پانا چاہتا ہے۔یہ ایرانی طہران کے ایک تاجر کا بیٹا تھا۔ایک آرمینی نے اُس کو ایران میں میزان الحق دی تھی۔ یہ ایرانی نوجوان مذہبی کتب پڑھنے کا شوقین تھا۔ اُس نے پشاور میں کرنیل ویلیہ(Col. Whelle) کوبازاری منادی کرتے سنا تھا۔ وہ میزان الحق پڑھ کر دوسال تک مسیحیت واسلام کے عقائد کا موازانہ کرتا رہا اوربلاآخر مسیحی ہوگیا۔ یہ ایرانی گویا شوشا کے مشن کاپھل تھا۔

ایسٹر ۱۸۵۷ء میں آگرہ میں فینڈر کا معرکتہ آلار مباحثہ علمائے اسلام کے ساتھ احاطہ عبدالمسیح میں ہوا۔ فرنچ اس کا مددگار تھا۔ فینڈر اس مباحثہ کی بابت لکھتا ہے۔

یہاں کے (آگرہ) کے علمائے اسلام دہلی کے علماء کے ساتھ مل کر گذشتہ دوتین سال سے کتابِ مقدس کا اورہماری کتابوں کا اورمغربی علماء کی تنقیدی کتُب اورتفاسیر کا مطالعہ کررہے تھے تاکہ وہ کتاب مقدس کو غلط اورباطل ثابت کرسکیں۔ اس کانتیجہ یہ ہواکہ دہلی کے عالم مولوی رحمت اللہ اوردیگر علماء نے کتابِ استفسار، ازالہ الاوہام ، اعجاز عیسوی وغیرہ کتب لکھیں۔

جنوری ۱۸۵۴ء میں جب میں یہاں نہیں تھا تومولوی رحمت اللہ آگرہ آیا تاکہ اپنے احباب کے ساتھ اُن کتُب کو چھپوانے کا انتظام کرے اس اثناء میں وہ مذہبی گفتگو کے لئے فرنچ کے پاس چند دفعہ آیا اورمجھے نہ پاکر افسوس ظاہر کیا۔ جب میں آیاتواُس نے اپنے ایک دوست کی معرفت مباحثہ کےلئے کہلوابھیجا اگرچہ میں جانتا تھا کہ مباحثوں کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا پھربھی میں نے مباحثہ کا چلینج منظورکرلیا۔ مباحثہ کی شرائط طے پائیں کہ مولوی رحمت اللہ اہل اسلام کی طرف سے ڈاکٹر وزیر خان کی مدد کے ساتھ مباحثہ کرے اورعیسائیوں کی طرف سے میں مسٹر فرنچ کی طرف سے مباحثہ کروں۔ مضمون زیربحث یہ قرار پائے (۱)مسیحی کتُب مقدسہ میں تحریف واقع ہوئی ہے اوروہ منسوخ ہوچکی ہیں(۲) الوہیتِ مسیح اوتثلیث (۳) رسالتِ محمدی:

بحث دودن تک رہی۔پہلے روز تقریباً ایک سومسلمان علماء مولوی رحمت اللہ کی مدد کےلئے جمع تھے۔دوُسرے

روز اُن کی اس سے دُگنی تعداد تھی۔ دوسری صبح پہلی تقریر میری تھی۔ میں نے کہا کہ قرآن انجیل کا مصدق ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیاکہ قرآن مروجہ انجیل کا مصدق نہیں کیونکہ وہ مُحرف ہے میں نے کہا کہ اچھا تم اُس انجیل کوپیش کرو جوغیر محرف ہے اورجس کا قرآن مصدق ہے اوریہ بتاؤ کہ تحریف کب اورکہاں واقع ہوئی ۔ مولوی صاحب سے اس کا جواب بن نہ آیا اور کہنے لگے کہ مغربی علماء مثلا ہارنHorne مکائلسMichaelis وغیرہ خیال کرتے ہیں کہ اناجیل میں اختلاف قرات موجو دہے۔جس سے ظاہر ہے کہ انجیل محرف ہے۔میں نے جواب دیاکہ اختلافِ قرات سے تحریف لازم نہیں آتی۔ اس کا جواب مولوی صاحب نہ دے سکے میں نے کہا کہ دوباتوں میں سے جسے چاہو اختیارکرلویا اس کا امر کا اقرارکروکہ انجیلی عبارت مصون ومحفوظ ہے اور جب الوہیتِ مسیح اورتثلیث پر بحث ہوتوہمارے عقائد کی تائید میں اُس کی عبارت کومانو اوریا اگلے روزثبوت پیش کروجس سے یہ معلوم ہوسکے کہ ہماری مروجہ انجیل کے الفاظ احکام اورعقائد انجیل کے اُن نسخوں سے مختلف ہیں جو زمانہ محمد سے پہلے موجود تھے۔مولوی صاحب نے دونوں باتوں سے انکارکردیا۔میں نے کہا کہ آپ کے انکارکا یہ مطلب ہے کہ ہم مباحثہ جاری نہ رکھیں۔مولوی صاحب نے بحث ختم کرنے پر رضامندی ظاہر کی اورجلسہ برخاست ہوگیا۔ اس پر اہل اسلام نے شورمچایا کہ اُن کی فتح ہوگئی ہے۔ لیکن مجھے یقین واثق ہے کہ گوجاہل مسلمان اپنی کم عقلی اورجہالت کی وجہ سے اس مباحثہ میں اپنی فتح تصور کرینگے لیکن خدا اپنے طریقہ سے بہت لوگوں کو راہِ ہدایت پر لائیگا۔

خدا نے فینڈرکی تمنا پوری کردی۔ اُن علماء اسلام میں سے جومولوی رحمت اللہ کے حامی تھے دوعلماء اس مباحثہ کے چند سال بعد عیسائی ہوگئے یعنی ایک مولوی صفدرعلی اوردوسرا مولوی عمادالدین ۔

مولوی عمادالدین صاحب کے حالات رسالہ " خداوند مسیح کے نورتن" اوراُن کی کتاب "واقعات عمادیہ" میں لکھے ہیں۔ یہاں مولوی صفدر علی کے واقعاتِ زندگی مختصر طورپر پیش کئے جاتے ہیں۔ آپ کے بچپن میں ہی آپ

کے بعض عزیز واقارب فوت ہوگئے جس کی وجہ سے دنیا کی ناپائداری اورعقبیٰ کی فکر نے اس چھوٹی عمر میں آپ کے دل میں گھر کرلیا۔ ۱۴برس آگرہ میں مختلف اُستادوں سے اوربعد میں گورنمنٹ کالج میں تعلیم حاصل کی پھر انگریزی میں اچھی خاصی مہارت حاصل کرلی۔ دینیات کا علم بھی حاصل کیا۔ آپ نے یو۔ پی کے لفٹنٹ گورنر سے تمغہ حاصل کیا جواب تک کسی عربی فارسی پڑھنے والے کونہیں ملا تھا۔ وہ اپنے کالج میں فارسی کے مدرس ہوگئے۔ اس کے بعد نیچرل فلسفہ کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ گودینیات کا مطالعہ برابر جاری رکھالیکن روحانی آرام حاصل نہ ہوا۔ پنجاب میں سررشتہ تعلیم جاری ہونے پرآپ روالپنڈی سے جہلم اورپشاور تک کے ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے جہاں درویشوں اور صوفیوں کی صحبت کی وجہ سے آپ نے سخت ریاضیتیں کیں اورمُرشد کامل کی تلاش کرتے رہے۔ جب آپ کی تبدیلی قسمت ملتان میں ہوئی جو" مشائخ صوفیہ کا بن " تھا توآپ نے اُن کے حلقوں ،مجلسوں اورخانقاہوں کو مُرشدِ کامل حاصل کرنے کے لئے چھان مارا لیکن اس تمام تگاپو سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آپ لکھتے ہیں کہ

من بہر جمعیتے نالاں شدم
صحبت خوشحالاں وبدحالاں شدم
ہرکسے ازظن خود شُدیدیارمن
ازدرون من بجنست اسرار من
سرمن ازنالہ من دور نیست
لیکن چشم وگوش زاں نورنیست

جب آپ ضلح جبل پور کے ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے اُن دنوں میں کتاب مقدس کا ایک حصہ آپ کو ملا جس کو ترید کرنے کی خاطرآپ نے پڑھا ۔ ان دنوں نیل کنٹھ شاستری (فادر نحمیاہ گورے) سے آپ کی ملاقات ہوئی اورآپ نے مسیحی دین کی اوراسلام کی تحقیق شروع کی۔ تین برس تک دن رات کے مطالعہ کے بعدآپ پر یہ ظاہر ہوگیاکہ مسیحیت برحق ہے اورنامی گرامی عالموں کو اپنا حال زارلکھ کر علاج کی درخواست کی لیکن سوائے کفر کے فتویٰ کے کوئی جواب نہ پایا۔ آپ نے فادرگورے کوبھی اپنے حال زار سے آگاہ کیا۔ پادری صاحب فوراً اُن کے پاس پہنچے اورچھ ماہ کی تعلیم کے بعد وہ

بیج جوفینڈر نے آگرہ کے مباحثہ میں بویا تھا کئی سالوں کے بعدپھل لایا اورآپ نے بتپسمہ پایا۔ اوریہ دھولپور کا رئیس خداوند کا ادنیٰ ترین غلام بن گیا۔ آپ نے کتابِ مقدس کی صحت واصلیت پر "نیاز نامہ" کتاب لکھی جوبہتوں کے لئے شمع ہدایت ثابت ہوئی ۔ آپ شاعر نغز گوتھے اورکلیسیا کی روحانی بہبودی کی خاطر آپ نے مسیحی شعرا کے کلام کو" غذائے روح" میں جمع کیا۔

فینڈر کے مباحثہ نے شمالی ہند کے کونے کونے میں ہلچل مچادی۔اُس کی کتاب میزان الحق کوپڑھ کر اُن لوگوں کے دل جوتحقیق حق میں سرگرداں تھے اسلامی تعلیم سے بدظن ہوگئے اورمتعدد مسلمان دنیا کے منجی کے قدموں میں آگئے۔ اُن میں سید ولائت علی خاص آگرہ تاج گنج بستی کے تھے جو۱۸۵۷ء میں دہلی میں ایامِ فساد میں شہید کردئے گئے۔مرزا غلام احمد دہلی کے بادشاہی خاندان میں سے تھے۔ وہ ۱۸۹۲ء میں امرتسر میں مدفون ہوئے۔ پادری عمادالدین صاحب نے اپنے خطِ شکاگو میں ۱۰۶ نامی مسلمانوں کے نام دئیے ہیں جو۱۸۹۳ء میں پہلے مشرف بہ مسیحیت ہوئے تھے۔

حق تویہ ہے بمشکل کوئی مسلمان ایسا ہوگا جوفینڈر کی کتاب میزان الحق پڑھے بغیر منجئی عالمین کے قدموں میں آیا ہو۔

فرنچ فینڈر کو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے " گومرحوم ڈاکٹر فینڈر بزرگ ہنری مارٹن کا سا دماغ اور لیاقت نہیں رکھتے تھے تاہم میدان مباحثہ میں یکتا تھے وہ اپنے ہمعصر مشنریوں میں جواہل اسلام میں کام کرتے تھے اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے مرحوم خود وفات پایا گیا ہے۔ لیکن اُس کا کام زندہ ہے اورکلیسیا کے لئے ایک غیرفانی وراثت چھوڑگیا ہے۔ مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں نے اُس کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا ہوا ہے۔ فینڈر کی یاد میرے دل میں ہمیشہ تازہ رہتی ہے۔ فینڈر اورڈف دوشخص ہیں جن کے کام نے مشنریوں کوسب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔خدا کرے کہ ہمارے مشنری قلم کے زور کے اثر کومحسوس کرکے اُس کام کوجاری رکھیں جوفینڈر نے شروع کیا ہے"سرولیم میور نے ۱۸۵۴ء میں اس بابت لکھاکہ" اہل اسلام کے ساتھ مباحثہ کرنے والوں میں وہ لائق ترین شخص ہے"۔

آگرہ کی کلیسیا میں ۱۸۴۸ء میں فینڈر نے ایک پنچائت قائم کی یہ شمالی ہند میں موجودہ زمانہ کی طرز کی پہلی پنچائت تھی۔ فینڈر لکھتا ہے کہ " کلیسیا کے قیام کے لئے اوراپنی مدد کے لئے میں نے ایک پنچائت قائم کی ہے۔ پنچائت کے شرکاء کوکلیسیا منتخب کرتی ہے۔ پنچائت کے ممبر چرچ وارڈن کا کام بھی کرتے ہیں۔ اورتادیبی اُمور کوسرانجام دیتے ہیں۔ جب کوئی شخص بپتسمہ چاہتا ہے توبپتسمہ دینے سے پہلے پنچائت کی صلاح لی جاتی ہے۔گذشتہ دوسال سے جماعت کہ شرکاء باقاعدہ چندہ دیتے ہیں جس کا انتظام پنچائت کے ہاتھوں میں ہے"۔

۱۸۵۴ء میں فینڈراپنی بیوی کوجوانگلستان سے واپس آگئی تھی لانے کےلئے کلکتہ گیا۔ وہاں کلکتہ کے بشپ نے اس کا تقرردوبارہ کردیا کیونکہ اس سے پہلے اُس کا تقررلوتھرن طریقہ پرہوا تھا۔ اوروہ واپس آگرہ آگیا۔

۴

جب چرچ مشنری سوسائٹی نے یہ فیصلہ کیاکہ پشاور میں مشن قائم کیا جائے تواُنہوں نے ۱۸۵۴ء میں فینڈر کو اورپادری رابرٹ کلارک (Robert Clark) کو وہاں بھیجا۔ کلارک سکول میں کام کرتا تھا۔کرنیل مارٹن(Col Martin) فوجی ملازمت کوترک کرکے سی ۔ ایم ۔ایس کا مشنری بن گیا۔ وہ مشن کا حساب کتاب رکھتا تھا۔ اگرچہ وہ مالدارآدمی نہ تھا پھر بھی اُس نے اپنی دولت کا بہت بڑا حصہ مشن کو دے دیا اورخودنہایت سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ ایک دفعہ اُس نے کہاکہ " میری تمام دنیاوی چیزیں ایک گاڑی میں آسکتی" انہی دنوں میں کنٹربری کے صدراُسقف نے فینڈرکوڈی ۔ ڈی کی ڈگری عطا کی۔

ڈاکٹر فینڈرپشاورمیں برسرِ بازارمسیحی کُتُب مقدسہ کی تعلیم دیتا اورمسیح مصلوب کی منادی کرتا تھا۔ اُس کوکئی دفعہ دھمکی دی گئی کہ وہ قتل کردیا جائیگا۔لیکن اُس شیرِدل شخص نے رتی بھر پرواہ نہ کی روسائے شہر نے کمشنر کو کہا کہ تبلیغ کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ لیکن سرہربرٹ ایڈورڈ (Sir Herbert Edward) نے مداخلت نہ کی۔ ڈاکٹر فینڈر ہندوستانی واعظین کے ساتھ ہرشام کوبازاروں میں اورشارع عام پر اپنے نجات دہندہ کی منادی کرتا تھا۔ پشاورمیں وہ تعلیم

یافتہ اشخاص کے ساتھ اُردو اورفارسی میں کلام کرتا۔ افغانوں کے ساتھ پشتو میں اورمولوی صاحبان کے ساتھ عربی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ اُس کے علم ولیاقت کودیکھ کرکسی مولوی کو مباحثہ کرنے کی جرات نہیں پڑتی تھی۔

فینڈرنے پشاورکے تمام علماء کو میزان الحق بھیجی۔ بعض نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ بعض نے اُس کو ہاتھ لگانے سے انکارکردیا۔ حافظ محمد عظیم نے عربی میں ذیل کا مکتوب بھیجا۔

"بعالیخدمت قسیس ڈاکٹر فینڈر صاحب۔ آپ کی مرسلہ کتابیں بغیرپڑھیں واپس کررہاہوں۔ خدائے اکبرنے ہم کو صراطِ مستقیم پر چلایا ہے اورہمارا علمِ عقل اورمکاشفہ اندرونی اوربیرونی ثبوت پر قائم ہے۔ پس ہمیں گمراہ لوگوں کی جھوٹی کتابوں سے کچھ تعلق اورواسطہ نہیں۔ اُن کی نسبت قرآن شریف میں وارد ہے کہ اُن کے دلوں پر خدا نے مہرلگادی ہے اوراُن کی آنکھوں پر پردہ چھاگیا ہے۔ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ عاقل کے لئے اشارہ کافی ہے"۔

پشاور میں ڈاکٹر فینڈر نے ایک اورکتاب تصنیف کی جس میں آگرہ اوردہلی کے علمائے اسلام کے اعتراضات کے مفصل جوابات تھے۔

مئی ۱۸۵۷ء کے بدامنی اورفساد کے ایام میں بعض احباب نے ڈاکٹر فینڈرکو یہ صلاح دی کہ وہ پشاور شہر میں برسرِ بازارتبلیغ کرنا چند ماہ کےلئے بند کردے تاکہ اُس کا جان ومال محفوظ رہے۔ اُس نے جواب دیاکہ وہ صرف خدا کی ہدایت کے مطابق عمل کریگا۔ چنانچہ اُن ایام میں اُس نے صرف دویا تین روزبازاری تبلیغ بند کی ورنہ وہ ہرروزبرسرِبازار اپنے نجات دہندہ کا پیغام لوگوں کو سنا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ خدا نے یہ ہولناک دن برطانوی گورنمنٹ پر اس لئے بھیجے کیونکہ وہ ہندوستان میں بُت پرستی کی معاون اورمسیحیت کی مددگاربونے سے خائف رہی ہے۔

سرہربرٹ ایڈورڈزنے ڈاکٹر فینڈرکی نسبت کہا "کون شخص ہے جس نے فینڈرکے پُرمحبت چہرہ کوایک دفعہ دیکھا ہو اوراُس کو دیکھ کر متاثر نہ ہوا ہو؟خدا نے اُس کو مشنری ہونے کے لئے خاص لیاقت عطا فرمائی تھی۔ اُس کا

دماغ بڑا زبردست تھا اورساتھ ہی وہ شیردل واقع ہوا تھا۔ وہ ایک زندہ دل ،جفاکش اورمحنتی انسان تھا۔ اُس کو ایشیائی ممالک کے لوگوں کا تجربہ حاصل تھا۔ اورہندوستان بھرمیں علمائے اسلام کے ساتھ مباحثہ کرنے میں وہ لاثانی تھا۔ وہ مسیحیت اورمسیحی عقائد کو ایشیائی نکتہ خیال سے لوگوں کے سامنے پیش کرتا تھا۔ اُس کی کتابوں میں یورپین علماء کے خیالات نظر تک نہیں آتے۔ خوش مزاجی اُس کے چہرے سے ٹپکتی تھی اورکوئی شخص اُس کے ساتھ دیر تک خفا نہیں رہ سکتا تھا"۔

جب ایامِ فساد ختم ہوگئے توڈاکٹر فینڈر، جرمنی اورسوئٹزرلینڈ ہوتا ہوا انگلستان چلا گیا کیونکہ پشاورمیں اُس کی بیوی کی صحت خراب رہتی تھی۔

۵

۱۸۵۸ء میں چرچ مشنری سوسائٹی نے ڈاکٹر فینڈرکو قسطنطنیہ بھیجا۔ وہاں کے لوگوں نے اُس کی کتاب میزان الحق کے فارسی ترجمہ کا مطالعہ کیا ہوا تھا۔ جب" وہاں پہنچا تواُس کو معلوم ہواکہ اُس کی کتاب کا جواب تیار ہورہا ہے۔ قسطنطنیہ میں کتُبِ مقدسہ اوردیگر مذہبی کتابیں اُس جگہ فروخت کی جاتی تھیں جہاں مقدس کرسسٹم نے کلیسیا کی ابتدائی صدیوں میں وعظ منادی کی تھی۔ اورجواب مسجد بنادی گئی تھی۔ ایک روز ایک لخت بغیر کسی اطلاع کے سلطانِ ترکی کے حکم سے تُرکی مسیحی قید کردئیے گئے۔ مسیحی کتب مقدسہ ضبط کی گئیں اورمسیحیوں کی عبادت گاہوں اوردُکانوں پر جہاں ان کتب کی فروخت ہوتی تھی قفل لگادئیے گئے۔ تُرکی گورنمنٹ نے ذیل کے احکام صادرکردئیے:

" ترکی گورنمنٹ اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ اسلام پر کسی طرح کا حملہ برسرِ بازار یاعلانیہ کیا جائے ۔ وہ مشنریوں کویااُن کے کارندوں کواسلام کے خلاف منادی کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔اس طرح کی کوشش ترکی گورنمنٹ کی نظر میں قومی مذہب پر حملہ تصورکیا جائیگا۔ وہ کسی مباحثہ کی کتاب کو برسرِ بازار یاعلانیہ طورپرتقسیم کرنے یا فروخت کرنے کی اجازت نہیں دیتی"۔ برطانوی سفیر نے ان ذلت آمیز احکام پر رضامندی ظاہر کردی۔ گوبعد میں بصد مشکل دکانیں کھلوائی گئیں لیکن اپنی جان کے ڈر کے مارے کوئی

شخص اُن دُکانوں کے نزدیک نہیں پھٹکتا تھا۔ لیکن ان حالات میں بھی ڈاکٹر اپنا کام برابر کرتا رہا۔ قسطنطنیه میں اُس کی بیوی کی حالت نہایت خراب ہوگئی اوروہ ۱۸۶۵ء میں اپنے بیوی بچوں کو انگلستان چھوڑنے چلا گیا۔

۱۸۷۰ء میں جب فرنچ ملتان گیا تو وہاں کے ایک مولوی نے جو مولوی رحمت الله اورڈاکٹر وزیر خان کا دوست تھا اُس کو بتایا که جب قسطنطنیه میں ڈاکٹر فینڈر کی وعظ منادی اورکتابوں کا شہرہ ہوا تو سلطان نے مولوی رحمت الله کو بلوا بھیجا تاکه ڈاکٹر فینڈر سے مباحثه کرے۔ لیکن مولوی رحمت الله کے دارالخلافه میں پہنچنے سے پہلے ڈاکٹر فینڈر وفات پاچکا تھا۔ کیونکه جب فینڈر انگلستان پہنچا تو اُس کی اپنی صحت خراب ہوگئی اوراُس کی حالت روزبروز ابتر ہوتی گئی۔ بلاآخر یکم دسمبر ۱۸۶۵ء کو وہ ابدی آرام میں داخل ہوگیا۔ اسکے آخری الفاظ یه تھے " میں اپنے گھر جارہا ہوں"۔

جب فرنچ ۱۸۹۰ء میں انگلستان گیا تو وہ مرحوم کی قبرکی زیارت کرنے کو گیا، وہ لکھتا ہے "کل (۱۱ستمبر) میں دہلی کے مسٹر کیلی(Kelly) کوہمراہ لے کر اپنے پُرانے اُستاد ڈاکٹر فینڈر کی قبر کی زیارت کرنے کے لئے ہیم(Ham) گیا۔ ہم دونوں نے قبر کے پاس گھٹنے ٹیک کر ہندوستان کے کام کے لئے دعا مانگی"۔

۶

فینڈر نے میزان الحق کے علاوہ ذیل کتب تصنیف کیں:

۱۔ طریق الحیات میں گناہ اورکفارہ پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

۲۔ مفتاح الاسرار میں الوہیتِ مسیح اورمسئله تثلیث پر زبردست بحث کی گئی ہے۔ اس کے جواب میں مولوی محمد ہادی نے جولکھنو کے عالم تھے ایک رساله کشف الاستار لکھا جس کے جواب الجواب میں فینڈر صاحب نے ۱۸۴۷ء میں(۳) حل الاشکال کوتصنیف کیا جو۱۸۸۴ء میں لدھیانه سے شائع ہوئی۔

۴۔ مراسلات۔ اس رساله میں وہ خطوط درج ہیں جوفینڈر اور مولوی سید آل حسن نے ایک دوسرے کو ایک

تحریری مناظرہ کے دوران میں ۱۸۴۴ء اور۱۸۴۵ء میں لکھے تھے۔مراسلات میں مناظرہ کے مضامین یہ تھے(۱) تحریف بائبل (۲) الوہیت مسیح اورتثلیث ۔(۳) رسالتِ محمدی۔ یہ مراسلات حل الاشکال کے ساتھ شائع کئے گئے۔

۵۔ اختتام دینی مباحثہ۔ اس میں فینڈر نے آگرہ کے مباحثہ کے مضامین کو مفصل بیان کیا ہے۔اس کے آخرمیں ضمیمہ کے طورپر دوخط ہیں جواُس نے مولوی رحمت اللہ کو اور ڈاکٹر وزیر خان کو ۱۸۵۴ء میں اُن کی کتاب" رسالہ مباحثہ مذہبی" کے جواب میں لکھے تھے۔ یہ کتاب ۱۸۵۵ء میں سکندرہ میں چھپی۔

یہ تمام کتابیں راقم السطور کے پاس موجود ہیں اوراُن کا مطالعہ ڈاکٹر فینڈر کے علم کی وسعت اورمسیحی غیرت اورحمیت کوظاہرکردیتا ہے۔

میری دعا ہے کہ جس طرح خدا گذشتہ ایک سوسال میں میزان الحق کے ذریعہ بے شمارلوگوں کوراہِ حق پر لایا ہے وہ آئندہ بھی ڈاکٹر صاحب مرحوم کی کتابوں کو استعمال کرے تاکہ اسلام میں سے لوگ جوق درجوق اپنے منجی کے قدموں میں آکرابدی نجات حاصل کریں۔ آمین۔

بشپ ٹامس والپی فرنچ

ایم ۔ اے۔ ڈی ۔ ڈی

Bishop Thomas Valpy French

ٹامس والپی فرنچ پادری پیٹر فرنچ کے بڑے بیٹھے وہ ۱۸۲۵ء میں نوروز کے دن پیدا ہوئے۔ اُن کی والدہ کا کنوارپن کا نام پنی لوپ آربیلا والپی (Penelope Arabella Valpy) تھا اس واسطے اُن کا نام والپی رکھا گیا۔ اُن کی پیدائش کا مقام آئبی واقعہ برٹن برلب دریائے ٹرنٹ تھا۔ جہاں اُن کے والد خادم الدین تھے۔ وہ وہاں پر چودہ برس کے سن تک رہے۔

فرنچ کی طبیعت لڑکپن ہی سے سیدنا مسیح کی خدمت کے کام کی طرف راغب تھی۔ چنانچہ جب وہ چھوٹا لڑکا تھا ۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ اُن جلسوں میں جواشاعتِ دین کے لئے منعقد ہوتے تھے۔نہایت خوشی سے جایا کرتا تھا۔ اورجوتقریریں اُن جلسوں میں ہوتی تھیں اُن کا اثر اُس کے دل پر بہت ہوتا تھا۔ وہ تقریر کرنے والوں کے لئے نام بنام دعا مانگا کرتا تھا۔ اُس نے اوائل عمر میں ہی یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ میں غیر اقوام کے چھوٹے لڑکوں کو سیدنا مسیح کی خوشخبری سنانا چاہتا ہوں۔

فرنچ نے پہلے ایک سال تک گرائمر سکول واقع ریڈنگ میں تعلیم پائی۔ اس کے بعد رگبی سکول چلا گیا۔ جس کا ہیڈماسٹر ڈاکٹر آرنلڈ (Arnold) تھا۔ ایسے ہیڈماسٹر کی تعلیم کا اثر اُس کی بعد کی زندگی میں جب وہ مشنری اوربشپ ہوا صاف نظر آتا تھا۔ طالب علمی کے زمانہ میں اس کے ہمعصر اس کے سامنے ہرزہ گوئی یا فحش کلامی کرنے کی جرات نہ کرتے تھے۔ ڈاکٹر آرنلڈ کے انتقال کے بعد فرنچ رگبی میں قریب ایک سال اورہا۔

۱۸۴۶ء میں فرنچ نے امتحان میں اول ہونے کی عزت حاصل کی۔ دوبرس کے بعدلاطینی زبان میں ایک مضمون کے صلے میں اُس کو چین سلر کا انعام ملا اوروہ اپنے کالج کا ایک فیلو ہونے کے لئے منتخب کیا گیا۔ اسی سال اُس کا تقرر ڈیکن

کے درجہ پر کیا گیا۔ اور وہ برٹن میں اپنے باپ کا اسسٹنٹ بنا۔ ۱۸۴۹ء میں اُس کا تقرر قسیس کے عہدہ پر ہوا۔

فرنچ نے زمانہ مابعد میں بتایا کہ خاص بات جس کے سبب سے اُس نے اشاعتِ انجیل کی خدمت اختیار کی یہ تھی کہ" بشپ ولبرفورس کی ایک تقریر نے مجھے اس بارہ میں قطعی فیصلہ کرنے میں مدد دی۔ اس تقریر میں اہل اوکسفورڈ سے بڑے زور کے ساتھ اس امر کی درخواست کی گئی تھی۔ کہ غیر ممالک میں اشاعت انجیل کی خدمت کرنی چاہیے"۔ فرنچ نے اپنے دوست وارڈ ہم کالج کے آرتھر لی سے اس امر میں صلاح ومشورہ کیا اوردعا مانگی۔ دونوں نے خدا کی خدمت اختیار کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد سی نے فرنچ کو یہ روح فرسا خبر دی کہ تمہارے دوست مسٹر لی ریل کا ایک حادثہ واقع ہونے کے باعث قریب المرگ پڑا ہے۔ وہ فوراً اُس کے پاس گیا۔ اوراُس کے انتقال کے وقت تک اُس کے پاس رہا۔ اس پر ملال واقعہ سے فرنچ کا ارادہ اور بھی قوی ہوگیا۔ چونکہ ایک اٹھالیا گیا تھا اوردوسرا چھوڑا گیا تھا۔

پس جو عہد دونوں نے آپس میں اپنے آپ کو خدا کی خدمت کے لئے مخصوص کرنے کے واسطے کیا تھا اُس کو پورا کرنا فرنچ کو ضروری معلوم ہوا۔

اپریل ۱۸۵۰ء میں اُنہوں نے اپنی درخواست چرچ مشنری سوسائٹی کو روانہ کردی اوروہ ہندوستان کی خاطر اوکسفورڈ سے دست بردار ہوگئے۔اُن کا ایسا کرنا دیدہ ودانستہ عزت وآرام کا ترک کرنا تھا۔ کیونکہ وہ اپنی یونیورسٹی میں بڑا مرتبہ حاصل کرسکتے تھے۔ سوسائٹی نے اُن کی درخواست منظور کی اورآگرہ میں جو مشن کالج قائم ہونے والا تھا۔ اُس کا پرنسپل مقرر کردیا۔ ایک ماہ کے بعد کریگ سٹوارٹ ڈبلن یونیورسٹی کے ڈگری یافتہ اُن کے نائب مقرر کئے گئے یہ دونوں پادری صاحبان ماہ ستمبر ۱۸۵۰ء میں جہاز پر سوار ہوکر ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے اورتخمیناً چار مہینے کا سفر طے کرکے ۲ جنوری کے روز کلکتہ پہنچے۔

۲

۱۳ ماہ فروری ۱۸۵۱ء کے روز فرنچ اورسٹوارٹ آگرہ پہنچے۔یہاں فرنچ نے آٹھ برس تک کام کیا۔ اس شہر میں چرچ

آف انگلینڈ کے متعلق مشن کا کام ۱۸۱۳ء میں اس وقت شروع ہوا تھا۔ جب آرچ ڈیکن دانیال گوری عبدالمسیح کو یہاں لائے ۔ عبدالمسیح پادری ہنری مارٹن صاحب کی کوشش سے مسیحی ہوئے تھے۔ اُنہوں نے ۱۸۱۲ء میں چالیس برس کی عمر میں مسیحی دین کو اختیار کیا تھا۔ وہ شاہ اودھ کے دربار میں جواہرات کے درواغہ تھا۔ مگراُنہوں نے اس اعلیٰ مرتبہ کوکاٹی کسٹ کی قلیل تنخواہ پر قناعت کی۔ اس میں سے بھی وہ آدھی خیرات کردیا کرتے تھے۔ اوروہ طبابت میں مہارت رکھتے تھے اوراپنے غریب ہموطنوں کا علاج مفت کیا کرتے تھے۔ وہ ۱۸۲۰ء میں لوتھری کلیسیا کے دستور کے مطابق خادم دین کے عہدے پر فائز ہوئے تھے۔ ۱۸۲۵ء میں بشپ ہیبر نے اُن کو چرچ آف انگلینڈ کے دستور کے مطابق خادم دین بنایا۔ ۱۸۲۷ء میں اُنہوں نے وفات پائی۔ اورچونکہ گوری اُن کی وفات سے پہلے آگرہ سے چلے گئے تھے اس واسطے مشن کا کام کچھ عرصے تک ملتوی رہا۔

۱۸۳۷ء میں مشن کا کام پھر شروع کیا گیا۔ اس وقت سخت قحط سالی تھی۔ بہت سے یتیم بچے مشنریوں کوسپرد کئے گئے جن کے واسطے ایک یتیم خانہ سکندرہ میں قائم کیا گیا۔ فرنچ اوراسٹوارٹ کے آنے سے پہلے بہت سے یتیموں نے شادیاں کرلی تھیں اورایک اچھی خاصی بستی آباد ہوگئی تھی۔ ایک بڑا چھاپہ خانہ بھی قائم ہوا تھا۔ جس میں کُل سرکاری کاغذات چھپا کرتے تھے۔ جونفع اس سے ہوتا تھا وہ مشن کے اخراجات کے لئے کافی تھا۔ جب یہ دونوں پادری صاحبان ۱۸۵۱ء میں اعلیٰ تعلیم شروع کرنے اورسینٹ جانز کالج قائم کرنے کے واسطے آئے تب مشن کا کام گویا تیسرے مرحلے پر پہنچا۔

آگرے کے یورپین اُس وقت مشن کے بڑے مددگار تھے۔ان میں بعض نہایت دیندار تھے۔ مثلاً سرولیم میور، لیڈی میور(جنہوں نے چند ہفتوں تک نووارد پادری صاحبوں کو اپنے گھر میں مہمان رکھا)۔ پیرسن اوراُن کی اہلیہ جنہوں نے مشن کی امداد کے طورپر خوبصورت اشیاء کی فروخت کے لئے ایک کمرہ اپنے مکان میں علیحدہ کردیا۔ آگرہ کے کلکٹر شیکسپئر جن کی تحریک سے ایک کاٹی کسٹ یورپینوں کے نوکروں کو تعلیم دینے کے واسطے مقرر کیا گیا۔ اُنہوں نے آپس

میں چندہ کرکے نئے کالج کے قائم کرنے کے لئے پندرہ ہزار روپے جمع کئے۔ مشنری صاحبان کا یہ منشاء تھا ۔ کہ ایسا کالج قائم ہوجس میں علوم دینوی کی تعلیم گورنمنٹ کالج کے معیار کی ہو اورساتھ ہی دینی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے۔

۳

مشنری صاحبان نے آتے ہی آگرہ میں کام شروع کردیا۔ گو سینٹ جانز کالج کی نئی عمارت ۱۸۵۳ء کے آخر میں تیار ہوئی ۱۸۵۱ء کے شروع میں عید قیامت کے روز کالج میں طلباء کا شمار ایک سو پچاس تھا اوریہ شمار ۱۸۵۷ء کے فساد تک برابر بڑھتا گیا۔ جس وقت فساد شروع ہوا کالج میں تین طلباء تھے۔

فرنچ میں ایک بات نہایت قابلِ تعریف یہ تھی کہ وہ کبھی اپنے وقت کو ضائع نہیں کرتے تھے۔ بعد کے زمانہ میں اُن کوغیر زبانوں میں مہارت رکھنے کے سبب" ہفت زبان پادری " کا لقب دیا گیا۔ نئی زبانوں کے سیکھنے میں اُن کو وہی دقتیں پیش آئی تھیں۔ جو عموماً اورپادریوں کو آتی ہیں۔ زبانوں کے سیکھنے کی قابلیت تواُن میں ضرورتھی لیکن صرف سخت محنت کی وجہ سے اُن کوایسی اعلیٰ لیاقت حاصل ہوئی۔ جس کے باعث وہ بہت مشہورہوئے۔ چنانچہ خوداُن کا بیان ہے کہ" میں ہرروز صبح چار بجے اٹھتاہوں اوردس گھنٹے کام کرتا ہوں۔ پر اُس کے بعد میں کسی کام کے لائق نہیں رہتا۔ مجھے اس بات کی بہت خواہش ہے۔ کہ یہاں کی زبان سے پوری واقفیت حاصل کروں۔ لیکن چونکہ اب معجزے کے طورپر زبانوں کی نعمت نہیں ملتی اس لئے میں اُس کو دوسرے لوگوں کی طرح صرف صبر سخت محنت اورمشقت کے وسیلہ سے ہی حاصل کرسکتاہوں"چنانچہ ان ایام میں فرنچ نے پانچ مختلف زبانیں سیکھ لیں۔

وہ تحریر کرتے ہیں کہ" اب ایک نیا مُنشی مجھے ہرہفتے تین چار گھنٹے تک اردو اورفارسی پڑھانے آتا ہے۔ اورایک پنڈت بھی ہر روز دوگھنٹے ہندی پڑھاتا ہے۔اس کے علاوہ میں ہر ہفتے میں تین روزاسکول میں چار گھنٹے کے واسطے جاتاہوں۔ اورطلباء بھی کبھی کبھی میرے مکان پر آجاتے ہیں۔ چنانچہ جوتین چار جوان طلباء مجھ سے تعلیم پاتے ہیں اُن میں سے ایک دوشام کے وقت اکثر آیا کرتے ہیں ۔پھر میں وہ کام

کرتاہوں جس کو میں ان دنوں نہایت ضروری سمجھتاہوں۔ یعنی اردو اورہندی کوآپ پڑھتاہوں۔

فرنچ نے دیسی زبان سے جوواقفیت اس محنت سے حاصل کی آگرہ میں پہنچنے کے بعدہی استعمال میں لے آئے۔ چنانچہ ۱۸۵۱ء کے مبارک جمعہ کے روزاُنہوں نے بیس لڑکوں کوسیدنا مسیح کی اذیت پر اُن کی اپنی زبان میں تعلیم دی۔ یورپین لوگوں کی ہمدردی بدستورسابق جاری رہی۔ حق تویہ ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا تھاکہ کوئی شخص فرنچ کی نفسی کشُی دیکھنے اورہمدردی کرنے سے بازرہے۔ چنانچہ اعلیٰ عہدیدار اوردوسرے لوگ طالب علموں کے وظیفوں اوراخراجات کے لئے فیاضی سے روپیہ دیا کرتے تھے۔سرہنری لارنس جیسے ذی رتبہ آدمی کالج کودیکھنے آیا کرتے تھے اورجاتے وقت معقول رقم بطورعطیہ دے جاتے تھے۔

فرنچ اس بات کا خاص طورپر خیال رکھتے تھے کہ طلباء کو دینوی تعلیم کے ساتھ ساتھ انجیل جلیل کی تعلیم بھی ملے جس طرح وہ بازاروں میں منادی کرتے تھے اُسی جوش کے ساتھ وہ کالج کے طلباء کو سیدنا مسیح نجات بخش پیغام دیتے تھے۔ اُن کورتی بھر شک نہ تھاکہ یہ پھل بھی خدا کے مقرر کئے ہوئے وقت پر ظاہر ہوگا۔ مثال کے طورپر یہاں ایک خط نقل کیا جاتا ہے۔ جوفرنچ کوآگرہ چھوڑنے کے پندرہ برس بعد ملا:

جناب معززپادری صاحب مجھے اُمید ہے۔ کہ آپ ان چند سطورکی تکلیف دہی معاف فرمائینگے۔ میں آپ کا دیرینہ طالب علم ہوں۔ جوآپ سے پاک کتاب پڑھا کرتا تھا۔اور ۱۸۵۵ء میں بپتسمہ پانے والا تھا مگراپنی ماں کی وجہ سے جوابھی تک جیتی ہے رُک گیاتھا۔ جن دینی حقائق کی تعلیم آپ نے عذر سے پہلے پاک کتاب میں سے دی تھی۔ وہ ایسی ذہن نشین اوردل پر منقش ہوگئی تھی کہ میں اپنی گنہگاری کوفراموش نہ کرسکا۔ حتیٰ کہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ مسیح کی کلیسیا میں پورے طور سے شامل ہوجاؤں۔ اورمیں نے ماہ نومبرمیں بپتسمہ پایا۔ میں آج کل علی گڑھ کے گورنمنٹ ہائی اسکول میں سیکنڈ ماسٹرہوں۔ اوراپنے بیوی بچوں کے ساتھ اب بھی اُسی طرح سے رہتاہوں جیسے بپتسمہ پانے سے پہلے رہا کرتا تھا۔

(راقم۔ آپ کا خادم شوبھا رام)

فرنچ کی بڑی آرزو یہ تھی۔ کہ کالج ہندوستانی کلیسیا کے خادمانِ دین کی تربیت کا مقام ہو۔چنانچہ اُنہوں نے سات برس کام کرنے کے بعد لکھا کہ اگریہاں سے ایک خادم دین بھی پیدا ہو۔ تومیں سمجھونگا کہ جومحنت میں نے کالج پرکی ہے اُس کا عوض مجھے مل گیا ہے۔یہ خوشی بھی اُس کو حاصل ہوگئی۔ کیونکہ اُس کے انگلستان کوچلے جانے کے بعدایک طالب علم مادھورام نے بپتسمہ پایا۔ بعد ازاں وہ جبل پورکی ایک جماعت کے پاسبان ہوئے۔ اس نومرید نے بیان کیاکہ اُس کے عزیزوں نے اُس سے کہا" تم نے اورمذہبوں کی کتابیں نہیں دیکھی ہیں۔ جب اُن کو پڑھ لوگے تب ہم تم کوبپتسمہ پانے دینگے ۔تم صرف بائبل نہ پڑھو" مگرخدا میرا مددگارتھا میں نہ ڈرا۔ میں نے صاف صاف کہا۔ کہ میں خدا کے حضور گنہگار ہوں میں اُس کے سامنے نہیں جاسکتا۔میں بُت پرستوں میں نہیں رہونگا۔ کیونکہ مجھے مسیح پر ایمان لانا چاہیے۔ جس نے ہمارے لئے اپنی جان دی۔ میں ایک دم بھی اُس کے بغیر نہیں جی سکتا ۔اُنہوں نے یہ سن کر تعجب کیا اور کہا ہمیں بتاؤ توعیسائی مذہب کے سچ ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ میں نے دلیری سے جواب دیا کہ مسیح نے میرے دل کو بدل دیا ہےاورایسا بنا دیا ہے کہ اُن تکلیفوں سے جوتم دے رہے ہومجھے بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس پر اُنہوں نے کہا کہ تمہارا علانیہ عیسائی ہونا کیا فائدہ دیگا۔ ہر شخص تم سے نفرت کریگا۔ اورتم پرہنسیگا بلکہ کوئی شخص تم سے بات بھی نہ کریگا۔ میں نے جواب دیا کہ اگرکوئی اپنے ایمان کوظاہر نہی کرتا ہے۔ تواس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دینوی عیش وعشرت کی خواہش اُس کوناتواں بناتی ہے اگرکوئی مجھے ستائیگا یا تنگ کریگایا میرے ساتھ کسی طرح کی برائی کریگا تومیں اُس کے واسطے دعا مانگو گا۔ اوراُس کوپیارکرونگا کیونکہ سیدنا مسیح نے فرمایا ہے۔ کہ تم اپنے دشمنوں سے پیار کرو۔تب اُنہوں نے کہاکہ تمہارے ماں باپ تم کوچھوڑدینگے میں نے جواب دیاکہ اگر میرے ماں باپ مجھے چھوڑدینگے تو خداوند مجھے سنبھال لے گا۔ کسی نے کہا یہ پاگل ہوگیا ہے۔ کسی نے کہا شرابی ہے۔ کسی نے کہا اس پر شیطان سوار ہے۔ اس کے بعد اُنہوں نے مجھے گھر سے نکلنے نہ دیا۔ میں نے

گذشتہ مہینے کی ۱۰تاریخ کوبپتسمہ پایا۔ خداوند کی حمد کیجئے میرے لئے دعا مانگئے ۔ کہ میں اپنے آپ کو خاک سمجھوں۔ دعا سے غافل نہ رہوں۔ اورسیدنا مسیح کا سچا اوروفادار سپاہی بنارہوں"۔ بازاری منادی کے وقت طلباء فرنچ کی بڑی مدد کرتے تھے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ" اس بات کے دیکھنے سے تعجب ہوتا ہے۔ کہ جب میں شہر میں منادی کرتاہوں توکالج کے لڑکے ہمارے طرفداربن جاتے ہیں اورہماری مدد کرتے ہیں۔

بازار کی بحث کا نتیجہ بعض وقت یہ ہوتا تھاکہ کسی مکان میں عام مباحثہ کی تجویز قرارپاتی تھی۔ فرنچ نے ایسے ایک مباحثہ میں میزان الحق کے مصنف ڈاکٹر فینڈرکی جوفنِ مناظرہ کے سبب مشہورہیں مدد کی۔ آگرہ کے مسلم علماء دہلی کے بڑے مولویوں اوردیگر لوگوں کے ساتھ کتابِ مقدس اورکتبِ مباحثہ کے مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ چنانچہ مولوی رحمت اللہ صاحب دہلوی نے فرنچ سے کہا ۔" ہم چاہتے ہیں کہ ایک مباحثہ کیا جائے۔ یہ مباحثہ دودن متواتر ہوتا رہا اورشہر کے اکثر مسلمان عالم اُس میں شریک ہوئے تھے۔ اس معرکتہ الاآرا مباحثہ کا مفصل ذکر ہم پادری فینڈر کے تذکرہ میں کرآئے ہیں۔ اس مباحثہ میں یورپین ملاحدہ کی کتب کے جواب فرنچ ہی دیا کرتے تھے۔

دوشخص جواس مباحثہ میں مسلمان علماء کے مددگارتھے۔ کچھ عرصہ کے بعد مسیحی ہوگئے ۔ اُن میں ایک مولوی صفدرعلی صاحب سرکاری عہدہ دارتھےاوردوسرے پادری عماد الدین صاحب تھے جنہوں پنجاب میں کتب مناظرہ تحریر کیں۔ جب فرنچ لاہور کے پہلے بشپ مقرر ہوئے تواُن کو اس بات سے بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ مولوی صاحب کو اُن کی وساطت سے ڈی ۔ ڈی کا درجہ حاصل ہوا۔

انجیل کی منادی صرف آگرہ کے بازاروں میں ہی نہیں کی جاتی تھی بلکہ کالج کی تعطیل کے دنوں میں منادی کرنے کے واسطے دورہ کو جانے کا انتظام بھی کیا جاتا تھا۔ چنانچہ پہلے ہی جاڑے کے موسم میں فرنچ نے تین ہفتے اُن دیہات میں بسر کئے جودریائے چمبل کے متصل واقع ہے۔ وہ لکھتے ہیں " سکول سے سبکدوش ہونے کے سبب سے مجھے قدرے آرام

ملا ہے۔ یہاں کی آب وہوا نہایت مرغوب ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ میں ازسر نوتوانائی حاصل کرکے آگرہ واپس جاؤنگا" ۔ جتادر کے گاؤں میں ایک مسلمان جمعدار فرنچ سے کہنے لگا "آپ نے ہم سے ابھی فرمایا ہے کہ ہمیں مسیح کے پاس جلدی آنا چاہیے۔ لیکن ہم یہ کس طرح کرسکتے ہیں جب سوائے آپ کے کوئی شخص یہ باتیں ہمیں سکھانے کوکبھی نہیں آتا۔ ہم نے لاٹ صاحب اورکرنیل صاحبوں کوا س طرف سے گذرتے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن وہ ہم سے ایسی باتیں نہیں کہتے"۔

مباحثہ کے تھوڑے عرصے کے بعد فرنچ نے دہلی کے بادشاہ کی ایک بھتیجی کے ساتھ جو مسیحی دین کی مائل ہوگئی تھی خط وکتابت شروع کی۔ کچھ دنوں کے بعد اُس سے ملاقات بھی حاصل ہوگئی ۔ اورچونکہ اُس نے معقول جواب دئیے اس لئے فرنچ نے اُسے بپتسمہ دے دیا۔

ایک گاؤں کے شخص کی نسبت فرنچ لکھتا ہے کہ" ایک ضعیف آدمی جس کا ظاہری ڈھنگ خوشنما اورمودبانہ تھا فارسی زبان میں ایک نسخہ مقدس لوقا کی انجیل اوراعمال کا اورایک رسالہ جس میں نجات دہندہ کا احوال مندرج تھا لایا اور کہنے لگا کہ میرے پاس مسیحی دین کی اوربھی کتابیں موجود ہیں اورمیراایمان انہی پر ہے۔کیونکہ میرے دل کو صرف ان سے تسکین حاصل ہوئی ہے اُس نے کہا کہ میں اکثر اپنے گاؤں کے آدمیوں کے ساتھ باتیں کرتا ہوں۔ اوراُنہیں سمجھاتاہوں کہ پربھو مسیح کے قاعدہ کے موافق خدا کی پرستش کرنی چاہیے۔ آدھے گاؤں کے آدمی تواب بُت پرستی سے بالکل پرہیز کرتے ہیں۔ اور صرف واحد خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ گوکسی خاص طریق سے نہیں کرتے لیےلیکن آدھے ابھی تک بُت پرستی پر قائم ہیں۔ اُس نے کہا کہ جوکام مسیح نے آدمیوں کے لئے کیا اورکسی نے کبھی نہیں کیا۔ اس بات کا مجھے پورا یقین ہے"۔فرنچ نے اُس کے سامنے مقدس یوحنا کی انجیل کے کچھ حصے پڑھے۔ وہ پندرھواں باب سننے سے اور بالخصوص اُنگورکی بیل کی تمثیل سے نہایت خوش ہوا۔ فرنچ نے اُس گاؤں میں صبح وشام دونوں وقت بہت آدمیوں کے سامنے منادی کی جس کواُنہوں نے نہایت غور سے سنا۔

لیکن اس سے بھی زیادہ دلچسپ احوال ایک درزی کا ہے۔جس نے جلیسر کے متصل ایک مقام سے فرنچ کو کہا

کہ" مجھے معلوم ہے۔ کہ آپ کون ہیں" آپ خداوند کے خادم ہیں"۔ فرنچ نے اُس سے پوچھا کہ تم کس کو خداوند کہتے ہو۔ اُس نے جواب دیا خداوند مسیح کو۔ اس آدمی نے بیان کیاکہ تھوڑا عرصہ گذرا ایک واعظ اس گاؤں میں آیا تھا اوراُس نے سیدنا مسیح کا حال لوگوں کو بتایا تھا۔ جب اُس کا کلام ختم ہوا تواُس نے ایک آدمی کوایک رسالہ دیا۔ لیکن اُس شخص نے اُسے پھاڑکرپھینک دیا۔میں نے اُن ٹکڑوں کو اٹھالیا۔ اورجوڑکر اُن کو پڑھا۔ اس کے بعد میں نے اپنے دوستوں سے اُس کی نسبت بات چیت کی اوروہ مجھ کو اپنا اُستاد سمجھنے لگے۔ اس شخص نے فرنچ سے کہاکہ آپ میرے مکان پر تشریف لائیے۔ فرنچ نے درزی کے گھر کا صحن ایسے آدمیوں سے بھرا ہوا پایا جومذہبی اُمور دریافت کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ اورجب کبھی فرنچ کا گذر اُدھر سے ہوتا تھا وہ اُس سے ضرور مل کرتے تھے۔ انجام کارایک فرنچ نے بڑی خوشی کے ساتھ اُسے راہ کے کنارہ بپتسمہ دیا۔

آگرے کا آخری سال نہایت ہمت بڑھانے والا سال تھا۔ چنانچہ فرنچ لکھتا ہے کہ " یہ سال پھلدارسال گذرا ہے میں نے خود سات بالغوں کو بپتسمہ دیا ہے اور پادری شنائیڈر نے بھی چند آدمیوں کو بپتسمہ دیا ہے۔ ان سات نومسیحیوں میں سے دومنشی ہیں۔ جو صاحبِ لیاقت اوراستعداد ہیں۔ کالج کی فارسی اورعربی جماعتیں اُن کے سپرد کی گئی ہیں۔شائد خدا کی مرضی یہ ہو۔ کہ وہ کبھی اُن کو اپنی کلیسیا میں مبشریاپاسبان بنائے۔ جودرس میں نے ہفتہ میں دومرتبہ اُردو زبان میں علمِ الہٰی اورمضامین کتابِ مقدس پر دیئے ہیں۔ اُن پر اُنہوں نے بہت توجہ دی ہے۔ اورجوتعلیم میں اب میرٹھ کے نومسیحی منشی پال (جوخادم دین بننے والے ہیں) ہرروز دیتاہوں۔ اُس میں بھی یہ دونوں شریک ہوتے ہیں۔ ایک اورمنشی کو جو اُن کی نسبت استعداد اورلیاقت کم رکھتا ہے کالج کی ایک جماعت تھوڑے عرصہ میں سپرد کردی جائیگی ۔ ان سبھوں نے مسیح کے واسطے سب کچھ چھوڑدیا ہے۔اوراُس کے نام کی خاطر بہت سخت مصیبتیں اورملامتیں اٹھائی ہیں۔

۱۸۵۷ء کے شروع ہونے پرکسی کو اُن مصیبتوں کا ذرا بھی خیال نہ تھا۔ جو پیش آنے والی تھیں۔ فرنچ نے ایک خط

۳ مئی کو تحریر کیا جس میں مشن کے کام اورنئی تجویزوں کا توبہت ذکر ہے۔ مگرجوفساد برپا ہونے والا تھا اُس کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ اس خط کے لکھے جانے کے ایک ہفتہ بعد میرٹھ میں فساد شروع ہوگیا اورگیارہ مئی آگرے میں اُس کی خبر پہنچی۔

یہ نہایت دلچسپ اورنصیحت آمیز بات ہے۔ کہ یہ مردِ خُدا جب تک ہوسکا ایمان اوراطمینان کے ساتھ کام میں مشغول رہا۔ ۱۷جون کے روزوہ لکھتا ہے کہ" ہم نے حال میں سوائے فساد اورکشُت وخون کی خبروں کے اورکوئی بات بہت کم سنی ہے۔ ہمیں نہ تو دن کو اورنہ رات کو اپنے گھر سے کہیں جانے کی ضرورت پڑی ہے۔ اس جگہ کئی مقامات کی مورچہ بندی کی گئی ہے۔ اوریوشین اوردیگر والنٹیر سپاہی ان کی حفاظت کے لئے مقررکئے گئے ہیں اورچند لوگ وہیں جاکر رات کو سوتے ہیں۔ میں صبح کوسکول کے بعدکاٹی کسٹوں کی جماعت پڑھانے کے علاوہ ایک کتاب لکھتاہوں۔ اُ سکی تیاری میں اورغیر زبانوں کے حاصل کرنے میں بھی خاصی ترقی کررہا ہوں۔ ہمارا تبلیغ کا کام بالکل بند ہوگیا ہے۔ دین کے متلاشی بھی کم ہیں۔ اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اب بھی ہم کو بہت کچھ امن وآرام حاصل ہے اوردرحقیقت برابر حاصل رہا ہے۔ ان کلمات سے کہ " تواپنے ڈیرے کے پردے میں مجھے پوشیدہ رکھیگا"۔ مجھے نہایت ہی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ جوکچھ آئندہ ہونے والا ہے۔ وہ خدا کے ہاتھ میں ہے" ماہ جولائی کے شروع میں وہ انگریزی قلعے میں چلے گئے اورشاہ گنج کی لڑائی (۵جولائی) کے بعد اُن کو قلعہ کے اندربند رہنا پڑا۔ ایک انگریز جج معہ اپنی اہلیہ کے اورمیجر ریکس معہ اپنی اہلیہ اورایک بچے کے اورفرنچ معہ اپنی بیوی اوردوبچوں کے صرف تین کمروں میں رہا کرتے تھے۔ جن میں سےایک میں مرد رات کے وقت سویا کرتے تھے۔ اوردن کو اُسی کمرے میں مل کر سب کھانا کھاتے تھے۔ باقی دوکمرے عورتوں اوربچوں کودیئے گئے۔ دوسرے یورپین تواپنا بیش قیمت مال اورزیورات اپنے ساتھ قلعہ میں لے گئے لیکن فرنچ اپنے ساتھ صرف چند کتابیں لے گئے جن سے ترجمہ کرنے میں مدد مل سکے۔

فرنچ نے اُس سلوک کی وجہ سے جواُنہوں نے ایامِ فساد میں عیسائیوں سے کیا رہردلعزیز ہوگئے ۔ سکندرہ کی بستی کے

عیسائی اپنا سب مال واسباب کھوچکے تھے۔ ۴، ۵ ماہ جولائی وسکندرہ کوچھوڑکر ایک ایسی جگہ آگئے تھے جوقلعہ کی توپوں کے نیچے تھی۔ کچھ عرصہ تک وہ منت کرتے رہے۔ کہ ہمیں قلعہ کے اندرآنے دو۔ کیونکہ اُن کو یقین تھا کہ اگر باہر رہینگے توضرورمارے جائینگے۔ مگرکسی نے اُن کی نہ سنی۔ اس حال میں فرنچ نے لفٹنٹ گورنر کالون کی طرف رُجوع کیا اورعیسائیوں کوقلعہ میں لانے کی زبانی اجازت حاصل کی۔ لیکن جب وہ اُن کوقلعوں میں لانے لگے توقلعدار نے روکا اوراندرآنے نہ دیا۔ فرنچ نے بہت کچھ کہا سنا اورجب دیکھا کہ حجت سے کچھ فائدہ نظرنہیں آتا تواُنہوں نے عیسائیوں کے ساتھ قلعے کے باہر رہنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تب قلعدار کے ایڈی کونگ نے فرنچ کوالگ لے جاکر سمجھایا کہ بریگیڈئر سے عیسائیوں کوقلعہ کے اندر لانے کے واسطے تحریری حکم حاصل کریں۔ اس کے بعد کوئی دقتِ پیش نہ آئی۔ اوریہ واقعہ تمام ہوا۔ لیکن چونکہ فرنچ نے اس بڑے خطرے کے وقت عیسائیوں کے ساتھ نہایت ہمدردی ظاہر کی حتیٰ کہ اُن کے شریکِ حال ہونے کو بھی تیار ہوگئے۔ اس واسطے اُنہوں نے

ہندوستان کے مسیحیوں کے دلوں میں جگہ پائی۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ مشن کالج کے طالب علموں کا طوروطریق فساد کے نازک وقت میں بھی قابلِ تعریف تھا۔ فرنچ نے ۲۷ء اگست کولکھا " میرا دل پہلی جماعت کے طلباء سے بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ وہ باوجود عام لوگوں کے شورمچانے کے دلی توجہ اوررضامندی کے ساتھ روزمرہ دینی تعلیم پاتے ہیں"۔ اس قسم کی شہادت رائٹ صاحب بھی دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ" اُوپر کی جماعتوں کے اکثر طالب علموں نے زمانہ فساد میں ہمارے ساتھ محبت ظاہر کی۔اُن میں سے بعض باوجود خطر کے قلعہ میں ہم سے ملنے کوآئے اوربعض نے کالج کی اورہمارے ذاتی کتب خانہ کی کتابیں جوسڑک کے کنارے پڑی تھیں تلاش کرکے جمع کیں۔ سکول کے ایک مدرس وڈ صاحب کی جماعت کےایک لڑکے نے اُن کی بیماری کے وقت جب کوئی نوکر نہیں مل سکتا تھا۔ قلعے کے اندراورباہر رات دن اُن کی خدمتگذاری کی۔ ایک لڑکا جس کو میں پڑھاتاہوں ایک خاتون اوراُس کے بچوں کی جان بچانے کا وسیلہ ہوا۔ اُس کے باپ نے اُن کے واسطے ہندوستانی کپڑے

بنوائے اوراُن کو اپنے گھر میں اُس وقت چھپا رکھا جب تک کہ
وہ صحیح سلامت قلعہ کے اندر نہ پہنچ سکے"۔

فرنچ اپنے خطوں میں اس بات کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ
جس قدر سرکاری عمارات اوردیگر مکانات کو نقصان پہنچایا
گیا اس قدر مشن کے مکانات کونہیں پہنچایا گیا۔ قلعہ کے اند
ررہنے کے پچھلے دنوں میں فرنچ کی بیوی کی صحت میں خلل
آگیا تھا۔ اس واسطے ۱۸۵۸ء کے شروع میں اُن کے خاوند نے
اُن کو معہ بچوں کے جانے کے واسطے کلکتہ تک پہنچایا۔
اورایک برس کے بعد وہ خود بھی ماہ فروری ۱۸۵۹ء میں
انگلستان چلے گئے۔

فرنچ انگلستان پہنچنے کے بعد خوش نہ تھے۔ اوراُن کو
یہاں آرام بھی نہیں ملا۔ وہ ۷ ماہ فروری ۱۸۶۲ء کواپنی بیوی
سے رخصت ہوکر ہندوستان کوایک دفعہ پھرآنے کے واسطے
لندن سے روانہ ہوئے۔

۳

ہندوستان کوواپس آنے کے بعد جوکام فرنچ نے اختیار
کیا وہ آگرہ کے کام سے بالکل مختلف تھا۔ کرنیل رنیبل ٹیلر نے
بڑی فیاضی کے ساتھ کہا کہ میں دس ہزار روپے یکمشت
دونگا اورجب تک ہندوستان میں رہونگا سوروپیہ ماہوار
چندہ کے طورپر دیتا رہونگا۔ یہ وعدہ کرکے اُس نے چرچ
مشنری سوسائٹی کوڈیرہ جات میں کام شروع کرنے کے لئے
آمادہ کیا تھا۔ سررابرٹ منٹمگری Sir Robert Montgomery)
نے بھی ایک ہزار روپے سالانہ دینے کا وعدہ کیا۔ پس فرنچ
کوچرچ مشنری سوسائٹی کی طرف سے یہ خدمت سپرد ہوئی
کہ اس سرحدی ضلع میں مشن کا کام شروع کرے۔

وہ ڈیرہ اسماعیل خان میں عیدالقیامت کے دوسرے
دن پہنچے اوراس گرم مقام میں ماہ اگست تک رہے بعد ازاں
شیخ بودین کے پہاڑ کو جوکوہ سلیمان پر سمندر سے چار
ہزارفٹ اُونچا واقعہ ہے گرمی سے بچنے کے لئے چلے گئے۔ یہاں
اُن کا وقت نئی زبانوں (بالخصوص پشتو زبان) کوحاصل
کرنے اورانجیل کی منادی میں صرف ہوتا تھا۔

فرنچ ماہ ستمبر میں ایک لمبا دورکرنے کے واسطے
میدان مروات میں اُترآئے۔ اُن یہ خواہش تھی کہ جہاں تک

ہوسکے یورپین لوگوں سے ملیں اورافغانوں میں افغان بن کر رہیں۔

اُس وقت کا حال وہ اس طرح بیان کرتے ہیں" خان یعنی گاؤں کے سردار اکثرہم سے پہلے ملنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ اورہمارے آنے کا مقصد دریافت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ پہلے یہ سوال کیا کرتے تھے "کیاآپ کی ملاقات جرنیل نکلسن (Nicholson) سے ہوئی ہے۔اُن کا دوسرا سوال اکثر یہ ہوتا تھا کہ کیا انگریز بھی نماز پڑھتے ہیں۔ یعنی کچھ دین رکھتے ہیں یا نہیں۔خوانین کے علاوہ دوسرے لوگ میرے خیمہ میں آنے کی بہت کم جرات کرتے تھے۔ لیکن چانك میں (یعنی مٹی اورپھونس کے اُس جھونپڑے میں جوہر ایك گاؤں میں مسافروں کے ٹھہرنے اورصلاح ومشورہ کے واسطے لوگوں کے جمع ہونے کے لئے بنایا جاتا تھا)۔اکثرآدمی مل جاتے تھے۔ اس موقعہ پر مُلاآتے تھے اوراسلام کی حمایت میں ایسے دلائل پیش کرتے تھے۔ کہ بڑے شہروں سے اس قدردورافتادہ مقامات میں اس قسم کے لوگوں کو ملنے سے تعجب ہوتا تھا۔

فرنچ نے اس ضلع میں تھوڑا عرصہ کام کیا۔ ماہ دسمبر میں اتفاقاً ڈاکٹر فیرود نے اُن کوایك رتیلے گاؤں میں جہاں وہ منادی کرنے گئے تھے لُو لگنے کے سبب سے بے ہوش پڑا پایا۔ اس کا انجام یہ ہواکہ ڈاکٹروں نے اُن کو انگلستان جانے کی ہدایت کی اوریہ بھی کہاکہ اس بات کی امید نہ رکھیں کہ آپ آئندہ انجیل کی منادی کے واسطے کسی گرم ملك میں بھیجے جاسکیں گے۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد آرچ ڈیکن پریٹ صاحب(Archdeacon Pratt) ڈیرہ اسماعیل خان کو ملاحظہ کے واسطے گئے۔ اوراُنہوں نے کیفیت کی کتاب میں یہ ہدائت پادری بروس صاحب کے لئے تحریر کی کہ پادری فرنچ کے حال سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ جب فرنچ بحیثیت بشپ ہونے کے اس مقام پردورہ پرآئے اوراُن کو یہ تحریر دکھائی گئی تووہ اس کودیکھ کر کہنے لگے کہ ہندوستان میں انجیل کی خاطر ایك موت مرنا اس سے بدرجہا بہتر ہے انگلستان میں چھ زندگیاں بسرکرے۔

ماہ فروری میں وہ پھر انگلستان پہنچ گئے۔ لیکن ماہ اپریل ۱۸۶۵ء ہی میں اُن کے دل میں پھر ہندوستان میں کام کرنے کا جوش پیدا ہونے لگا جس کو وہ خدا کی طرف سے سمجھے۔ ماہ اگست ۱۸۶۶ء میں اُن کے خیالات نے ایک خاص صورت پکڑلی اُنہوں نے ایک مضمون میں تحریر کیا کہ ہندوستان کے شمالی مغربی اضلاع اورپنجاب کے واسطے مبشروں گلہ بانوں اوراُستادوں کی تربیت کے لئے ایک کالج قائم ہونا چاہیے۔یہ مضمون ستر خادمانِ دین کے ایک جلسہ میں پڑھا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کارلاہورمیں سینٹ جانز ڈیونٹی کالج (St. John's Divinity College) یعنی مدرسہ علم الٰہی کی بنیاد پڑی۔۱۸۶۸ء کے شروع میں چرچ مشنری سوسائٹی نے فرنچ کی تجویز منظورکرکے اُن سے یہ یہ درخواست کی کہ آپ ہی اس کالج کوقائم کریں۔ پادری نوٹ(Rev. Knott) کو اُن کا مددگارمقررکیاگیا۔

فرنچ اورنوٹ بمبئی میں ۱۸۶۹ء کے شروع میں آئے۔ اورایک ہفتہ کے بعد جہازپر سوارہوکرکراچی کوروانہ ہوگئے۔ اس بندرگہ سے فرنچ بذریعہ ریل کوٹری کوگئے اوروہاں سے پھر جہازپر دریائے سندھ اورچناب کی راہ طے کرکے سترہ دن کے بعد ملتان پہنچے۔ ۱۴ ماہ مارچ ۱۸۶۹ ء کے روزآخر کاردونوں لاہورپہنچے۔

وہ لاہورمیں ماہ جون تک رہے۔ کالج کا کام یکایک شروع نہیں ہوسکتا تھا۔ پس اُنہوں نے اپناوقت متلاشیانِ دین کے ساتھ بات چیت کرنے اورشہر کے دروازوں پر اورباغات اورقُرب وجوار کے دیہات میں انجیل کی منادی کرنے میں صرف کیا۔ ماہِ جون میں دونوں مشنری کوہ مری گئے تاکہ سخت گرمی کے دن وہاں بسرکریں۔ فرنچ کی طبعیت علیل ہوگئی تھی۔ تاہم وہ کام کرنے سے بازنہ رہے۔ وہ اُکثران دیہات میں جوپہاڑوں میں واقع تھے جایا کرتے تھے ۔ اورتمام رات وہیں رہا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

۲۳، ۲۴ اگست کو بوقت شام دیہات میں گیا۔ تین گھنٹے بمشکل پیدل چلا اورایک توشے یاتوکھے میں سویا۔ چپاتی اوردودھ کھانے کو ملا۔ دوچھوٹے بچے ایڈتھ اورولفریڈ (Edith & Wilfred) صنوبر کی لکڑی کے فلیتے لئے کھڑے رہے۔ ان

فلیتوں کی روشنی میں کلامِ الہٰی پڑھتا اوربیان کرتا تھا۔ صبح کے پانچ بجے اٹھ کر چلا اورکئی دفعہ رستہ بھول گیا۔ یہ دشواری پہاڑپر چڑھتا ہوا اُس گاؤں میں پہنچا جومیرے مکان کے تلے واقع تھا۔ اُس سے اُوپر چڑھتے ہوئے مجھے بہت گرمی اورتھکن محسوس ہوئی۔ میں قریب گیارہ بجے کے لارنس اسالیم(Lawrence Asylum) پہنچا اوریہاں سناکہ میری تلاش میں بہت شوروغل مچا تھا۔ ۳۱اگست کی رات اس گاؤں میں جوتوچا پہاڑی کے نیچے واقع ہے گذاری گاؤں کے لوگوں نے بہت ناخوشی ظاہر کی لیکن جب میں نے اپنا تھیلا اورچھاتا اٹھایا اورکہاکہ میں جنگل میں جارہونگا۔ تووہ نرم ہوگئے اُن کا سب سے بڑا زمیندارآیا اورایک گھنٹہ بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ یہ ایک نہایت متعصب مسلمان تھا۔ میں نے دوکھ یعنی گائے خانہ میں یایوں کہو ایسے مکان میں رات کاٹی جس میں گائے، بھینس، کسان اوراُس کا ساراگھرانہ سب اکٹھے رہتے تھے۔

جب مشنری کوہِ مری پر ٹھہرے ہوئے تھے توفرنچ نے ایک گشتی خط شمالی ہند کے سب مشنوں کے نام بھیجا جس میں مدرسہ علمِ الہٰی کے پلان کا بیان تھا۔اوریہ ارادہ ظاہر کیا کہ یکم جنوری کو مدرسے کا کام شروع کرینگے لیکن چونکہ ایسی مشکلات پیش آئیں جن کا پہلے خیال نہ تھا۔ اوراُن کے خط کے جواب بھی قدرے ناموافق تھے اس لئے مدرسے کے کھولنے میں تقریباً ایک سال کا اورتوقف ہوگیا۔

۱۸۶۵ء کاپچھلا حصہ یوسف زئیوں کے ملک میں دورہ کرنے میں صرف ہوا۔ پادری رڈلی اس سفر میں فرنچ کے ہمراہ تھے۔ اُنہوں نے چند دلچسپ واقعات بیان کئے ہیں وہ کہتے ہیں "ایک موقعہ پر ایک معززمسلمان نے دیر تک گفتگو کرکے یہ کہا " کہ میں خیال کرتاہوں کہ بعض آدمی خدا کے پیارے ہوتے ہیں۔ اورپھر فرنچ صاحب کی طرف اشارہ کرکے کہاکہ میرے خیال میں یہ اُن میں سے ایک ہیں"۔ ایک اور گاؤں کی نسبت رڈلی لکھتا ہے " یہاں کا کام میرے حصے میں آیا۔ چونکہ ضلع کے ایک معززرئیس نے خاطرداری کی اوراُسے دین کی باتوں کو دریافت کرنے کا شوق بھی تھا۔ اس واسطے مجھے ٹھہرنا پڑا۔ اس اثناء میں اُس کے بہت دوست جمع ہوگئے۔ اُن میں چند جوان مُلا بھی شامل تھے۔ اُن لوگوں نے کہا کہ وہاں کے بوڑھے مُلا کوبھی بلاکر بحث میں شریک کرنا

چاہیے۔ مجھے اُس بات کے سننے سے تردد ہوا کیونکہ میں اس عالم کی شہرت سن چکا تھا۔ لیکن " میں نے خداوند کو ڈھونڈا اور اُس نے میری سنی"۔ جب یہ بزرگ عالم تشریف لائے توسب حاضرین تعظیماً کھڑے ہوگئے۔ وہ اُس غرض سے آئے تھے۔ کہ مجھے شکست دیں اوراُنہیں کامل یقین تھا کہ ۔ کہ وہ کامیاب ہونگے۔ مولوی صاحب نے الفاظ کی بوچھاڑ شروع کردی اورعربی آیات اورفارسی کتابوں کے بہت سے مقامات زبانی پڑھے تاکہ مجھے مرعوب کردیں۔میں حتیٰ الامکان دلیری اوردلجمعی کے ساتھ اُن کی تقریر سنتا رہا۔ لیکن مجھے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی باتوں سے اپنے دوستوں کی تعریف حاصل کرینگے اورمجھے شکست کھانی پڑیگی۔ لیکن دفعتاً میرا دل بلیوں اُچھل پڑا جب میں نے فرنچ کی آوازسنی۔ جب وہ پہنچے تومیں نے تعظیماً کھڑے ہوکر کہا اب میرے اُستاد آگئے ہیں۔ اُن کے سامنے مجھے خاموش رہنا لازم ہے۔ فرنچ کو میں نے مختصراً بتایاکہ میں اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کررہا تھاکہ نجات سیدنا مسیح کے وسیلے حاصل ہوسکتی ہے۔ جس کی نبیوں نے پیشین گوئیاں کیں۔ اورصاحبِ الہام رسولوں نے جس کی نجات کی بشارت دی۔ فرنچ نے اس مضمون پر گفتگو شروع کی اورجیب میں سے گھڑی نکال کر یہ تجویز پیش کی کہ وہ اورمُلا صاحب باری باری پانچ پانچ منٹ کلام کریں۔حاضرین نے اس تجویز کےساتھ ہی اپنی رضامندی بآواز بلند ظاہر کی مگر مُلا صاحب اس سے خوش نہ ہوئے۔بحث آگے بڑھی اورسید صاحب نے وہی وطیرہ فرنچ کے ساتھ اختیا رکرنا چاہا۔ لیکن اُن کو اُنہوں نے اپنے مقابلے کا آدمی پایا۔ فرنچ نے باربارکتابِ مقدس کی آیات اصل عبرانی اوریونانی زبان میں بغیر ترجمہ کئے پیش کیں۔ اورکہاکہ سید صاحب جیسے عالم شخص کو ترجمہ کی ضرورت نہیں۔ جب ہمارے میزبان نے دیکھا کہ میدان ہاتھ سے جاتاہے تو نہایت عقلمندی سے اُس نے مُلا کی مدد کی اوراٹھ کر ہم سے کہا۔"صاحبان۔ اس محنت سے آپ ضرورت تھک گئے ہوں گے۔ بہتر ہے کہ آپ اٹھ کرتھوڑا کھانا تناول فرمائیں۔ اگرچہ وہ آپ جیسے علماء کے لائیق نہیں۔

فرنچ ۱۸۷۰ء کے شروع میں ملتان گئے۔ اگرچہ یہاں ہمیشہ مسیحی کام کی سخت مخالفت ہوتی رہی تاہم ان

کوکبھی کبھی ایسے آدمی بھی ملتے تھے جن سے اُن کا حوصلہ بندھ جاتا تھا۔ اُنہوں نے ماہ مارچ میں تحریر کیا" ملتان کے مُلا اورسید اورمخدوم سب کے سب ازحد کوشش کرتے ہیں کہ خدا کی روشنی کویہاں آنے نہ دیں تاہم اس میں شُبہ نہیں ہوسکتا۔ کہ بعض آدمیوں کے دل نور سے خائف ہوکر اُس کا اقرارکرتے ہیں۔ اوراُس کی طرف مائل بھی ہیں۔ میں ایک مُلا کوجوحق کا بڑا مخالف تھا فراموش نہیں کرسکتا۔ اُس نے کئی ملاقاتوں کے بعدایک ملاقات کے آخر میں کہاکہ میرے واسطے دعا مانگیں۔ تاکہ مجھے راہِ حق مل جائے۔ آپ دل وجان سے میرے واسطے دعا مانگیں۔ کیا آپ دعا مانگنے کا وعدہ کرتےہیں؟ یہ مُلا دومشہور شخصوں یعنی مولوی رحمت اللہ اورڈاکٹروزیر خان کا جنہوں نے اسلام کے طرفدار ہوکر ڈاکٹر فینڈرصاحب سے مباحثہ کیا تھا دوست تھا"۔

ماہ جولائی میں فرنچ پھرپہاڑپرآب وہوا کی تبدیلی کے واسطے گئے۔ جب وہ کسولی پر تھے اُنہوں نے یہ غمناک خبرسنی کہ اُن کا ہمخدمت نوٹ انتقال کرگیاہے۔

اب فرنچ کالج کی عمارت کیلئے روپیہ جمع کرنے اورکُل کام کا انتظام کرنے کے واسطے اکیلے رہ گئے۔ وہ ایک قطعہ زمین کا دیکھ چکے تھے۔ جواُن کے مطلب کے موافق تھا۔ اورجب تک وہ نہ ملا۔ اُس کے حاصل کرنے کے واسطے برابر کوشش کرتے رہے۔ آخرکاربہت مشکلات کے بعداُنہوں نے ۵نومبر ۱۸۷۰ء کے روزاپنے روزنامچہ میں لکھا:

"مہاں سنگھ کا باغ جس میں مدرسے علمِ الہٰی تعمیر ہوگا آج خرید لیا گیا ہے۔ خدا اپنے فضل سے اُس کو اپنا لے اوراُس کی آنکھیں اوراُس کا دل ہمیشہ اُس پرلگے رہیں۔اس قلیل کوشش کا ثمرہ یہ ہو۔ کہ اُس کا جلال ظاہرہوا اوراُس کی صداقت اوراُس کی بادشاہت ترقی پائیں۔ خدا اُس پر برکت دے اوریہ بخشے کے جو نیاکا اب شروع کیا گیا ہے۔ اُس کے لئے خدا کی خدمت کے واسطے لائق آدمی ہمیشہ ملتے رہیں"۔

۵

۲۱نومبر ۱۸۷۰ء کے روزچارطالب علم امتحان کے بعد مدرسے میں داخل کئے گئے ۔دوسرے دن فرنچ نے اپنے روزنامچہ میں لکھا:

" ڈیونٹی سکول آج شروع ہوا ہے۔ اورمیں نے درسوں کے چھے سلسلے مقررکئے ہیں"۔ جبکہ خداوند ہی گھر نہ بنائے تواُن کی محنت جواُس کو بناتے ہیں بے فائدہ ہے" فرنچ اس کام کے لئے تنہا نہ رہے۔ کیونکہ پادری رابرٹ کلارک نے انگلستان سے تاربھیجا کہ میں آپ کی مدد کیلئے آتا ہوں۔ بڑے دن کے بعد وہ خود جلد آپہنچے۔ کلارک نے ضروری مکانوں ی تعیمر کا اہتمام اپنے ذمہ لے لیا اورتھوڑے ہی عرصے میں وہ ایک رہائش گاہ نظر آنے لگا۔ اس میں تین مربع شکل کے صحن تھے ۔پہلے صحن میں پرنسپل کامکان اورکتُب خانہ اورچیپل ۔ دوسرے میں تیرنے کا حوض اورکنوارے طلباء کےواسطے کمرے تھے۔ اورتیسرے میں بیاہے ہوؤں کے واسطے گھر تھے۔لیکن عمارت کی شکل جیسی اب ہے۔ ویسی کئی سال تک نہ تھی۔ مدرسہ کی افتتاح کے بعد علاوہ اُن درسوں کے جومقررہ وقتوں پر طالب علموں کو دئیے جاتے تھے دیگرکام بھی ہوتے تھے چنانچہ متلاشیانِ دین آتے تھے۔ اور بعض اوقات بپتسمہ پاکر مسیح کا اقرارکرتے تھے۔

۱۳مارچ ۱۸۷۱ء میں فرنچ نے برہم سماج کے ایک معزز ممبر کی نسبت جوپہلے مسیحی دین کا سخت دشمن تھا لکھا" اُس کا دل حال میں قدرے مسیح کی طرف مائل ہوا ہےتین راتیں گذریں اُس نے ایک خواب دیکھا۔ جس میں اپنے آپ کو بڑی مصیبت میں مبتلا پایا۔ اُس کوایک بوڑھا آدمی نظر آیا جس نے اُسے دومرتبہ کہا۔ کہ رسولوں کے اعمال کا نواں باب پڑھ۔ پس اُس نے پلنگ سے اٹھ کر اُس باب کو پڑھا اور اُس پر غورکرتا رہا لیکن وہ آیت جس نے اُس کے دل پر تاثیر کی یہ تھی " اے خداوند توکیا چاہتا ہے۔ کہ میں کروں؟" ۔ جواثر اُس کے دل پر ہوا وہ اُس کو مٹا نہ سکا اورجمعہ کے دن مجھ سے ملنے آیا۔ لیکن میں امرت سر وعظ سنانے کے واسطے چلا گیا تھا۔ آج وہ پھر آیا اوراُس نے مجھ سے التجا کی کہ مجھے بپتسمہ دیجئے۔ اُس کو بتاریخ ۱۴مارچ بپتسمہ دیا گیا"۔

ایک اورشخص کی کیفیت بھی دلچسپ ہے۔ ایک کشمیری پنڈت اپنے ملک کے کسی مندرکا پجاری تھا۔ اتفاقاً اُس کے ہاتھ سے بُت گرگیا۔ اُس نے اُس کے آگے جھک کر منت کی اوراُس سے معافی طلب کی۔ اُس کے لئے بستر بچھایا اورنرم

تکئے لگائے ۔ عرض جوکچھ ہوسکا اُسے آرام پہنچانے کے لئے اُس نے کیا۔پس اُس نے سوچاکہ میں نے کوئی بڑا گناہ کیا ہے۔ جس کے سبب بُت اس قدر ناراض ہے۔ پس وہ کشمیر سے یاترا کی غرض سے بہت تیرتھوں کوگیاتاکہ اُس کو اطمینان حاصل ہو مگراُس کا مقصد پورا نہ ہوا۔ اس کے بعد اُس نے اسلام کوآزمایالیکن اُس سے بھی اُس کی مطلب براری نہ ہوئی۔ بعد ازاں ٹانک میں جان ولیم سے اُس کی ملاقات ہوئی ۔ اُن کے کہنے سننے سے وہ لاہورآیا اورانجام کاراُس کو اُس تیرنے کے حوض میں (جسے بدں کر بپتمسہ کا حوض بنالیا گیا تھا)۔ بپتسمہ دیا گیا۔

کالج چارطالب علموں سے شروع کیا گیا۔ اُن کا شمار جلدی سات ہوگیا۔ تیسرے برس طالب علم بیس ہوگئے۔جتنے طالب کالج میں داخل کئے گئے اُتنے ہی اوربھی آئے مگر وہ داخل نہ کئے گئے۔ کیونکہ فرنچ صرف اعلیٰ ترین لائق شخصوں کوہی دینی خدمت کےلئے تربیت دینی چاہتے تھے۔ کالج میں عبرانی اوریونانی زبانیں۔ علم الہٰیات ۔ اسلام اور ہندومت کی تعلیم۔ مباحثہ اورمناظرہ کرنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔

کالج کے طلباء دُور دراز مقامات سے آئے تھے۔ اورمختلف اقوام سے تھے چنانچہ پٹھان، راجپوت، پنجابی اورکشمیری اُن میں شامل تھے۔ اُن میں سے بعض مسلمانوں میں سے مسیحی ہوئے تھے اوربعض ہندوؤں میں سے اورایک سکھوں میں سے مسیحی ہوا۔

فرنچ کا خیال تھاکہ نوجوان مسیحیوں کو انگریزی طور وطراز اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔اس واسطے ایک شرط یہ مقرر کی گئی تھی۔ کہ کالج کےطلباء دیسی لباس پہنیں۔ ڈاکٹرعماد الدین صاحب لکھتے ہیں "ایک دن ایک کاٹی کسٹ انگریزی لباس پہنے ہوئے دہلی سے کالج میں پڑھنے کے واسطے آئے۔ فرنچ نے اُس کو ایک ہفتے کی مہلت دی کہ وہ دیسی لباس پہن لے۔ لیکن اُس نے نہ پہنا۔ فرنچ نے اُن کو جماعت سے اٹھادیا اورفوراً دہلی واپس بھیج دیا " کالج کے اُستاد بھی یہ کوشش کرتے تھے کہ جہاں تک ہوسکے وہ سادہ طرز زندگی اختیار کریں۔ اورہندوستانی خوراک کھائیں ۔ جب وہ

باہر دورہ پر جاتے تھے تو وہ بھی چھتوں پرسوتے اورکھاتے پیتے تھے۔ تاکہ جس شوق سے لوگ فقیروں اوردرویشوں کے کلام کو سنتے ہیں وہ انجیل کے پیغام کوبھی سنیں۔

لاہور کے رہنے والے سخت مخالفت کرتے تھے۔ چنانچہ فرنچ لکھتے ہیں " میں بعض اوقات دل شکستہ اور پژمردہ خاطر ہوکر منادی سے واپس آتا ہوں" ۔ تاہم بازاری تبلیغ کےبعد مولوی اکثر اوقات اُن کے گھر بحث کرنے آیا کرتے تھے۔

جن صاحبان نے بہ حیثیت کالج کے اُستاد ہونے کے فرنچ کی مدد کی وہ سب پنجاب میں نامی شخص تھے۔ اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں ۔ پادری کلارک، پادری بیٹمن (Rev Bateman) پادری ویڈ (Rev.Wade) پادری گورڈن(Gordon) جوملک ایران سے قحط کے کام کرنے کے بعد آئے تھے۔ پادری ہوپر (Hooper) اورپادری شرف جوبیس برس سے زیادہ لاہور میں مقیم رہے اورفرنچ ہی کے زیرِ اثر مشنری ہوئے تھے۔چنانچہ فرنچ نے لکھا "ایسا معلوم ہوتاہے کہ جو تقریر میں نے پانچ برس ہوئے آکسفورڈ میں کی تھی اُس کے باعث اُن کے دل میں مشن کے کام کی نسبت جوش پیدا ہوا ۔ عجیب بات یہ ہے کہ میں کسی جگہ جانے سے کبھی اس قدر ناخوش نہ تھا جیسا اُس موقعہ پر آکسفورڈ کوجانے سے ناخوش تھا۔ کون جان سکتاہے کہ خدا اُس سے کیا کا کب لینا چاہتاہے"۔

۱۸۷۲ء کے شروع میں بیماری کے سبب سخت مصیبت پڑی۔ فرنچ خان پورکو دورہ کے لئے گئے تھے۔ اوروہاں مرض اسہال میں مبتلا ہوگئے۔ بیٹ من اُن کے ہمراہ تھے۔ لیکن فرنچ نے اُن کے چلے جانے پر اصرار کیا۔کیونکہ کالج کےدرس اوردوسرے کام۱۵جنوری کوشروع ہونے والے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ اس سے بدترکوئی بات نہیں ہوسکتی کہ طالب علموں کو یہ خیال ہوجائے کہ اُن کی پڑھائی سب باتوں پر مقدم نہیں ہے۔ جب بیٹمن نے بھی دیکھا کہ اُس کی موجودگی سے فرنچ کوزیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ اوراُس سے اُن کو اتنا نقصان پہنچتاہے جتنا عدم موجودگی سے نہ پہنچیگا تو وہ لاہورچلاگیا۔

لاہور کے بازاروں میں طالب علموں کے ساتھ باقاعدہ منادی کرنا شروع سے کالج کے کام کا ایک اہم جزقرار دیا گیا تھا۔ لاہوری دروازہ عموماً منادی کاایک مقام تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہاں کے چیپل میں بڑاشوروغل مچا۔ لوگ جوچیزیں اُن کے ہاتھ میں آئیں اِدھر اُدھر پھینکنے لگے۔ جب فرنچ نے دیکھاکہ تبلیغ کرناناممکن ہورہا ہے تواُنہوں نے لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ اب میں تمہارے واسطے دعا مانگونگا۔اس پر لوگ اوربھی چیخنے اورناشائستہ کلمات منہ سے نکالنے لگے۔ لیکن فرنچ نے گھٹنے ٹیک کربڑے جوش سے دعا مانگنی شروع کردی۔ رفتہ رفتہ سب چُپ ہوگئے اوراُن کی مسیحی وضع سے لوگوں پربڑا اثرہوا۔ بیٹمن نے لکھا۔ کہ فرنچ نے مکان کوواپس جاتے ہوئے بڑی سلوگی سے کہا کہ بھائی کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم سب چیزوں کی گرد کی مانند آج تک ہیں؟ (۱کرنتھیوں ۴: ۱۳) ایسے واقعات ضروراپنا اثرپیدا کرتے ہیں۔

۱۵ستمبر۱۸۷۲ء کا روزکالج کی تاریخ میں بڑی خوشی کا دن تھا۔ کیونکہ اُس روزبشپ بیٹمن نے کالج کے دوطالب علموں کو پہلی دفعہ خادم دین بنایا۔ یہ جان ولیم اورامام شاہ تھے جوٹانک اورپشاورکے خادمانِ دین مقررہوئے۔

بشپ صاحب اُمیدواروں کے امتحان اورکالج کے ملاحظہ سے بہت خوش ہوئے۔اُنہوں نے لکھا "فرنچ صاحب کے کالج سے کلیسیا کی ایک بڑی حاجت رفع ہوگئی ہے اورمعلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس سے کلیسیا کی خدمت اورتعلیم کے کام کے واسطے درحقیقت لائق اُمید وارپیدا ہوں گے یعنی ایسے آدمی جوقابل دیندار سرگرم اور تربیت پائے ہوئے مستعد خادم دین ہونگے۔ اوررُوحانیت کے بڑھانے میں نومسیحیوں کومدددینگے۔ اوربحث مباحثہ کا بھی ضروری کام سرانجام دے سکینگے۔میں صلاح دیتاہوں کہ وقتاً فوقتاً ہندوستانی خادمانِ دین ہرسال ایک دفعہ ایک مہینے کے لئے یہاں آکر ٹھہرا کریں تاکہ کالج کے اُستادوں کے اثر سے اُن کا علم تازہ ہوجائے اوروہ دینداری میں بھی ترقی کریں۔ میرے خیال میں اُن میں سے ایسے مُبشربھی منتخب ہوسکینگے جوگلہ بانوں کے چھوٹے حلقوں کا اہتمام کرنے کے قابل ہوں گے۔ اوریوں وہ خود بھی ترقی کرینگے اورگلہ بانوں کی ترقی میں بھی مدد کرسکینگے۔

اُن سے آئندہ ہندوستانی کلیسیا کے انتظام میں بھی مدد مل سکیگی۔

کالج کا کام نہایت خُوش اسلُوبی سے چل رہا تھا ۔لیکن فرنچ کی صحت خراب ہوگئی تھی۔ وہ گاؤں گاؤں میں منادی کرتے تھے۔ جب وہ بہت بیمار ہوگئے تووہ اُسی حالت میں دھرم سالہ لائے گئے۔ ڈاکٹروں کی ہدائت کے مطابق اُن کوانگلستان واپس بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد اُنکا چرچ مشنری سوسائٹی سے اورمہاں سنگھ باغ سے قطع تعلق ہوگیا۔جب راقم السطور۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۰ء تک لاہور کے ٹرنٹی چرچ کا پاسٹراورمہاں سنگھ باغ کے ہوسٹل کاوارڈن تھا تومہاں سنگھ باغ کے دفترمیں ایک میز تھی جس کو فرنچ استعمال کیا کرتے تھے۔ اورجواُن کی یاد کو روزانہ تازہ کردیتی تھی۔

۶

ماہ مئی ۱۸۷۷ء میں فرنچ مشنری کی حیثیت میں ہندوستان پھرآنے کا ارادہ کیا۔ اُس کو معلوم نہ تھا ۔ کہ اب وہ اس سے بھی اعلیٰ خدمت کے واسطے طلب کیا جائیگا۔ وہ موسم گرماکی تعطیل ویمتھ میں بسر کر رہے تھے۔ جب اُن کو آرچ بشپ کنٹربری کا خط ملا جن سے وزیراعظم لارڈ سالسبری (Salisbury) نے یہ درخواست کی تھی۔ کہ کسی کا نام لاہور کے بشپ ہونے کے واسطے تجویز کریں تاکہ وہ ملکہ وکٹوریہ کے سامنے پیش کیا جائےتو آرچ بشپ نے اس خط میں فرنچ کو لکھاہم آپ کا نام پیش کرنا چاہتے ہیں۔فرنچ نے اس امر پرغور کرنے کے لئے چاردن کی مہلت مانگی اوراپنےدوستوں سے صلاح لی۔ اور ۴ستمبر کو بشپ ہونا شرطیہ طور پر منظور کیا۔ اُنہوں نے آرچ بشپ کولکھاکہ اگربشپ کے عہدہ پر ممتازہونے سےمجھے مشنری کام سے روکا جائیگا تومیں مجبورہوں کہ آپ سے بہ منت عرض کروں کہ آپ مجھ کو معذورفرمائیں ۲۹ستمبر کو لارڈ سالسبری کا خط اُن کے پاس پہنچا۔ کہ آپ بشپ مقرر کئے گئے ہیں۔ ۲۱دسمبر کو تومارسول کی عید کے دن ویسٹ منسٹر ایبی (Westminster Abbey) میں اُن کی تقدیس کی رسم اُن کے پُرانے ہیڈماسٹرآرچ بشپ ٹیٹ کے ہاتھوں عمل میں آئی جس سے اُن کو بڑی خوشی ہوئی۔

بشپ فرنچ صاحب ۱۶جنوری ۱۸۷۸ء انگلستان سے روانہ ہوئے ۔ لیکن اُن کی اہلیہ محترمہ وہیں رہیں۔ ارادہ یہ تھا کہ وہ بھی سال کے آخرتک ہندوستان میں اُن سے آملیں۔

مارچ کے شروع میں اُنہوں نے لاہور سے لکھا" جب میں لاہور کے پاس پہنچا اورامرت سر سے آگے بڑھا تب میں نے عہد کیاکہ میں ایک لاچارنالائق نوکر کی طرح اپنے پیارے خداوند اورآقا کی برُدباری اورفضل کی توفیق پربھروسہ کرونگا۔ جب میں لاہورپہنچااُس وقت اندھیرا تھا۔لیکن پھر بھی اتنی روشنی تھی۔ کہ جب ہوپر مجھے گاڑی کے اندر دیکھنے آیا تومیں نے اُس کا چہرہ پہچان لیا۔ اورپھر اُس کے سب طالب علموں کو اُس کے پیچھے کھڑا دیکھا ۔ میں لاہورمیں اس طرح داخل ہونے سے خوش ہوا۔ کیونکہ اگر میرا استقبال علانیہ طورپرکیا جاتا تومیری طبعیت بہت پریشان ہوتی۔

اپنے علاقے میں پہنچتے ہی بشپ فرنچ یہ سوچنے لگے۔ کہ لاہورمیں ایک ایسا گرجا تعمیرہونا چاہیے جوپنجاب میں مسیحی دین کی شان کے لائق ہو۔ اُن کے نزدیک یہ بڑی شرم کی بات کی تھی کہ لاہورمیں صرف ایک ہی گرجا ہو۔اوروہ بھی ایک مسلمان عورت کی قبر ہو:چنانچہ اُنہوں نے لاہور پہنچ کر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد لکھا " دس بارہ آدمی پبلک لائبریری میں گرجا گھرکی تعمیرکے بارہ میں غورکرنے کوجمع ہوئے۔ اوریہ تجویز قرارپائی کہ دولاکھ روپیہ چندہ کرنے کی کوشش کی جائے۔میں بیس منٹ تک تقریرکرتا رہا یہ کام اشد ضروری ہے۔ اورکہ ہم کو مستقبل کا خیال رکھ کر ایسی عمارت تعمیرکرنی چاہیے جواُن نامورلوگوں کی یادگارہونے کے لائق ہو جوہم سے پہلے پنجاب میں گذرچکے ہیں اوراس خیال کو دل میں پھٹکنے بھی دینا نہ چاہیے کہ کسی طرح اس کام سے جلد فراغت پائیں۔ اوراس وقت ہم صرف اشد ضرورت کو ہی رفع کردیں گے گویاہم وہ کرتے ہیں جس کو ہم دل سے پسند نہیں کرتے ۔ بلکہ ہم کو دلیری ،اُمید ثابت قدمی اوردانائی کے ساتھ ایثارکوکام میں لاکر فیاضی اوردریادلی سے اس کارِ خیر کے لئے چندہ دینا چاہیے۔اُنہوں نے تیس ہزارپونڈ فراہم کئے۔ اس رقم کا خاصہ حصہ اُنہوں نے اپنی گرہ سے دیا۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ اس گرجا میں کوئی ایسی کھڑکی یاکونہ

ہوجس میں تصاویر ہوں تاکہ اہلِ اسلام کو کسی قسم کی ٹھوکر نہ لگے۔

اس بڑے گرجا کی تقدیس ۱۸۸۷ء میں ہوئی۔ جس کے لئے مومنین کی ایک بڑی جماعت چاروں طرف سے فراہم ہوئی۔ پادری ہنری مارٹن کی روح آسمان سے یہ دیکھ کر کیسی خوش ہوئی ہوگی کہ ایک مسلمان نومرید (پادری عمادالدین صاحب) نے ہندوستانی عبادت میں وعظ کیا۔

اس بڑے گرجا کی تقدیس کی جوبلی نومبر ۱۹۳۷ء میں منائی گئی جس میں ہزاروں مسیحی پنجاب۔ دہلی۔سندھ اورصوبہ سرحد کے گوشہ گوشہ سے حاضرتھے۔۳نومبر کے روزپنجابی زبان میں عبادت ہوئی جب گرجا پنجابی مسیحیوں سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ اِس عبادت میں کبھی ایک مسلمان نومرید (راقم السطور) کویہ شرف بخشا گیا کہ وہ پنجابی زبان میں وعظ کرے۔عبادت کی نماز کی ترتیب کوبھی بشپ بارن کے حکم سے راقم نے ہی تیارکیا تھا۔

ماہ مارچ میں فرنچ صاحب نے اپنے اُسقفی علاقہ کے ملاحظہ کے واسطے دَورہ شروع کیا اورڈیرہ اسماعیل خاں سے لکھا" زمانہ سابق کی طرح ایک دفعہ پھر یہاں کے بازاروں میں پشتو زبان میں منادی کرنا مجھے نہایت عجیب بلکہ مثلِ خواب معلوم ہوتاہے۔ تاہم یہ بات نہایت مقدس اورسنجیدہ ہے۔کیونکہ چھُٹے ہوئے کام کواتنی مُدت کے بعد پھر کرنا بہت کم آدمیوں کو دنیا میں میُسر ہوتا ہے۔ اس لئے میں اس کو خدا کے فضل وکرم کا ایک بڑا بھید سمجھتا ہوں۔

وہ پادری کلارک کے ساتھ شہر ٹانک تک گئے۔ جہاں مشن کا کام پادری جان ولیم کے سپرد تھا ۔ حُسن اِتفاق سے انہی ایام میں قریب ایک ہزاروزیری افغان اپنے پہاڑوں سے ۱۸ ماہ کے محاصرہ کے بعد شرائط صلح وقبول کرنے آئے تھے۔ اس شہر سے میڈیکل مشنوں کی تاثیر کا ثبوت ملتاہے۔ چنانچہ جب افغانوں کے قبیلوں نے اُس پر حملہ کیا اورشہر کو جلادیا تواُس وقت بھی مشن کے ہسپتال اوردیگر عمارات کوکچھ نقصان نہ پہنچایا۔ کیونکہ اُن کے وسیلہ سے اُن لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا تھا۔

۳۱مارچ کے روزبشپ صاحب نے ڈیرہ غازی خان سے ایک خط میں لکھا" مجھے اخباروں کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ

پنجاب کے سرحدی فوج کے اعلیٰ افسر جنرل رابرٹس آج اتوار کی صبح ڈیرہ غازی خان سے کُوچ کرنے والے تھے۔ میں نے اُن کو لکھا کہ اگرآپ اپنی روانگی کو ملتوی کردیں۔ تومجھے جماعت کی عبادت میں بڑی مدد ملیگی۔ اُن کو میں نے یہ بھی لکھا کہ اس امر کی درخواست میں اس واسطے نہیں کرتاہوں کہ اُس سے مجھے کچھ ذاتی فائدہ حاصل ہوگا۔بلکہ اس لئے کہ آپ اس طرح خدا کے کلام اوراس کی عبادت اوراُس کے پاک دن کے مقدس ہونے کی شہادت دینگے۔ اس پر جنرل رابرٹس نے اپنا کُوچ شام تک ملتوی کردیا۔ اوربڑے اخلاق سے پیش آئے۔چنانچہ کل صبح کے وقت وہ ملاقات کے واسطے بھی آئے۔ اورتھوڑی دیر بیٹھے رہے۔ اُنہوں نے یہ وعدہ بھی کیا۔ کہ میں حتیٰ الامکان سرحدی کام میں ہر طرح آپ کی امداد کرونگا۔ مجھے نحمیاہ نبی کا ہمزبان ہوکریہ کہنا چاہیے۔" یہ میرے خدا کا ہاتھ تھا جونیکی کے لئے مجھ پر بڑھایا گیا تھا۔ ۔۔۔ بشپ صاحب لاہورکو عید القیامت سے پہلے واپس آگئے۔ ماہ اپریل کے آخر میں اُنہوں نے پادری ایچ ۔ جے میتھیو (Rev. H.J. Mattew) کو جو اس وقت کوہ شملہ پر چیپلین تھے آرچ ڈیکن کا عہدہ پیش کیا۔

جب بشپ صاحب نے میتھیو صاحب کوآرچ ڈیکن کا عہدہ پیش کیا تواُسی وقت برضامندی لفٹنٹ گورنر پنجاب نے یہ بھی چاہاکہ پادری کلارک ہندوستانی کلیسیا کے لئے آرچ ڈیکن مقرر ہوجائے۔لیکن برطانوی سرکار نے اس بات کو منظور نہ کیا۔کیونکہ شاہی فرمان کے بموجب صرف ایسے چیپلین جنہوں نے کم سے کم دوبرس سرکاری خدمت کی ہو آرچ ڈیکن کے عہدے پر ماُمور کئے جاسکتے تھے۔بشپ صاحب سرکارسے اس بات کی بھی اجازت حاصل نہ کرسکے کہ پادری کلارک کوایک آنریری چیپلین مقررکردیں تاکہ وہ آرچ ڈیکن ہوسکے۔

۷

۲۰ماہ دسمبر۱۸۸۲ء کے دن بشپ صاحب نے تقدس کا عرضہ یعنی روز ماقبل تھا۔ ایک تحریری سند لندن کے بشپ کی طرف سے بشپ فرنچ کے پاس پہنچی۔یہ چرچ مشنری سوسائٹی کی درخواست کے بموجب اس غرض سے

بھیجی گئی تھی کہ بشپ فرنچ ملک ایران میں جاکراُن کی طرف سے سوسائٹی مذکور کے مشنوں کا ملاحظہ فرمائیں۔ ایران کے مسیح کی بادشاہت کی اشاعت کی وہاں کوشش کررہے ہیں۔ اُن کے دلوں کو بڑھائیں ۔ بشپ صاحب نے یہ تحریر کیا" اب میں مجبور ہوں۔ جانے سے انکارنہیں کرسکتا۔اس کو میں ایک بڑی نعمت سمجھتا ہوں۔ لیکن اُس کے سبب مجھے شائد اُن سے زیادہ سخت تکلیفیں اورمصیبتیں اٹھانی پڑینگی جومیں نے اب تک اٹھائی ہیں۔

چرچ مشنری سوسائٹی کا مشن ملک ایران میں تب قائم ہواتھا۔ جب پادری ہنری مارٹن نے ۱۸۱۱،۱۲ ء میں دس مہینے شیراز میں گذارے تھے لیکن اُس وقت سے جب تک پادری بروس ایران میں ۱۸۶۹ء میں نہ گئے کچھ کام نہیں کیا گیا تھا۔ بروس پہلے چرچ مشنری سوسائٹی کی طرف سے ڈیرہ جات میں مشنری تھے۔ جب اُن کی رخصت انگلستان میں تمام ہوئی ۔ تواُنہوں نے ہندوستان آنے سے پہلے ملک ایران جانے کا ارادہ کیا۔ تاکہ فارسی زبان سے کامل واقفیت حاصل کریں۔ اُن کا ارادہ تھا کہ کچھ عرصہ وہاں ٹھہرکرپھر ہندوستان اپنے مشن کوواپس چلے جائیں گے۔ لیکن قحط اوردیگر وجوہ کے سبب مستقل کام کی صورت نظر نہ آئی۔ انجام کارسوسائٹی نے جلفہ میں ایک مشن کا قائم ہونا منظورکیا۔ اس کام کو اب جاری ہوئے تیرہ برس کا عرصہ گذرچکا تھا۔ امریکن مشنریوں نے بھی بروس کے آنے کے ایک برس بعد کام شروع کیا تھا اگرچہ یہ کام مسلمانوں میں ہوتا تھا تاہم کچھ دقتیں پیش آئی تھیں کیونکہ وہاں پہلے سے آرمینی کلیسیا کے مسیحی موجود تھے۔ اورایک چھوٹا رومن کیتھولک مشن بھی تھا۔ بشپ فرنچ صاحب کراچی سے جہازپر سوارہوکر ۲۰مارچ ۱۸۸۲ء کے روز مسقط پہنچے۔ (اسی شہر مسقط میں آٹھ سال کے بعد فرنچ نے انتقال کیا تھا)۔

بشپ صاحب کے عنقریب سب خطوں سے اُن کی فروتنی ہوتی ہے یہ اُن کی خصلت میں ایک خاص خوبی تھی۔ اُن سے بخوبی واقف تھے وہ اُن کی فروتنی دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔ لیکن جب وہ ملک ایران میں سفرکررہے تھے۔ اُس وقت کے مزاج میں اوربھی زیادہ حلیمی اورفروتنی دکھائی دیتی تھی۔ کیونکہ اس موقعہ پر وہ اُس سرزمین کا سفر کررہے تھے

جہاں پادری ہنری مارٹن جیسی مقدس ہستی نے سفر کیا تھا۔ مسقط سے جو خط اُنہوں نے اپنے ایک بیٹے کو لکھا۔ اُس میں اپنے قوتِ گویائی کی کمی پر افسوس کیا۔ حالانکہ یہ عیب شائد اُنہی کو اپنے میں نظر میں آتا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ " مسقط کے مُلا میرے کلام کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اگر مجھے فقط مارٹن کی سی کامل محبت اور پاکیزگی حاصل ہوتی۔ تو بلاشبہ میرے کلمات اور خیالات اپنے لئے ظاہر ہونے کا کوئی نہ کوئی راستہ پیدا کرلیتے ۔ میں دعا کرتا ہوں کہ میں اس شہر کے طالبانِ حق کے سامنے اپنے خداوند کی خوشخبری سنانے کے موقعہ کو برباد نہ کروں۔ ناواقف لوگوں پر پہلی دفعہ اثر ڈالنا آسان کام نہیں ہے۔ لیکن اکثر اوقات مجھے یہ توفیق ملی ہے کہ اس کی بجائے کہ میں خود زیادہ کام کروں میں نے دوسروں کو کام کرنا بتایا ہے۔ اور اپنے سے بہتر شخصوں کو کام کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ اور یوں اپنی کمی کو میں نے پورا کیا ہے۔ دُوسروں کی کامیابی پر شادمان ہونا آسمانی خوشیوں میں سے ہے"۔

۶ ماہ اپریل کے روز بشپ فرنچ شیراز پہنچے اور وہاں ۱۸ اپریل تک رہے۔ وہ لکھتے ہیں " عزیز ہنری مارٹن کے بعد یہاں تھوڑا کام کرنا بھی فی الحقیقت بڑی عزت کی بات ہے۔ میں بہت چاہتا ہوں کہ یہ معلوم کروں۔ کہ وہ حجرہ کونسا تھا جس میں وہ رہتے تھے۔ اور کہاں ملاّنوں نے کتابِ مقدس کو پاؤں تلے روندا تھا اور اُنہوں نے اُسے اٹھالیا تھا"۔ شیراز میں بشپ صاحب نے دانیل کی کتاب کا اصل کلدی زبان میں مطالعہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیراز میں بہت لوگوں کو دین کی باتیں دریافت کرنے کا شوق تھا اور بشپ صاحب کو اُن کی ملاقات سے بہت تقویت حاصل ہوئی ۔

بغداد کے مشنری پادری بیم برج کی ملاقات بھی جو اُن سے ملنے کے لئے آئے تھے۔ اُن کی طبیعت شگفتہ ہوئی ۔ ۳ ماہ مئی روز صعود کو ڈاکٹر بروس بمقام کمشاہ اُن سے آملے۔ اور دونوں اس جگہ سے ساتھ ہی اصفہان کو گئے۔ فرنچ صاحب لکھتے ہیں " جب ہم شام کے وقت اس پہاڑی کے قریب پہنچے جس کی پرلی طرف جلفہ واقع ہے۔ تو بعض جماعتیں اُن لوگوں کی ملیں جو ہمارے استقبال کے لئے آئے تھے۔ مرد ،

عورتیں اورلڑکے اوربرطانوی ایجنٹ اورارمنی کلیسیا کے قسیس جنہیں اُن کے بشپ نے بھیجا تھا۔ اورچند سوارپیدل سپاہی اورایک ذی رُتبہ شخص جوشہنشاہ کی طرف سے (جنہیں حضرت والا کہتے تھے) خیر مقدم کی خاطر بھیجا گیا تھا ہمارے استقبال کے لئے آئے۔

جلفہ میں بشپ صاحب نے ۶۷ اشخاص کو مستحکم کیا۔ ڈاکٹر بروس کے کام کی نسبت بشپ صاحب لکھتے ہیں "اُن کا کام نہایت مشکل اورنازک ہے۔ شہزادہ صاحب اس وقت دینی آزادی کی حمائت میں دلیری اور فراخدلی سے کام لینا چاہتے ہیں۔ لیکن شیخ الاسلام جو اس ملک میں اسلام کے بڑے صاحبِ اختیار مجتہد ہیں۔ پوشیدہ اورحتی الامکان علانیہ اُن کا مقابلہ کرتے ہیں۔ڈاکٹر بروس اورمیں آج دوپہر کے بعد مسجد کو جو تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ سوار ہوکر گئے۔ اوراُن کے پاس ایک گھنٹے تک بیٹھے رہے۔ اُنہوں نے مصمم ارادہ ظاہر کیا کہ اصفہان میں کتُبِ مقدسہ کے نسخوں کی فروخت بندکردینگے ۔ کتُبِ مقدسہ کی فروخت کی وہ شکایت کرتے رہے۔ اوربحث میں گرم اورتیز ہوگئے۔ ہم نے اُن سے بہتیرا کہاکہ کتاب اللہ کے پھیلانے میں آزادی ہونی چاہیے لیکن وہ پرلے درجے کے سخت دل اوربدمزاج واقع ہوئے تھے۔ بہت سے مُلا اُن کے گرد بیٹھے تھے۔ اورخوشامد کرکے اُن کی ہر بات پر آمنا وصدقناً کہتے اوراُن کو ابھارتے تھے۔ ہمارے واسطے تسلی کی بات صرف یہ ہے کہ خدا کاکلام مقید نہیں ہے۔ اورنہ ہوسکتا ہے کل اُنہوں نے کالیپوریٹر (کتُب فروش) کو گرفتارکروایا لیکن آخر کاریہ حکم دیا کہ" نہ یسوع کے نام کی منادی کرنا اورنہ اُس کی نسبت بات کرنا"۔ اورپھر اُسے چھوڑدیا۔ ڈاکٹر بروس کوبہت لوگوں نے کہا کہ آپ شیخ کے گھر جانے کی جرات نہ کریں۔ کیونکہ اُن کاارادہ کافی دینے کا ہے۔ یعنی زہر کا پیالہ مگر اُن کو یقین تھا کہ شیخ ایسا عقلمند ہے ۔ کہ وہ اپنی بہتیری کے خیال سے اس ارادے کو ہرگز عمل میں نہ لائیگا۔ پس ہم نے بے تکلف کافی پی اور قلیان(حُقہ) بھی پیا۔

۲۰ مئی کے دن جب مینسن خادم دین بنایا گیا توبشپ صاحب کا کام تکمیل کو پہنچا۔ گرجا بھرا ہوا تھا مسلمان اورمسیحی بھی موجود تھے۔ بشپ صاحب نے قریب ایک

گھنٹہ فارسی زبان میں اس آیت پر وعظ کیا۔ کہ ہم آپ کو ہر ایک بات میں خدا کے خادم کی طرح ظاہر کرتے ہیں۔ پاک روح سے، بے ریا محبت سے، کلامِ حق سے خدا کی قدرت سے۔ (۲کرنتھیوں ۶: ۴، ۶، ۷)۔ یہ درحقیقت جلفہ میں بشپ صاحب کا سب سے آخری کام تھا۔ ۲۳مئی کے روز اُنہوں نے افسوس کے ساتھ دوستوں سے رخصت ہوکر اپنا واپسی سفر پھر شروع کیا۔

۸

۱۸۷۴ء میں ایک گرجا کی بنیاد لاہور میں ڈال گئی تھی۔ اور چالیس ہزار روپیہ کے قریب فقط اُس کی بنیاد پر خرچ ہوگئے تھے۔ پس ایک جلسہ کیا گیا جس میں آخرکار یہ فیصلہ قرار پایا کہ جو بنیاد پہلے ڈالی گئی تھی وہ اُس بڑے گرجا کے لائق نہیں ہے۔ جس کے بنانے کی اب تجویز ہے۔ لہذا وہ بنیاد چھوڑدی گئی ۔بشپ صاحب کا اس موقعہ پر یہ فرمانا بہت دُرست تھا" مجھے معلوم ہوتا ہے کہ جس حال میں ہندوؤں اورمسلمانوں کی مذہبی عالی شان عمارتیں موجود ہیں۔ایک حقیر اوربدصورت عمارت کا بنانا ہمارے واسطے بڑی بے عزتی کا باعث ہوگا۔ اوراُس سے خدا کی کلیسیا پر بدنما دھبہ لگیگا اورمیں پسند نہیں کرسکتا۔ کہ میرے بشپ ہونے کی حالت میں ایسی بات ہو"۔رفتہ رفتہ سب مشُکلات رفع ہوگئیں۔آخرکار کیتھڈرل یعنی اُسقفی گرجا میں بھی ۲۵جنوری ۱۸۸۷ء کے روزجو مقدس پولوس کے ایمان لانے کا دن تھا۔ تقدیس کی رسم کے واسطے کھولا گیا۔ بشپ صاحب نے ایام اسقفی میں اوربھی کام کئے لیکن اُن کو کسی کام سے اس قدر خوشی حاصل نہیں ہوئی جس قدر کیتھڈرل کی تعمیر سے ہوئی۔

کلکتہ کے بشپ صاحب کے ارشاد کے بموجب بشپ فرنچ نے دعائے عام کی کتاب کے اردو ترجمہ کی نظر ثانی کرنے کا ذمہ لے لیا۔ ایک چھوٹی کمیٹی بھی اُن کی مدد کے لئے مقرر کی گئی اورایس۔ پی۔ سی ۔ کے سوسائٹی نے بیس ہزار روپے اُس پر خرچ کئے۔ ۱۸۸۱ء کے موسم گرما میں بشپ صاحب نے کوہ مری پر ایک کوٹھی کرایہ پر لی اورکمیٹی کے ممبران کے ساتھ روزانہ چھ گھنٹے یہ کام کرتے رہے ۔یہ نئی دعا کی کتاب بلاشبہ ایک عالمانہ کتاب تھی۔ مگر مشنریوں

نے اُسے پسند نہ کیا۔ بشپ میتھیو لکھتے ہیں کہ" بشپ فرنچ کو پچھلے برسوں میں سب سے بڑی مایوسی اسی وجہ سے ہوئی۔ کہ شمالی مغربی اضلاع اورپنجاب کے مشنری صاحبان نے فرنچ کے ترجمہ کو پسند نہیں کیا۔ جب میں نے اُن کے مستعفی ہوجانے کے تھوڑے عرصے کے بعد اُنہیں بہ منت لکھاکہ آپ اپنا پُرانا علاقہ دیکھنے کے لئے تشریف لائیں تواُنہوں نے جواب دیاکہ جوسلوک میرے ساتھ کتاب الصلوات کے ترجمہ کے باعث کیا گیا ہے میرا آنانا ممکن ہے"۔ نماز کی کتاب کا یہ ترجمہ بشپ فرنچ کے علم وفضل کا جیتا جاگتا زندہ ثبوت ہے۔ اب یہ ترجمہ نایاب ہے لیکن جب راقسم السطور پشاور کے مشن کالج میں فلسفہ کا پروفیسر تھا (از ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) تب مرحوم پادری امام شاہ صاحب کے وقت وہاں کے گرجا میں یہی ترجمہ مروج تھا۔ ۱۹۴۲ء میں راقم نے نماز کی کتاب کا پنجابی زبان میں ترجمہ کرتے وقت اس کو بڑے کام کا پایا۔

۱۸۸۵ء میں بشپ فرنچ نے پشاور کے مشنری جوکس اورمیر کے ساتھ کُتُب عہدِ عتیق اورمقدس لوقا کی انجیل کے پشتو ترجمہ کی نظر ثانی کی۔

ماہ جولائی ۱۸۸۶ء میں بشپ صاحب نے اپنے اُسقفی عہدہ سے مستعفی ہونے کا ارادہ کیا۔ اُنہوں نے کنٹربری کے آرچ بشپ اوروزیر ہند کو لکھا۔ کہ صحت کی خرابی اوردیگر وجوہ کے باعث میں استعفیٰ دیتا چاہتاہوں۔ اورمیری خواہش یہ ہے کہ آرچ ڈیکن میتھیو میری جگہ بشپ مقرر ہوں۔ مگر بعض مشکلات آرچ ڈیکن کو اس عہدہ کے قبول کرنے سے بازرکھتی تھی۔ ۱۷ستمبر ۱۸۸۷ء کو بشپ صاحب نے ایک خط میں پادری بیٹمین کو لکھاکہ"آج مجھے معلوم ہواہے کہ آرچ ڈیکن صاحب نے بہت عرصہ تک تامل کرنے کے بعد اُسقفی عہدہ قبول کرلیا ہے۔ میں نے ابھی اپنے مستقبل کا فیصلہ نہیں کیا ۔ پس اس کے متعلق میں نہ جانتاہوں اورنہ لکھ سکتا ہوں۔ میں اپنے دوستوں سے منت کرتاہوں کہ وہ حتیٰ المقدوراپنے خطوں میں میرے مستعفی ہونے کا ذکر نہ کریں۔ بلکہ خدا سے دعا مانگیں کہ جوشخص

جاتا ہے ۔ خدا اپنے فضل سے اُسے معافی بخشے اورجویہ بوجھ اٹھارہا ہے۔ اُسے اُس کے اٹھانے کے لئے زوراورطاقت بخشے"۔ بشپ صاحب ۲۲ دسمبر کو اُسقفی عہدہ سے درست بردار ہوگئے اورپورے دس سال اس عہدہ پر مقرر رہے۔ ۶جنوری ۱۸۸۸ء کے روزصاحب ممدوح کراچی سے جہازپر سوار ہوکر روانہ ہوگئے۔ اورہندوستان سے اُن کا تعلق منقطع ہوگیا۔

۹

جب فرنچ صاحب انگلستان میں تھے تواُن کو اشاعتِ انجیل کا کام کرنے کی ایک اورصورت نظر آئی۔ لیکن یہ کام چرچ مشنری سوسائٹی سے متعلق نہ تھا۔ ۱۸۹۰ء کے موسم خزاں میں اُنہوں نے لکھا " میرا یہ ارادہ ہے۔ کہ چند ہفتوں کے لئے یازیادہ عرصے کے واسطے (جس طرح خدا کومنظورہو) میں مصر کوٹیونس کی راہ جاؤں تاکہ عربی زبان میں زیادہ مہارت حاصل کروں اورمعلوم کروں۔ کہ ان اطراف میں اہل اسلام کے درمیان مسیحی دین کےپھیلانے کے واسطے کیا کوشش ہورہی ہے۔ پس ۳ ماہ نومبر ۱۸۹۰ء کو وہ آخر باربیوی اوروطن سے رخصت ہوئے۔ ۷ نومبر کو اُنہوں نے ٹیونس سے خط لکھا۔

وہاں وہ کچھ عرصہ تک ٹھہرے اورمنادی کرنے میں مشغول رہے۔ لیکن وہ مسقط پہنچنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے چرچ مشنری سوسائٹی کے ارباب بست وکشاد سے درخواست کی کہ جن نئے مشنوں کے قائم کرنے کا وہ ارادہ کررہے ہیں اُن میں وہ مسقطھ کا مشن بھی شامل کریں۔ بشپ صاحب کا منشاء تھاکہ وہ خود وہاں جائیں۔ اوروہاں کے حالات سے چرچ مشنری سوسائٹی کو مطلع کریں۔ ۸ ماہ فروری وہ کراچی سے ہوتے ہوئے مسقط پہنچے۔کراچی میں بشپ صاحب پرانے اپنے قدیم رفیق رابرٹ کلارک سے ملاقات کی۔ زمین پر ان دونوں مقدسوں کی آخری ملاقات تھی۔

مسقط پہنچ کر بشپ صاحب اپنے ٹھہرنے کے لئے کوئی قیام گاہ ڈھونڈھتے رہے۔ وہاں کا ریذیڈنٹ اُن کا پُرانا دوست تھا لیکن وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ ریذیڈینٹ کے مہمان بنیں یا اپنے ٹھہرنے کا انتظام کرنے سے پہلے اُن کی ملاقات کے لئے جائیں۔ آخر کارگوآ کے ایک باشندے نے اُن کو اتارا اوروہ ایک میلے کمرے میں رہے جس میں ایک چارپائی ایک ٹوٹی کونچ اورچند کرسیاں تھیں۔ میٹ لینڈ صاحب نے

بشپ فرنچ کی بیٹی کو لکھا" ہم نے ایک کتیلی میں پانی جوش کرایا اورکچھ کافی پی اورکچھ بسکٹ کھائے۔ بعد ازاں ہم نے بازار سے چپاتیاں اوردودھ بہم پہنچایا۔ شام کو پولٹیکل ایجنٹ کے دفتر کا ہیڈکلارک آیا۔ گوآپ کے والد اُس سے ملنا نہیں چاہتے تھے لیکن میں نے باتوں باتوں میں اس سے معلوم کرلیاکہ جس مقام میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ عرب کے لوگوں کے واسطے پرُتگیزوں کی شراب کی دُکان تھی۔ عرب کے لوگوں میں دین حق پھیلانے کا یہ ایک نرالہ طریقہ تھا!!

چونکہ مسقط میں گذارہ کے لائق مکان ملنا دشوار تھا اس واسطے بشپ فرنچ نے مترا میں جومسقط سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے ایک مکان لیا۔ اس کے بعد دونوں صاحبان ریذیڈنٹ کے پاس ملاقات کے واسطے گئے۔لیکن چونکہ وہ اس سے ملنے کےلئے پہلے نہ گئے تھے اُنہوں نے اس کو قدرے روکھا پایا۔ میٹ لینڈ نے مذکورہ بالا خط میں کام کا حال مختصر طور پر یوں تحریر کیا ہے" آ پ کے والد علیٰ الصباح اٹھا کرتے تھے ۔ اورمیں دن نکلے۔ مچھر اورمکھیاں رات کوبہت ستاتی تھیں۔ ہمارے پاس شروع میں نہ توکافی بستر تھے۔ اورنہ مُسہریاں۔ گوبعد میں کچھ چیزیں دستیاب ہوگئیں۔ وہ اٹھنے کے بعد دعا کرتے تھے اورخدا کی کتاب پڑھتے تھے۔ میں آگ جلاتا تھا۔اور باورچی خانہ میں برتن دھوتا تھا۔ اورپھر بازار جاکر روٹی اوردودھ اورانڈے لاکر صبح کا کھانا تیار کرتا تھا۔ اس کےبعد ہم کھانا کھاتے تھے۔ بعد ازاں وہ عربی زبان کے مطالعہ میں ڈیڑھ بجے تک مشغول رہتے تھے۔ میں قریب ایک بجے بازارجاکر کھانے کے واسطے چیزیں لاتا تھا۔ یعنی تھوڑا گوشت یا بھُنی مچھلی اوربازار کے بچے ہوئے چاول اورروٹی اور کھجور۔ کھانے کے بعد ہم مل کر عبادت کیا کرتے تھے۔ اورپھر قریب چاربجے آپ کے والد کبھی توتنہا منادی کرنے یالوگوں کو کتاب پڑھ کر سنانے کے لئے باہر چلے جاتے تھے۔یاکبھی وہ ہوا خوری کی غرض سے میرے ساتھ قصبہ مترا کے پیچھے کشادہ میدان میں جاتے تھے۔ یاکسی قریب کے گاؤں میں لوگوں سے باتیں کرنے لگتے تھے اوراگر موقعہ ملتا تھا توان کوکتاب مقدس سناتے تھے۔جب شام ہونے لگتی تھی تو ہم مکان پر واپس آجاتے تھے۔ چائے پینے کے بعدہم دونوں شام کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اُس کے بعد ہم پرنیند کا غلبہ ہوجاتا تھا"۔

بشپ صاحب کی ہمیشہ یہی آرزو رہی کہ وہ عرب میں مشنری ہوکر جائیں اوراہلِ عرب کو انجیل کا جانفزا پیغام دیں۔ اب جو وہ عرب میں آگئے تو بڑھاپا اورجسم کی کمزوری اُن کے ارادے میں سدِ راہ ہوگئے لیکن اُنہوں نے یہ مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ وہ اپنی جان دے دینگے پر جیتے جی عرب نہ چھوڑیں گے ۔ وہ ۶ مئی کو ۱۱بجے دن کے کشتی میں بیٹھ کر انجیل کا پیغام دینے کے لئے روانہ ہوئے۔ اوراُسی دن آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے سیب میں پہنچے۔روانہ ہونے سے چند روز پہلے وہ بخارمیں مبتلا ہونے کے سبب بہت کمزور ہوگئے تھے۔ کشتی سے اُترنے کے وقت بھی گرمی سخت تھی۔ اس واسطے وہ درختوں کے سایہ میں آرام کرنے کے بعد اُس مکان کوگئے جوکنارے سے پون میل کے فاصلے پر اُن کو سکونت کے واسطے مل گیا تھا۔دُوسرے روزصبح کے وقت ۷ مئی عیدِ صعود کے روز تھوڑا سا دودھ پی کر تین میل کے فاصلہ پر وہاں کے حاکم سے ملنے کے لئے گئے۔جب وہ واپس آئے تو گرمی بہت تھی۔ گھر پہنچنے تک اُن کی طبعیت علیل ہوگئی۔ ۸ تاریخ کو صبح کے وقت وہ چند کتابیں لے کر باہر گئے۔ دس بجے کے قریب چند آدمیوں نے اُن کے نوکر کو خبردی کہ تمہارے آقا کھجور کے درختوں میں پڑے سورہے ہیں جب نوکر اُن کے پاس آیا تواُنہوں نے اُسے واپس گھر بھیج دیا۔جب وہ خود گھر پہنچے۔ تونیچے گری ہوئی بلیوں کے درمیان لیٹ گئے۔نوکر نے اُن کو پکارتے اورتالی بجاتے سنا پس وہ دوڑ کر اُن کے پاس گیا۔لیکن اُنہوں نے بے ہوش پایا۔ اُس نے اُن کے سر پر پانی ڈالا اورپندرہ منٹ کے بعد بشپ صاحب کو ہوش آیا۔بعد میں اُنہوں نے کھانا پکوایا لیکن کھا نہ سکے۔ دُوسرے دن یعنی نویں تاریخ ہفتے کے روز مسقط کو واپس آنے کاارادہ کیا۔ لیکن جب کشتی تیار ہوئی۔ تو وہ جانہ سکے۔ دس تاریخ کو بوقت شام وہ روانہ ہوئے۔ مسقط میں ۱۱مئی کو دن نکلے پہنچے اوراُس کمرے کوگئے جواُنہوں نے ریذیڈنسی کے پاس کرایہ پر لیا تھا۔اُنہوں نے نوکر کوحکم دیا۔ کہ کسی سے ہمارے واپس آنے کا حال نہ کہنا مگرنوکر نے حکم کی تعمیل نہ کی۔ ۱۳مئی کو ڈاکٹر صبح ساڑھے سات بجے اُن کودیکھنے کوآئے۔ اُنہوں نے بشپ صاحب کو بیہوش پایا۔تھوڑی چاء کے پینے سے اُن کی طبعیت کسی قدربحال ہوگئی۔

ریذیڈنٹ نے سمجھا بجھا کر اُن کو تھوڑا شوربا پلایا۔ ڈاکٹر رات کے نوبجے آیا اورتین بجے تک اُن کے پاس رہا۔ بشپ صاحب کے بدن کی حرارت اُس وقت ۱۰۴ درجہ پر تھی۔ وہ آہست آہستہ "اے خداوند۔اے خداوند" کہتے رہے۔ اس کے علاوہ کوئی اورلفظ منہ سے نہ نکلا۔ ۱۴مئی کودوپہر کے بعد ساڑھے بارہ بجے وہ بغیر کسی قسم کی تکلیف پائے اپنے نجات دہندہ کے پاس چلے گئے۔

لاہور کے اُسقفی گرجا میں ایک پیتل کی تختی پر یہ عبارت کندہ ہے:

"ٹامس والپی فرنچ۔ ڈی۔ ڈی۔ آپ یونیورسٹی کالج آکسفورڈ کے سابق فیلو اوراُسقفی گرجا کے بانی تھے۔ ۱۸۵۱ء سے جب وہ ہندوستان میں آئے توخدا کی کلیسیا کی دینی خدمت کرتے رہے۔ اول صبروکوشش کے ساتھ شمال مغربی صوبوں اورپنجاب میں بحیثیت مشنری ہونے کے اوراس کےبعد دس برس بحیثیت اُس علاقہ کے پہلے بشپ ہونے کے ۱۸۷۷ء سے ۱۸۸۷ء تک رہے۔ بشپ صاحب ممدوح الصدر نےمسقط واقع ملک میں عرب مسیح کی بادشاہت کا ایک تنہا شاہدین بن کربتاریخ ۱۴مئی ۱۸۹۱ء انتقال کیا"۔

۱۰

بشپ فرنچ آسمانی مقاموں میں ہیں جہاں مقدسین کی فوج خدا کی حمد کرتی ہے۔ لیکن جو کام وہ پنجاب۔ یو۔ پی۔ اورصوبہ سرحد میں کرگئے وہ کلیسیا کے لئے ایک غیر فانی میراث ہے۔ آگرہ کا مشن کالج ہزاروں کے لئے شمع ہدائت بنارہا ہے اوربنارہے گا۔ڈیرہ جات کے مشن کے ذریعہ انجیل کا پیغام ہزاروں کٹر مسلمانوں کے کانوں میں سنایا گیا ہے اوران پر اتمام حجت ہوگئی ہے۔ ڈیونٹی کالج لاہور سے ایسے ہادیان دین نکلے ہیں جو کلیسیا کی اشاعتِ اوراستقامت کا باعث ہوئے ہیں۔ لاہورکا عالیٰ شان گرجا اُن کی جاودانی یادگار رہیگا اوراُن کا عرب میں جانا اورمسقط میں فوت ہونا ہندوستان اورایران کے مبلغین کے لئے تازیانہ کاکام دیتا رہیگا۔

بشپ صاحب سے پہلے عرب کی سرزمین میں ہنری مارٹن کی قبر موجود تھی۔ سیدنا مسیح کے یہ دونوں غیور سپاہی ہندوستانی کلیسیا کے لئے نمونہ بنے رہینگے۔ دونوں

عالم اورفاضل تھے۔ ایک نے آکسفورڈ کا علم اوردوسرے نے کیمبرج کا علم اپنے منجی کی صلیب پر نچھاورکردیا۔ دونوں نے اہل اسلام میں انجیل جلیل کی تبلیغ کی خاطر اپنی زندگیوں کووقف کردیا تھا۔ بلاآخر دونوں نے ہندوستان میں تبلیغی کام کرنے کے بعد عرب کے مسلمانوں میں نجات کا جانفزا پیغام سناکر وہیں اپنی جانیں قربان کردیں۔ خدا وہ وقت جلد لائے جب پنجاب کے مسیحی ان مقدسوں کی زندگیوں سے سبق حاصل کرکے اپنے ملک کے باہر افغانستان۔ ایران اورعرب میں انجیل جلیل کا نجات بخش پیغام سنائیں۔

پادری چارلس ولیم فورمن ڈی۔ ڈی

CHARLES WILLIAM FORMAN D.D.

چارلس ولیم فورمن صوبہ کن ٹکی(Kentucky) کے شہر واشنگٹن (Washington) سے آدھ میل باہر ۳ مارچ ۱۸۲۱ء کے روز پیدا ہوا۔ اُس کے آباؤ اجداد ۱۶۴۵ء میں بشپ لاڈ کے مظالم سے تنگ آکر انگلستان سے امریکہ نقل مکانی کرگئے تھے۔ یہاں کے ڈچ حکام نے اُن کی خوش آمدید کی۔ اورلونگ آئی لینڈ(Long Island) میں اُن کو جاگیر بھی عطا کی۔ پس چارلس ولیم کے کے آبا ؤ اجداد ابتدا ہی سے آزادی کی فضا میں رہتے تھے۔ امریکہ کی جنگ آزادی سے محبت رکھنے کے لئے مشہور تھا اورگردونواح کے لوگ ان کو عزت اورقدرکی نگاہ سے دیکھتے تھے اگرچہ وہ مذہبی اُموراودین داری کی پروانہیں کرتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جب چارلس ولیم پندرہ سال کا ہوا اُس کا بڑا بھائی اپنے ساتھ پادری مکابوئے (McAboy) کوگھر لایا۔ پادری مکابوئے واشنگٹن کی پرسبٹرین کلیسیا کا پاسبان تھا۔ اثنائے گفتگو میں اُس کے ایک اوربھائی نے حقارت آمیز لہجہ میں سیدنا مسیح کا ذکر کیا۔ چارلس ولیم کو یہ بات بڑی

ناگوار معلوم ہوئی کہ ایک مہمان کے جذبات کو ٹھیس لگائی جائے۔ جب اُس نے اپنے مہمان کے چہرے کی طرف نظر کی تو وہاں غصہ کے آثار پانے کی بجائے رنج اوردکھ لکھا دیکھا۔ اُس نے دل میں خیال کیا کہ یہ شخص ضرور مسیح سے پیار کرتا ہے۔ اس واقعہ نے اُس کے دل کو بڑا متاثر کیا اور پانچ سال کے بعد اُس نے اسی گاؤں کے گرجا میں بپتسمہ پایا۔ وہ لکھتا ہے " میں یہ محسوس کرتا تھا کہ بپتسمہ محض ایمان کا اقرار ہی نہیں بلکہ اس امر کا نشان ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کو سیدنا مسیح کی مرضی کے تابع کردیا ہے تاکہ ہم مسیح کے لئے اپنی زندگی کاٹیں"۔

اب اس کے دل میں مسیح کی خدمت کرنے کا خیال آیا۔ اُن دنوں غلاموں کی خریدوفروخت ہوتی تھی اور فورمن کا خاندان کا بھی غلام رکھتا تھا۔ پس اُس نے لگے اتوار یہ اشتہار دیا کہ جو غلام اپنے مالک کی اجابت سے پڑھنا چاہے اُس کو میں گرجا گھر میں پڑھاؤں گا۔ جب وہ وقت مقرر پر گرجے گیا تو وہاں غلاموں کی بھیڑ کھڑی پائی۔ فورمن رفتہ رفتہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ انجیل جلیل کا خادم بنے۔ پس سات سال تک وہ سنٹرل کالج کن ٹکی میں اور پرنسٹن تھیولوجیکل کالج میں پڑھتا رہا۔ جس زمانہ میں وہ علمِ الٰہیات کا مطالعہ کررہا تھا اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ غیر ممالک میں جاکر انجیل کا واعظ بنے گا۔ مسیح کی آخری وصیت اُس کو باربار یاد آتی تھی لیکن وہ یہ بھی دیکھتا تھا کہ اس حکم کے مطابق کوئی شخص غیر مسیحی اقوام کے پاس نہیں جاتا۔ پس اُس کے دل میں سوال پیدا ہوا کہ آیا مسیح کے حکم پر عمل کیا جائے یا نہیں۔ امریکہ میں بیسیوں اشخاص مسیح کا کام کرنے والے موجود تھے۔ لیکن امریکہ ہندوستان نہ تھا۔ پس اُ سنے خیال کیا کہ اگر وہ خود ہندوستان نہ گیا تو وہاں کوئی مسیح کا کام نہیں کریگا۔ اُن دِنوں میں ہندوستان کا سفر آسان نہیں تھا لیکن اُس نے مصمم ارادہ کرلیا کہ وہ ہندوستان آئے۔ اورخاندان کے شرکائی کے رونے اورواویلا کرنے کے باوجود وہ ۱۱ اگست ۱۸۴۷ئی کے روز جہاز میں سوار کلکتہ پہنچ گیا۔

جنوری ۱۸۴۸ئی میں کلکتہ آکر فورمن ڈاکٹر ڈف کا مہمان ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے یہ ٹھان لی کہ وہ پنجاب میں پہنچ کر مشن سکول جاری کریگا جس میں تعلیم

انگریزی زبان میں ہو۔ وہ کلکتہ سے پنجاب سفر کرتا ہوا آیا۔ اُن دنوں اس سفر میں چار پانچ ماہ لگتے تھے۔ انگریزوں کی تسخیر پنجاب سے چند ماہ پہلے ۱۸۴۸ئ میں وہ لدھیانہ پہنچ گیا جہاں پادری نیوٹن اور اُس کی بیوی ۱۸۳۵ئ میں امریکن پریسبٹیرین مشن کے مشنری ہوکر پہلے پہل آئے تھے۔ اس شہر میں ایک سال پہلے پادری جان لوری آیا تھا۔ اُس زمانہ میں لدھیانہ سرحدی شہر تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت کے درمیان دریائے ستلج حائل تھا۔

ان مشنری صاحبان کی یہ خواہش تھی کہ خدا پنجاب کا دروازہ کھولے تاکہ وہ اپنے منجئی کا فرحت افزا پیغام پنجاب کے باشندوں کو سنائیں۔پس اُنھوں نے لدھیانہ میں رہائش اختیار کرلی۔ تاکہ جب موقعہ ملے تو وہ لاہور میں جو مہاراجہ کا دارالسلطنت تھا جاسکیں۔

ایک دفعہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دل میں خیال آیا کہ لاہور میں ایک سکول کھولا جائے جہاں پنجابی نوجوان انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کرسکیں۔تاکہ وہ انگریزی اخبارات اور رسائل پڑھ کر اُس کو انگریز ہمسایوں کی جنگی تدابیر اور سیاسی اُمور کی نسبت اطلاع دیتے رہیں۔اس غرض کے واسطے اُس نے پادری لوری کو بُلا بھیجا۔ لوری نے مہاراجہ کی دعوت قبول کی اور مہاراجہ نے ایک ہاتھی اور رسالہ کے سوار بھیجے تاکہ لوری کو پھلور سے لاہور لے آئیں۔ لوری نے مہاراجہ سے کئی بار ملاقات کا شرف حاصل کیا لیکن چونکہ لوری چاہتا تھا کہ اس سکول میں کتابِ مقدس کی تعلیم دی جائے اور مہاراجہ اُس کو نامنظور کرتا تھا اور دونوں اپنے ارادے کے پکے تھے لہذا یہ تجویز عمل میں نہ آسکی ۔ مہاراجہ نے لوری کو ایک گھوڑا اور خلعتِ فاخرہ اور دو ہزار ایک سو روپیہ دے کر رخصت کیا۔

پادری نیوٹن کے چھ بچے تھے۔ سب سے بڑی لڑکی کا بیاہ پادری سی ڈبلیو فورمن سے ہوا۔ اس سے چھوٹا بیٹا ڈاکٹر جان نیوٹن تھا۔ جس نے سباتو کے کوڑھی بنانے کی بنا ڈالی۔ اس سے چھوٹی ایک لڑکی ایملی تھی جس کی شادی سیالکوٹ کے سکاچ مشن کے پادری فرگیوسن سے ہوئی۔ چوتھا لڑکا سی ۔ بی نیوٹن تھا جو امریکن مشن کا مشنری ہوا۔

سکھوں کی پہلی لڑائی کے بعد ۱۸۴۶ئی کے آغاز میں جونہی ایسٹ انڈیا کمپنی نے جالندھر دوآب پر قبضہ کیا توامریکن مشن نے لدھیانہ سے جالندھر شہر میں اپنا مناد اور واعظ بھیجے۔ مسٹر پورٹر اورمسٹر گولک ناتھ وہاں گئے۔ پورٹر نے وہاں مشن کمپونڈ کے لئے زمین خریدی جوشہر کے نزدیک تھی اورسرکار نے ہمیشہ کیلئے زمین کا معاملہ معاف کردیا۔ پادری گولک ناتھ جالندھر میں متعین کردیا گیا۔

جب انگریز وں نے پنجاب پر قبضہ کرلیا تومہاراجہ دلیپ سنگھ فتح گڑھ بھیجا گیا۔ یہاں ڈاکٹر لوگن اُس کا محافظ تھا اوروالٹر گائس اس کا اُستاد تھا۔ مہاراجہ یہاں مسیحی ہوگیا اوربعد میں انگلستان چلا گیا۔ جہاں اُس نے مستقل طورپر رہائش اختیارکرلی۔

جیسا ذکر ہوچکا ہے۔ نومبر ۱۸۴۸ئی میں پادری فورمن لدھیانہ پہنچا اورپادری جان نیوٹن کے ساتھ کام کرنے لگا۔ اس وقت سے آخر تک دونوں ایک دوسرے کے ساتھی رہے۔ یہ گویا مقدس برنباس اورمقدس پولوس کا ساساتھ تھا۔

۱۸۴۹ئی میں جونہی پنجاب انگریزوں کے قبضے میں آیا پادری فورمن اورنیوٹن لاہورروانہ کئے گئے تاکہ کالب اوریشوع کی طرح اس سرزمین کا پتہ لگائیں۔اُنہوں نے اپنی رپورٹ سالانہ اجلاس میں پیش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ دونوں مشنری لاہور بھیج گئے۔ وہ ۲۱نومبر کو لاہورآئے۔یہ سفر اُنہوں نے دس دن میں طے کیا جوآج کل چند گھنٹوں میں طے ہوتا ہے۔ اُن کے پاس روپیہ کم تھا پس اُنہوں نے لاہور کے انگریز مسیحیوں کے نام ایک گشتی چھٹی لکھی جس کے جواب میں ۴۲۳۸ روپے جمع ہوگئے اورسکول اسی سال شروع کردیا گیا۔ یہ سکول پہلے پہل بیرونِ بھاٹی دروازہ شروع کیا گیا ۔ پادری نیوٹن مہاراجہ کے وزیر راجہ سچیت سنگھ کی حویلی میں رہتے تھے جوہیرا منڈی میں تھی۔ اس گھر میں وہ ایک سال کے قریب رہے۔ لیکن یہ گھر صحت کے لحاظ سے ان کو پسند نہ آیا۔ پس ایک اورگھرکرایہ پر لیا گیا جومہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے فرانسیسی اوراطالوی جرنیلوں کے لئے بنوایا تھا ۔ اس کے احاطہ کے اندرایک پُرانی قبر تھی جس پرایک بڑا گنبد تھا۔ اس قبر کے چوگرد آٹھ محراب دارکمرے

تھے۔ یہ محرابیں بند کی گئیں اوران میں خشتِ اورکھڑکیاں وغیرہ لگادی گئیں۔ ان کمروں میں پادری فورمن نے رہائش اختیارکی۔

ان دن ہنری لارنس اورجان لارنس Henry Lawrence & John Lawrence اور رابرٹ منٹگمری (Robert Montgomery ڈانلڈ میکلوڈ(Donald McLeod ہربرٹ ایڈورڈ Herbert Edwards رینل ٹیلر Renyell Taylor جان نکلسن John Nicholson جیسے دیندار خدا پرست اورخدا خوف حکام پنجاب میں رہتے تھے ۔ اُنہوں نے نیوٹن اورفورمن کا بڑے تپاک سے خیرمقدم کیا۔ وہ جانتے تھے کہ پنجاب کے باشندوں کومذہبی تعلیم اوربائبل کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ لاہور کے انگریزوں نے بڑی فراخدلی سے مشن کے کام کیلئے چندہ دیا۔ پانچ سال کے اندراندرزمین خریدی گئی اورسکول اورگھر وغیرہ تعمیرکرلئے گئے۔

جنوری ۱۸۵۰ئی میں سکول کی ابتداہوئی اوراس میں تین طلبائی داخل ہوئے۔ دس روز کے بعد طلبا کی تعداد سات تک پہنچ گئی۔ ان سات لڑکوں کو پادری فورمین ساڑھے چار گھنٹے اورپادری نیوٹن ڈھائی گھنٹے پڑھاتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لاہور کے لڑکے سکول میں پڑھنا نہیں چاہتے تھے۔ والدین کا خیال تھاکہ وہ لڑکوں کوسکول بھیج کر فورمن پر احسان کررہے ہیں۔اُس نے طلبائی کووظائف دئیے تاکہ وہ سکول میں پڑھیں۔ غرض اس کے سامنے بیسیوں مشکلیں حائل تھیں لیکن اس مردِ خدا نے ہمت نہ ہاری۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے شہر کے مختلف حصوں میں رفتہ رفتہ ایک درجن سے زیادہ برانچ سکول کھول دیئے تاکہ بچے اُن میں تعلیم حاصل کریں۔ اس نے مزدوروں کے لئے ایک نائٹ سکول کھولا تاکہ وہ لوگ جودن کے وقت مزدوری کرنے کی وجہ سے نہیں پڑھ سکتے رات کو پڑھاکریں۔

۱۸۵۰ئی میں ایسی شدت کی گرمی پڑی کہ الامان ۔ لاہور کے گورے سپاہیوں کا دسواں حصہ گرمی کی وجہ سے لقمہ اجل ہوگیا۔ پادری نیوٹن اوراُن کے بیوی بچے اورپادری فورمن کئی دفعہ بیمار ہوگئے۔ لاہورکا سول سرجن پادری فورمن کواپنے گھر لے گیا اورسرہنری لارنس نے پادری نیوٹن اوراُس کے بیوی بچوں کواپنے گھر رکھا۔

چونکہ پادری نیوٹن اوراُس کی بیوی سخت بیمار ہوگئے تھے لہذا وہ سولہ سال کے بعد ۱۸۵۰ئی میں امریکہ رخصت پر چلے گئے اب پادری فورمن اکیلے رہ گئے ۔ وہ پانچ گھنٹے سکول پڑھاتے اورسکول سے پہلے اوراُسکے بعد گھنٹوں لوگوں سے بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے۔ سکول کے طلبائی کی تعداد تین ماہ میں ۷۵ ہوگئی تھی۔ مسٹر گورو داس مترا جوایک لائق بنگالی عیسائی تھے اس سکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ ۱۸۵۶ئی میں رنگ محل خریدا گیا اورمشن سکول وہاں منتقل کردیا گیا۔ ۱۸۵۶ئی میں سکول کے طلباکی تعداد ساڑھے سات سوتھی۔ فورمن کہتا تھا کہ مشن سکول اورکالج انجیل کی اشاعت کے وسیلے ہیں کیونکہ ان اداروں کے طلبا اورطالبات گھروں میں جاکر اپنے والدین اوربھائیوں بہنوں کوانجیل کے پیغام کی خبرسناتے تھے۔

جب پنجاب کے حکام نے دیکھا کہ فورمن کوسکول چلانے میں کامیابی حاصل ہورہی ہے توگجرات اورگجرانوالہ کے ڈپٹی کمشنروں نے درخواست کی کہ وہ اُن جگھوں کے مدرسوں کی بھی نگرانی کرے۔ فورمن نے اس تجویز کوخوشی سے منظورکیا۔ ایک دفعہ جب وہ منادی کرتا ہوا روالپنڈی نکل گیا تووہاں کے ڈپٹی کمشنر نے اُس شہر کے تین سکول بھی اُس کی زیرنگرانی کردئیے۔ گویا وہ پنجاب کے تعلیمی محکمہ کا پہلا ڈائرکٹر تھا۔

فورمن نے لاہورمیں ۴۵سال تک تعلیمی کام کیا لیکن اس کی خوشی انجیل کی اشاعت میں تھی۔ وہ روزانہ انجیل کی منادی کیا کرتا تھااورلوہاری دروازہ، دہلی دروازہ، چوک جھنڈا، رنگ محل، ہیرا منڈی میں اورشارع عام پرکھڑے ہوکر لوگوں کو نجات کا پیغام روزمرہ بلاناغہ سناتا تھا۔ جب وہ تھک کر چورہوجاتا توانجیل کا پیغام سنانے میں اُس کو تازگی ملتی تھی۔ چنانچہ جب دن بھر کا کام کرکے وہ تھک جاتا توشام کو شہر کی کسی طرف نکل جاتا اورمنادی کرکے تازہ دم ہوکر خوش وخرم واپس آتا۔ مابعد کے ایام میں جب اُس کے طلبا بڑے عہدوں پر مامور ہوئے تووہ منادی کے بعدباہر سے بینچ اٹھاکر اندررکھنے میں فورمن کی مدد کرنا فخر سمجھتے تھے۔

سکول اورمنادی کے کام کے علاوہ شہر کے گلی کوچوں میں ٹریکٹ ۔ ہینڈ بل اورکتابیں تقسیم کیا کرتا تھا۔ وہ

دکانداروں کی دُکانوں پر بیٹھ جاتا اوراُن سے مذہبی اوردینی مسائل پر بات چیت شروع کردیتا تھا۔ شہر کے اندر اُس نے دہلی دروازے کے نزدیک ایک شفاخانہ بھی اسی غرض کے لئے کھولا۔ اُس نے عورتوں کے لئے بھی ایک شفا خانہ کھول دیا۔

فورمن کی منادی کرنے اس قدرشوق بلکہ جنون تھا کہ بعض اوقات وہ ہردوارتک اور روالپنڈی تک منادی کرتا ہوا نکل جاتا تھا۔ لاہور کے ضلع کے مختلف گاؤں اورشہروں میں اُس نے کئی بار دورہ کیا تاکہ انجیل کا پیغام لوگوں کو سنائے۔ فورمن فصیح البیان شخص نہیں تھا لیکن اُن کی باتوں میں تاثیر تھی کیونکہ اُس کے الفاظ اُس کے دلی جذبات کے ترجمان ہوتے تھے۔

لوگ عموماً خاموشی اورسکون سے اُس کی منادی کوسنتے تھے کیونکہ وہ "بابا فورمن" کی عزت کرتے تھے۔ لیکن بعض اوقات غنڈے شور مچاتے۔ اُس کو بےعزت کرتے اورگالیاں دے کر اُس کا مضحکہ اڑاتے تھے۔ ایسے موقعوں پر فورمن نہایت حلیمی اورانکساری سے اُن سے پیش آتا جس سے عوام الناس کے دلوں پر بڑا اثر ہوتا تھا۔

اکبری دروازہ کے پاس کشمیری مسجد میں ایک مولوی مسلمان نوجوانوں کو قرآن پڑھاتا تھا اوراُن کو اُکسایا کرتا تھا کہ پادری فورمن پر اعتراضوں کی بوچھاڑ کریں۔ جہاں فورمن جاتا یہ جوان وہاں ضرور پہنچتے شورمچاتے اورفورمن کوخواہ مخواہ دِق کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات مولوی خود اُن کے ہمراہ جاتا لیکن فورمن نہایت خندہ پیشانی سے اُن کی گالیاں سہتا اوراُن کے اعتراضوں کے جواب دیتا تھا۔ وہ بعض اوقات مزاق کرکے بات ٹال دیتا اوراپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہتا "دیکھو۔ جوان! جب تمہاری ٹھوڑی پر میری طرح بال ہونگے تب آکر مجھ سے بحث کرنا"۔ ایک مسلمان فقیر کا دستور تھا کہ ڈاکٹر فورمن کوبازاری منادی کے وقت ہمیشہ تنگ کرتا تھا۔ یہ فقیر مابعد کے زمانہ میں اُس کے دفن ہونے کے وقت قبر پر سرجھکائے نہایت ادب سے کھڑا دیکھا گیا۔

جب کبھی فورمن منادی کرنے شہر کو جاتا تولڑکے اُس کے پیچھے ہولیتے اور"بابا فورمن" ، "بابافورمن" چلا چلا کر اُس کے پیچھے دوڑتے۔ بعض اُس کے کوٹ کوپکڑلیتے اورٹریکٹ مانگتے اورخاص کر رنگین تصویروں کے لئے ضدکیا کرتے تھے۔

اگرچہ پادری فورمن نے خودبہت کم ٹریکٹ لکھے تاہم بہت کم مشنری ایسے ہونگے جنہوں نے ایسی کثرت سے ٹریکٹ تیارکئے ہونگے۔ اُسکا یہ معمول تھا کہ دینی کتُب اوررسائل کوپڑھ کر اُن مقامات پر نشان لگادیتا جواُس کے خیال میں ٹریکٹ کے قابل ہوتے اورنوجوان مسیحیوں کو کہتاکہ کسی مُنشی کی مدد سے اُن کا اردو میں ترجمہ کریں۔ جب ترجمہ تیارہوجاتا تواُس کو وہ خود دیکھتا اور ہزاروں کی تعداد میں چھپوانے کےلئے دےدیتا بائبل سوسائٹی اورٹریکٹ سوسائٹی اس کی ہمیشہ تك مرہونِ منت رہیں گی۔

۱۸۵۵ئی میں امریکن مشن کا سالانہ اجلاس ہوا ۔ مختلف مقامات سے مشنری آئے۔ سالانہ اجلاس کے بعد سب شام کو بازاری منادی کے لئے گئے۔ ان دنوں میں جب مشنری سالانہ جلسوں کےلئے جاتے تو راہ میں مختلف گاؤں میں منادی کرتے۔ انجیل کا پیغام دیتے اورکتابیں تقسیم کئے جایاکرتے تھے۔

۱۸۵٦ئی کی ابتدا میں پادری نیوٹن لدھیانہ کے ضلع کے مختلف گاؤں میں انجیل کا جانفزا پیغام دیتا گیا۔پھر وہ لاہور گیا اوراپنے خاندان کومسز فورمن کے پاس چھوڑکر اورپادری بارنس Rev. Barnes اورپادری لونتال Rev. Lowenthall کوساتھ لے کر اردگرد کے گاؤں میں چلا گیا تاکہ اُن نوجوان مشنریوں کوتبلیغی کام کرنے کا سبق دے۔پادری فورمن اِن دنوں ایك پُرانی مسجد میں رہتے تھے۔ اس زمانہ میں لاہور شہر کے مشرق کی جانب کھنڈرات پڑے تھے جن میں سے چند پادری فورمن نے خرید لئے تھے۔ یہ مسجد اُن کھنڈرات میں سے ایك تھی۔ جب ریلوے نے یہ زمین مشن سے مبلغ سترہ ہزارروپیہ کے عوض خریدلی۔ تومشن نے موجودہ مشن احاطہ خریدلیا۔

اس سال پادری نیوٹن سباتوسے جوالامکھی کے میلہ پر گیا۔ اِن دنوں مشنری میلوں میں جاکر انجیل جلیل کی منادی کیاکرتے تھے۔ پادری فورمن بھی لاہورسے اس میلہ میں گیا۔

فورمن کہتا تھاکہ جس طرح ایامِ فساد میں دہلی کی فصیل پر مفسدوں کا جھنڈا اُتارنے کے لئے اورفساد فروکرنے کے لئے ہزاروں جانیں تلف ہوئیں اورلاکھوں روپیہ ضائع ہوئے اسی طرح ہندوستان میں شیطان کا جھنڈا اُتارنے

کےلئے اورمسیح کا جھنڈا گاڑنے کے لئے بھی ہزاروں جانوں اورلاکھوں روپوں کاکام آنا ضروری ہے۔

جولائی ۱۸۵۵ئی میں فورمن نے پادری جان نیوٹن کی سب سے بڑی لڑکی مارگریٹ کے ساتھ بیاہ کیا۔ ان کا گھر مہمان نوازی کے لئے مشہورتھا۔ اس وقت فورمین ۳۵ برس کا اوراس کی بیوی بیس برس کی عمر کی تھی۔

۱۸۶۲ئی میں کالج قائم ہوا اورفورمین نے نہایت سرگرمی اورجوش سے اس کوشروع کیا۔

لاہور کے انگریز مسیحی امریکن مشن کوفراخدلی سے چندہ دیتے تھے۔ اُن کا سالانہ چندہ چاراورپانچ ہزارروپیہ ہوتا تھا۔ مسٹر بریندڑتھ (Brandreth) کئی سال تک رنگ محل سکول کے لئے یک صدروپیہ سالانہ دیتا رہا اورجب کالج کھلا تویک صدروپیہ ماہوار اُس کےلئے بھی دیتا رہا۔ یہ شخص چیف کورٹ کا جج تھا۔

۱۸۶۴ئی میں پادری فورمین کے پاس ایک بڑا سکول ۲۰ برانچ سکول اورایک نائٹ سکول تھے جن میں ۱۸۰۰طلباپڑھتے تھے۔ اسی سال گورنمنٹ کالج قائم ہوا اوراسی سال مشن کالج کھولا گیا۔ ڈاکٹر کے۔سی۔ چیٹرجی۔ پادری ڈبلیو جےموریسین پادری جان نیوٹن اورپادری سی ۔ بی نیوٹن کالج کے ابتدائی سالوں میں کالج کے پروفیسر تھے۔ ان دنوں میں لاہورکی آب وہوا صحت کے لئے بڑی مضر تھی اورطلبائی اکثر بیماری کی وجہ سے غیر حاضر رہتے تھے۔ ۱۸۶۶ئی میں مشن سکول کے تین لڑکے مسیحی ہوگئے۔ لاہور کے باشندوں میں سے یہ پہلے پہل تھے ۔ پادری پی ۔سی اُپل اُن میں سے ایک تھا۔ اس پر لاہور شہر میں بڑا شوروغوغا ہوا۔ کالج کے طلبائی نے پڑھنا چھوڑ دیا اورکالج میں صرف سات طلبائی رہ گئے۔ ہندو، مسلمان ہزاروں کی تعداد میں مشن احاطہ میں جمع ہوگئے۔ لیکن اس جوش وخروش کے باوجود پادری فورمن ذرا نہ گھبرایا بلکہ نہایت اطمینان قلب سے یہ لمبا چوڑا جوان پادری اِدھر اُدھر ہجوم کے درمیان آتا جاتا رہا۔ اورہر طرف مسکراتا ہوا نکل جاتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہواکہ جوش وخروش نہایت آسانی سے فرد ہوگیا۔

فورمن کی صحت گوبہت اچھی تھی لیکن وہ اس قدرکام کی تاب نہ لاسکی۔ ۱۸۶۷ئی میں اُنیس سال کے بعد پہلی دفعہ

امریکہ رخصت پرگیا۔ ۱۸۶۹ئی میں خبرآئی کہ مسٹرہنری جوفورمن کی جگہ کالج کا پرنسپل ہوا تھا بعارضہ ہیضہ راہئی ملکِ عدم ہوگیا ہے۔ پس فورمن نے واپس آنے کی تیاری کی۔ اُس کے اس وقت سات بچے تھے جن میں سے چارکو وہ امریکہ چھوڑآیا۔ اُس کی بیوی نے ان چاربچوں میں سے تین کوپھر کبھی نہ دیکھا۔ کیونکہ وہ ۱۸۷۸ئی اپنے منجئی کے پاس چلی گئی۔ دوسال کے بعد فورمن نوماہ کے لئے دوسری دفعہ رخصت پرگیا اورواپس آکر ۱۸۸۲ئی میں اُس نے دوسری شادی کرلی۔

جب فورمن ۷۳ سال کا ہوا تو وہ ۱۸۹۴ئی میں موسم گرما کاٹنے کے لئے کسولی گیا۔ وہاں وہ بیمار ہوگیا۔ لیکن ان آخری ایام میں بھی پادری فورمن منادی کے کام میں منہمک تھا۔ اُس کا خیال تھاکہ چونکہ وہ کمزوری کی وجہ سے بہت نہ چل سکیگا۔ وہ کسولی سے لاہور جاتے ہی ایک رکشا بنوائیگا تاکہ اُس میں بیٹھ کر شہر جائے اورہینڈبل اورٹریکٹ تقسیم کیا کرے۔ اسی آخری بیماری کے ایام میں جب وہ تھوڑا بہت چلنے کے قابل ہوا تواُس نے اپنی کتاب تیغ وسپر عیسوی کی نظرثانی شروع کی۔

اُس کی طبعیت اچانک خراب ہوگئی ۔ اُس کے بیٹوں اوربیٹیوں کو بذریعہ تاربُلایا گیا۔ اوروہ اُس کی وفات سے پہلے پہنچ گئے۔

پادری فورمن سوموار کے روز ۲۷اگست کے دن اپنے منجئی کے پاس چلاگیا۔۔۔۔۔فورمن کو لاہور سے بڑی محبت تھی۔ وہ کہا کرتا تھا مجھے لاہورکی خاک سے بھی محبت ہے۔ کاش کہ میرا بدن اسی خاک کے سپرد ہو۔ پس اس کی لاش کسولی سے جمعرات کے روز ۳بجے بعدازدوپہر لاہورلائی گئی۔ لاہور کےاسٹیشن پر ہزاروں کا اجتماع تھا۔ وہاں سے اُس کو کندھوں پر اٹھا کر مشن احاطہ میں لے آئے۔ گرجا گھر میں جنازہ کی نمازپڑھی گئی اورمرحوم کی یادگارمیں چند تقریریں ہوئیں۔ہزاروں ہندو،مسلمان، بوڑھے اورجوان حاضر تھے جن کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ ہندوؤں اورمسلمانوں نے اُس کی لاش کو کندھوں پراٹھاکر قبرستان پہنچایا۔ لاہور کے غیر مسیحیوں نے بڑے زور سے درخواست کی کہ لاش

شہر کے بازاروں میں سے ہوکر قبرستان جائے۔ ہزاروں کی ہجوم اُس بات کی گواہ تھی کہ چارلس ولیم فورمن زندگی بھر اپنے منجئی کا وفادار خادم رہا ہے۔

پینتالیس سال پہلے جب فورمن لاہورآیا تھا تووہ اجنبیوں کے درمیان ایک اجنبی تھا۔ جس کی زبان، طرزِرہائش اورمذہب سے لوگ ناواقف تھے ۔ نہ کوئی مسیحی کلیسیا تھی نہ کوئی مشن سکول تھا لیکن اُس کی وفات کے وقت ایک زبردست کلیسیا قائم تھی۔ مشن سکول، کالج اورشفا خانے تھے اوراُس کے ہزاروں طلبا پنجاب بھر میں تھے۔

فورمن کالج کی طفیل ہزاروں اشخاص تعلیم پاگئے۔ پنجاب کے مختلف محکمہ جات کے سربرآہ اوراصحاب پادری فورمن کے شاگرد تھے جو اُس کی بے ریا زندگی سے متاثرہوئے ۔ ہزاروں نے انجیل جلیل کا جانفزا پیغام سنا۔ مشکل سے کوئی سفید پوش تعلیم یافتہ شخص ایسا ہوگا جس سے فورمن واقف نہ تھا۔ راہ میں جب وہ کسی سے ملتا توملاقات کے لئے ہمیشہ ٹھہرجاتا اورہرایک سے اُس کے کام کاج خاندان وغیرہ کی نسبت سوال کرتا۔اس زمانہ میں وہی ایک شخص تھا جس نے سب سے زیادہ پنجاب کوسدھارا تھا۔ جو شخص فورمن کوایک دفعہ لیتا اُس کا یہی جی کرتاکہ اُس کودوبارہ ملے۔ وہ قدمیں چھ فٹ سے زیادہ لمبا اورچوڑا تھا۔ اُس کی سفید داڑھی چھاتی سے نیچے لٹکتی تھی۔ اُس کی نیکی آنکھیں اورکشادہ پیشانی نہایت خوش نما تھی۔ اُس کی یادگار میں لاہوری دروازہ کے نزدیک جہاں وہ انجیل جلیل کی منادی کیاکرتا تھا فورمن چیپل بنوایا گیا۔

پادری رابرٹ کلارک

REV. ROBERT CLARK

1825-1900

پادری رابرٹ کلارک پادری ہنری کلارک(Henry Clark) کا بیٹا تھا۔ اُس کی ماں انگلستان کے ایک قدیم اورمعزز خاندان کی لڑکی تھی۔ وہ ۴جولائی ۱۸۲۵ئی کے روز ہارمسٹن (Harmston) میں پیدا ہوا۔ اُس کے چاربھائی اورتین بہنیں تھیں۔

رابرٹ لڑکپن ہی سے تمام خاندان میں ہوشیاراورذہین خیال کیا جاتا تھا۔ اُس کی صحت بہت اچھی تھی اوراُس کوکھیلوں کا بڑا شوق تھا۔ لڑکپن ہی سے وہ خدا کے خوف میں بڑھتا گیا۔ لیکن اُس کومشنری بننے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب وہ لڑکا ہی تھا وہ اپنے والدین کے ساتھ سی ۔ ایم۔ ایس کے ایک جلسہ سے واپس آرہا تھا۔ راہ میں اُس کے باپ نے اپنی بیوی کو کہا کہ اگرمیرے بیٹے مشنری خدمت کرنا چاہیں تومیں خوشی سے سب کو اجازت دے دونگا۔ رابرٹ نے یہ سن کر جواب دیاکہ میں اُن بیٹوں میں سے نہیں ہوگا کیونکہ نہ تومیں قسیس بننا چاہتاہوں اورنہ مشنری۔

جب رابرٹ جوان ہوا تو اُس کو تجارت کرنے کا شوق ہوا۔اُس کے والدین نے اُس کو جرمنی بھیجاتاکہ تجارت کی تعلیم حاصل کرے۔ ۱۸۴۲ئی میں واپس انگلستان آیا تولورپول(Liverpool) ایک بڑے تاجر کے ہاں ملازم ہوگیا۔ اورنہایت کامیابی سے کام چلاتا رہا۔ انہی دنوں میں اُس کو خدا کی نزدیکی زیادہ حاصل ہوتی ہوگئی اورخدا کی رضا اُس کی نصب العین ہوگئی۔ اس قربت اوررفاقت کی وجہ سے اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ تجارت کوچھوڑکر خدا کا کام کریگا۔ پس اُس کے والدین نے اُس کوکیمبرج یونیورسٹی میں تحصیل علم کے لئے بھیجا۔ وہ ۱۸۴۷ئی میں ٹرنٹی کالج کیمبرج میں داخل ہوگیا ۱۸۵۰ئی میں اُس نے بی۔ اے پاس کیا اورفہرست میں وہ اٹھائیسواں " رینگلر"(Wrangler) تھا۔

اپریل ۱۸۵۰ئی میں اُس نے والدین کولکھا کہ میں مشنری بننا چاہتاہوں۔ جب اُنہوں نے اجازت دے دی تواُس نے سی ۔ ایم۔ ایس کے ساتھ خط وکتابت شروع کردی۔ ان دنوں انگریز وں نے پنجاب پر نیا نیا قبضہ جمایا تھا اورمسیح کی انجیل کے سپاہیوں کی یہاں سخت ضرورت تھی پس چرچ مشنری سوسائٹی نے رابرٹ کلارک اورپادری ٹامس ہنری فٹز پیٹرک (Rev.Thomas Henry Fitzpatrick) اوراُس کی بیوی کو پنجاب کے پہلے مشنری مقررکیا۔ روانہ ہونے سے پہلے الوادعی جلسے پر ڈاکٹر فینڈراُن کو ہدایات دیں۔ وہ ۲۹ اگست ۱۸۵۱ئی کوہندوستان کے لئے براہ راس امید روانہ ہوا اور ۴ جنوری ۱۸۵۲ ئی کو کلکتہ پہنچا۔ اوردوہزارمیل کے قریب کشتیوں، ڈولیوں، بیل گاڑیوں میں سفر کرتا ہوا اپریل میں امرت سرپہنچ گیا۔

۲

سکھوں کے عہدِ حکومت میں برطانوی مقبوضات کی سرحد لودھیانہ تھی۔ ۱۸۳۶ئی سے اس شہر میں امریکن پرسبٹئیرئین مشن کے مشنری رہائش پذیر تھے۔ جب ۱۸۴۹ئی میں پنجاب فتح ہوا تو پادری نیوٹن اورپادری فورمن پادری گولگ ناتھ کے ساتھ پنجاب میں داخل ہوئے اوراُنہوں نے پنجاب میں مشنری کام شروع کیا۔

پنجاب کےبعض انگریز حاکم چاہتے تھے کہ چرچ مشنری سوسائٹی پنجاب میں انجیل جلیل کا پیغام سنانے کےلئے مشنری روانہ کرے۔لیکن بعض حکام ایسے بھی تھے جو کہتے تھے کہ ایسا کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے اور سلطنت کے قیام کیلئے یہی بہتر ہے کہ اُس ملک میں کسی مشنری کا قدم نہ آئے۔ لیکن دیندار اودُوربین حُکام کی رائے غالب آئی اوراُنہوں نے سی ۔ ایم۔ ایس سے درخواست کی کہ کسی مشنری کوبھیجا جائے۔پرسبٹیرئین مشنریوں نے بھی دعوت دی۔ کہ سی۔ ایم۔ ایس کے مشنری پنجاب میں اُن کے ہمخدمت ہوں ایک صاحب نے دریا دلی سے اس شرط پر روپیہ دیاکہ مشنری یکم مارچ ۱۸۵۲ئی تک پنجاب میں پہنچ جائیں۔ پادری نیوٹن نے بڑی فیاض دلی سے اس شرط کی اطلاع سی ۔ ایم ۔ ایس کو دی اورلکھا کہ پنجاب میں مشنری روانہ کرنے میں دیرنہ کریں۔

جب رابرٹ کلارک امرتسر پہنچا توپادری فٹزپیٹرک اوراُس کی بیوی نے (جوامرتسر میں پہلے مقیم تھے) اورہنری لارنس اور جان لارنس (Henry Lawrence & John Lawrence) (جوپنجاب کے حُکامِ اعلیٰ تھے) اس کا بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا۔

ان دنوں میں امرتسر میں کوئی ایسا گھر نہ تھا جس میں یورپین رہ سکے۔رام باغ میں ایک چھوٹا گھر تھا جومہاراجہ رنجیت سنگھ نے بنوایا تھا اس میں رابرٹ کلارک نے سکونت اختیارکی۔ پنجاب کی مذہبی تاریخ میں یہ گھرایک دائمی یادگار رہیگا کیونکہ اسی گھر میں رابرٹ کلارک نے پنجاب مشن کے متعلق تجاویزسوچیں۔اس کے ارد گرد وہ لوگ بستے تھے جن کی زبان، طریق معاشرت سے اورجن کے مذاہب سے وہ ناآشانہ تھا۔ دورِحاضرہ میں پردیسیوں کے لئے زبان کی تحصیل کے لئے قواعد اورلغات ہیں لیکن اُس زمانہ میں یہ چیزیں موجود نہ تھیں۔

پنجاب کے مسیحیوں نے مشنریوں کی بڑی مدد کی۔انگریز مسیحیوں نے فراخدلی سے چندہ دیا اورعمارتیں کھڑی کردیں۔ ہندوستانی مسیحی مشنریوں کے تبلیغی کام میں ہمخدمت ہوگئے۔ اُن میں سے ایک پادری عماد الدین تھے اوردوسرے داؤد سنگھ تھے۔ داؤد سنگھ پہلا سکھ تھا جس نے مسیحی دین اختیارکیا۔ وہ ایک فقیر تھاجوپھرتا پھرتا کانپورچلا گیا تھا اوروہاں اُس نے ایس ۔ پی ۔ جی کے مشنریوں سے انجیل جلیل کا پیغام سن کر مسٹرپرکنس کے ہاتھوں بپتسمہ پایا تھا۔ کانپور والوں نے خوشی سے اُس کورابرٹ کلارک کودے دیا تاکہ وہ اپنے ہم وطنوں کوانجیل کا جانفزا پیغام سنائے۔ ایک اورداؤد سنگھ تھا جوہندوستان کا رہنے والا تھا ، یہ شخص انگریزوں کے خلاف مہاراجہ کی فوج میں لڑتا رہا۔ اُس نے بنارس میں ستمبر ۱۸۵۰ئی میں بپتسمہ پایا۔ یہ تینوں ہندوستانی کلارک کے مددگارتھے۔

اپریل ۱۸۵۲ئی میں رابرٹ کلارک نے امر تسر شہر میں ایک سکول کھولا جس میں پہلے دن پچاس طالب علم داخل ہوگئے۔ ان طلبا میں پنجابی ، افغان، ہندوستانی۔ کشمیری ، ہندو، سکھ اورمسلمان تھے۔ طلبائی کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی۔سکول شروع ہونے سے پہلے روزانہ کتابِ مقدس کی تعلیم

دی جاتی تھی۔ ان طلبائی کے ذریعہ انجیل جلیل کا پیغام امرتسر کے باشندوں میں پھیلنے لگا۔

۲۰ اکتوبر ۱۸۵۲ئ کے روز امرتسر کے بازار میں پہلی دفعہ انجیل کا نجات بخش پیغام رابرٹ کلارک نے پنجابی زبان میں سنایا ۱۸۵۲ئ میں شہر کی فصیل کے باہر ایک بڑا قطعہ بنجر زمین کا نہایت کم قیمت پر خریدا گیا جہاں روزروشن میں لوگ ڈاکوؤں کے خوف کے مارے نہیں جاتے تھے۔ وہاں گھر بنائے گئے اورباغ لگائے گئے اور ۱۸۵۳ئ کے شروع میں اس قطعہ زمین میں رابرٹ کلارک نے بڑکا مشہوردرخت لگایا جوآج تک امرتسر کے آرچ ڈیکن کے احاطہ میں کھڑا ہے۔

امرتسر کو مرکزی مقام بناکر مشنری اصحاب ارد گرد کے شہروں، قصبوں اورگاؤں میں (جودریائے ستلج اورپشاور کے درمیان واقع ہیں) دورہ کرکے انجیل جلیل کا پیغام لوگوں کو سنانے لگے۔ وہ اناجیل کو تقسیم کرتے اوردیگر مذہبی کتُب کوفروخت کرتے تھے۔

پہلا شخص جوامرتسر میں مسیحی ہوا ایک سکھ گیانی تھا جس کا نام کیسر سنگھ تھا۔ ۳ جولائی ۱۸۵۳ئ کے روز اُس نے بپتسمہ پایا۔ اُس کا نام شمعون رکھا گیا ۔ وہ امرتسر کے نزدیک ایک گوردوارہ کا گیانی تھا۔ اُسنے اپنے گھر بار، کام وغیرہ کومسیح کی خاطر چھوڑدیا۔ ان دنوں میں نہ کوئی عیسائیوں کا گرجا تھا اورنہ عیسائی جماعت تھی۔ وہ تمام پنجاب میں اکیلا ہندوستانی عیسائی تھا۔ اس کے بعد اسکول کے طلبائی عیسائی ہونے شروع ہوئے۔ ایک ماہ کے بعد ایک برہمن طالب علم عیسائی ہوگیا۔ ایک اورماہ کے بعد ایک سکھ اور ایک ہندوطالب علم مسیحی کلیسیا میں شریک ہوگئے۔ سال کے ختم ہونے پر مولوی عزیز اللہ بیگ عیسائی ہوگیا۔ یہ شخص مغل تھا اورشاہانِ دہلی کے اتالیق کا بیٹا تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں وہ حافظِ قرآن تھا اوراس وقت وہ صرف تیس سال کا تھالیکن اسلامی الہٰیات کا عالم تھا۔ وہ پادری فٹزپیٹرک کوزبان سکھانے کے لئے امرتسر آیا تھا۔ اوراعتراضات کرنے کی خاطرکتابِ مقدس کا مطالعہ کرنے لگا لیکن مسیحی تعلیم نے اُس کے دل میں گھر کرلیا۔ تثلیث فی التوحید کا مسئلہ نہ سمجھنے کی وجہ سے وہ دیر تک مسلمان رہا لیکن آخرخدا کی مرضی کو مقدم جان کروہ مسیحی کلیسیا میں داخل ہوگیا۔ اس

پر امرتسر شہر میں بڑا شوراورغوغا مچلہ لوگ اعتراض کرنے کی خاطر انجیل شریف کا مطالعہ کرنے لگے اورمولوی صاحب کا گھر ہر وقت معترضین کے ہجوم سے بھرا رہتا۔مولوی صاحب مرحوم بازاری منادی بھی کرتے اوراعتراضات کی بھر مار سے اپنے مخالفین کا ناک میں دم کردیتے۔ شہر میں سخت مخالفت شروع ہوگئی۔طلبا کو لوگ لعن طعن کرتے تھے تاکہ وہ کسی طرح سکول چھوڑ دیں۔ مشنریوں کواورمسیحی واعظین کو غلیظ گالیاں دی جاتیں۔ایک دفعہ کشمیری مسلمانوں نے ایک واعظ کوخوب پیٹا جوفرطِ جوش میں کسی جگہ اکیلا واعظ کررہا تھا۔ لیکن کلیسیااُن رکاوٹوں کے باوجود دن دُگنی اوررات چوگنی ترقی کرتی گئی۔پنجاب کے مختلف شہروں میں انجیل کی منادی ہوتی ہوگئی۔ سیالکوٹ سے جوپنجاب کا تیسرا شہر ہے درخواست آئی اوروہاں کے یورپین اصحاب نے ڈیڑھ سوروپیہ ماہوار دینے کا وعدہ کیا۔ راولپنڈی سے خبرآئی کہ وہاں کے پچاس سکھ اورہندوایک ٹریکٹ پڑھ کر اپنے مذہب کی بطالت دیکھ کر اپنے مذاہب سے بیزار ہوگئے ہیں۔پنجاب کے شہروں میں خدا کے کلام کا بیج سکھوں، ہندوؤں اورمسلمانوں میں سے سوگنا،ساٹھ گنا اورتیس گنا پھل لانے لگا۔

۳

سکھ مذہب کے حصین قلعہ یعنی امرتسر میں جب صلیب کا علم لہرانے لگا تواسلام کے حصین قلعہ یعنی پشاور سے دعوت آئی کہ صلیب کے علمبرداروہاں جائیں۔

جب ۱۸۳۹ئی کی خوفناک لڑائی کے بعد انگریز کابل میں داخل ہوئے تو اُس سال کپتان رچرڈ ربین (Richard Rabon) اوردیگر فوجی افسروں نے یہ تحریک شروع کی کہ چرچ مشنری سوسائٹی کابل اورقندھار میں انجیل جلیل کی خدمت کا کام شروع کرے ۔لیکن برطانوی حکومت نے اس بات کی سخت مخالفت کی یہاں تک کہ انجیلیں جواس غرض سے افغانستان روانہ کی گئی تھیں واپس ہندوستان بھیجی گئیں۔لیکن خداکی قدرت کا عجیب کرشمہ دیکھو کہ جوقافلہ انجیلوں کوواپس لا رہا تھا وہ لوٹا گیا اورانجیلیں افغانستان ہی محفوظ رہیں۔

جب ۱۸۴۹ئی میں انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کرلیا توپشاور میں انگریزی افواج سکونت گزیں ہوگئیں۔ ان افواج

کے افسر دیندار اورخدا پرست لوگ تھے اوربہت چاہتے تھے کہ انجیل کا نجات بخش پیغام افغانوں کوسنایا جائے۔لیکن ان دنوں میں کرنیل میکی سن (Col. Mackeson) سرحد کا چیف کمشنر تھا۔ اُس نے یہ ٹھان لی کہ کسی مشنری کودریائے سندھ کے پارنہ آنے دے۔ ایک دفعہ جب اُس نے امرتسر مشن کیلئے چندہ دیا توساتھ ہی لکھ بھیجا کہ" اس موقعہ پر میں آپ کو سرکاری طورپر یہ اطلاع دیتاہوں کہ سیاسی وجوہ کے سبب میں اس بات کا مخالف رہونگاکہ کوئی مشنری دریائے سندھ کوپارکرے"۔ اس کے چند ہفتے بعدکرنیل میکی سن اپنے گھر کے برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک پٹھان نے باریابی کی درخواست کی اورعرضی پیش کرتے وقت اُس کے پیٹ میں چھُرا بھونک دیا۔

اس مقام پر انگریزی گورنمنٹ اورمشنوں کے باہمی تعلقات کا ذکر خالی ازفائدہ نہ ہوگا۔ اس گورنمنٹ کی پالیسی بالعموم مشنوں کے قیام اورمسیحیت کی اشاعت کے خلاف تھی۔ اس کا مقصد زراور غلبہ طاقت کا حصول تھا اوراس مقصد کوحاصل کرنے کی خاطر اس کے ملازمین اورافسر ہرقسم کے جائز اورناجائز وسائل بیدریغ استعمال کرتے تھے اورچونکہ یہ ناجائز طریقے مسیحی اصول کے خلاف تھے بعض دلیر جوشیلے مشنری گورنمنٹ کے خلاف بولنے سے نہ چوکتے تھے۔ مثلاً پنجاب مشن نیوز کا ایڈیٹر (ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک) ایک موقعہ پر لکھتا ہے " اس ملک میں ایک نام نہاد مسیحی گورنمنٹ کا وطیرہ جواُس نے مشنوں کے ساتھ روا رکھا ہوا ہے ہرسچے مسیحی کیلئے نہایت رنج دہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جس طرح مخزن مسیحی کہتا ہے اس مخالفت کی جڑ گورنمنٹ کا غیر مسیحی رویہ ہے۔ چنانچہ الہ آباد مشنری کانفرنس میں ایک تقریر کے دوران میں پادری بیٹ نے گورنمنٹ کی مذمت کی کہ اس نے ہندوستان میں آبکاری کا محکمہ ، افیون کی تجارت، ہندوستان کے غربا کوغیر ممالک میں مزدوربھرتی کراکے اُن کو غلامی کی زنجیروں میں مقید کرنا وغیرہ وغیرہ روا رکھا ہے۔ دیگر مشنریوں نے بھی اس جلسہ میں گورنمنٹ کی مذمت کی بلکہ ایک نے تو اس کواسلامی گورنمنٹ کہہ دیا" (۱۵دسمبر۱۸۸۸ئی)۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ گورنمنٹ درپردہ مسیحیت کی حامی ہے لیکن آگے چل کر ہم بتلائینگے کہ یہ محض خام خیالی ہے۔ ڈاکٹرہنری مارٹن کلارک ایک اورجگہ لکھتا ہے: جوطلباگورنمنٹ کے تعلیمی اداروں میں پڑھتے ہیں اُن کیلئے کتابِ مقدس ایک سربمہر کتاب ہے۔ اُن کو سائنس، فلسفہ ، ریاضی وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن جوکتاب اُن کے اورقوم کے اخلاق کوسدھارنے والی ہے اُن سے اُن کو محروم رکھا جاتا ہے حالانکہ جاپان کی گورنمنٹ نے انجیل کو پڑھانا تمام سکولوں میں جبریہ کردیاہواہے۔ اگرمذہبی نکتہ نظرکو بالائے طاق رکھا جائے توبھی کتابِ مقدس کی زبان اعلیٰ ترین قسم کی ٹکسالی زبان ہے اورملک کے اخلاق کوبھی بلند کرنے والی ہے (۱۵دسمبر۱۸۸۸ئ)۔

حق تویہ ہے کہ ۱۸۵۷ئ کے فسادات کی ذمہ داری برطانوی گورنمنٹ کی وہ غاضبانہ پالیسی تھی جس کی وجہ سے انگریز مختلف ہندوستانی آزاد خود مختار ریاستوں کویکے بعد دیگر ہڑپ کرتے چلے جارہے تھے۔ جس برطانوی گورنمنٹ کے سفیر شہنشاہ اکبر کے دربارمیں ڈیڑھ سوسال پہلے بیم ورجا کی حالت میں دست بستہ کھڑے رہتے تھے اب اُسی گورنمنٹ کے افسر مغل شہنشاہ کوکٹھ پتھلی بناکر رکھتے تھے۔ جو شے بھی اُن کے اقتدارکی راہ میں حائل ہوئی تھی اُس کو بے دریغ پاؤں تلے پامال کردیتے تھے۔

جب کرنیل میکی سن مارا گیا تواُس کے بعدسر ہربرٹ ایڈورڈز (Sir Herbert Edwards) سرحد کا چیف کمشنر مقرر ہوا۔جب خدا ترس انگریز افسر اُس کے پاس یہ درخواست لے کر گئے کہ مشنریوں کوسندھ پارسرحد میں تبلیغ کرنے کی اجازت دے دی جائے تواُس نے جواب دیا" سرحد میں مشن قائم کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ جب ہم ہندوؤں اورمسلمانوں کواجازت دیتے ہیں کہ وہ بغیر کسی روک ٹوک کے اپنے مذاہب کی رسوم ادا کریں توسرکار مسیحیوں کونہیں روک سکتی کیونکہ ہر مسیحی کا فرض ہے کہ مسیحی کی انجیل کی منادی کرے"۔ تمام ہندوستان میں یہ پہلا موقع تھاکہ ایک ذمہ دار انگریز افسر نے ایسا اعلان کیا۔ درخواست کنندگان انگریز افسر خدا کا شکر بجالائے اوراُنہوں نے رابرٹ کلارک سے درخواست کی کہ وہ پشاورآکر افغانوں

میں مسیحی کام کو شروع کرنے کے سوال پر تقریر کرے۔ اس درخواست کے جواب میں انجیل کا عَلم بردار ابرٹ کلارک پہلا شخص تھا جس نے دریائے سندھ کو پار کیا۔ وہ ۲نومبر ۱۸۵۲ئی کو امرتسر سے روانہ ہوکر اوائل ماہ دسمبر میں پشاور پہنچا جہاں اُس نے اپنی آنکھوں سے کرنیل میکی سن کے خون کے نشان اُس کے گھر کے برآمدے میں دیکھے۔ ۱۲دسمبر کو اُس نے انگریزی گرجا میں وعظ کیا۔ چندہ جواٹھارہ سوروپیہ کے قریب تھا افغان مشن کے لئے دے دیا گیا۔

تین دن کے بعد ایک پبلک جلسہ کیا گیا جس میں ہربرٹ ایڈورڈز نے کہا" وہ شخص نہایت تنگ خیال ہے جویہ سوچتا ہے کہ خدا نے ہم کو ہندوستان جیسا بڑا ملک اس غرض کے لئے دیا ہے کہ انگریز اس سے صرف اقتصادی اورمالی فائدہ حاصل کریں اوراپنے خاندانوں کویہاں سے روپیہ بھیجیں اوراپنے غریب رشتہ داروں کواِس ملک میں نوکریاں دیں۔ اگرخدا اس جہان کامالک نہ ہوتا تویہ بات درست اورصحیح ہوتی کیونکہ اگرانگلستان بھی دیگر ممالک کی طرح اپنی طاقت اورخودغرضی پرچھوڑدیا جاتا تو جواُس کو ملتا وہ لے لیتا۔لیکن فتح اورشکست اس جہان کے خالق کے ہاتھوں میں ہے اور سلطنتیں اُس کی مرضی کوپورا کرنے کیلئے پیدا ہوتی ہیں۔اگرچہ ہم اپنے اندھے پن کی وجہ سے یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہماری خواہشات پوری کرنے کیلئے قائم ہوتی ہیں۔ کیا خدا کی صرف یہی مرضی ہے کہ ہم صرف ورنیکلر تعلیم دیں۔ ٹیکس وصول کریں، پُل بنائیں ، نہریں کھودیں۔ تجارت کریں اورریل یاتارہندوستان میں قائم کریں؟ کیا خدا کی طرف سے اس سے بہتر کوئی نصب العین ہمارے سامنے نہیں؟ خدا کے ارادے ازلی ہیں اورخدا نے اپنے ازلی ارادہ کے مطابق ممالکِ مشرق کو ہمارے سپر انسانوں کی روحوں کی خاطر کیا ہے۔ اورصرف ان کے بدتوں کی خاطر نہیں کیا ہے۔ اب یہ مقصد کس طرح پورا ہوسکتا ہے؟ فوج اور ایذارسانی کی مدد سے؟ محمود غزنوی کی طرح مندرڈھانے سے یا رنجیت سنگھ کی طرح مسجدوں میں مسلمانوں کے خون کی نالیاں بہانے سے؟ یہ ظاہر ہے کہ ہم ایسے وحشیانہ ذرائع استعمال نہیں کرسکتے۔ گورنمنٹ مذہبی معاملات میں غیر جانبدار ہے پس عیسائیوں کا فرض ہے کہ وہ ہندوستان میں بشارت دینے کے

کام کو انجام دیں۔ ہر مسیحی کا یہ ذمہ ہے کہ وہ اُس کام کوسرانجام دے۔ یہ ملک اسلامی تعصب سے معمور ہے اوراس جذبہ کی وجہ سے ہماری آنکھوں کے سامنے خون کئے گئے ہیں لہذا انسانی عقل کہتی ہے کہ دوسرے شہروں کی نسبت اس جگہ بڑی مخالفت کا سامنا کرنا پڑیگا۔ لیکن میرے خیال میں یہ بات نہیں ہوگی۔ انجیل کا صُلح بخش پیغام اپنا اثرکئے بغیرنہیں رہیگا۔ پس میں صاف کہتا ہوں کہ اس جگہ عیسائی مشن کے قائم ہونے سے نقصِ امن کا کوئی اندیشہ نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہم کودانش مندی سے کام لینا ہوگا اورصرف بیدار مغز مشنری ہی اس جگہ کام کرسکینگے۔ جہاں مندروں میں سنکھ اورگھنٹیوں کی آوازسنائی دیتی ہے اور مسجدوں میں اذان سنائی دیتی ہے اورگورنمنٹ ان کی حفاظت کرتی ہے وہاں وہ عیسائی مشنری کی بھی جوانجیل کی منادی کریگا حفاظت کی ذمہ دارہوگی۔ ہم کویادرکھنا چاہیے کہ اگرہم اپنے فرض کو انجام دینگے اورخدا کی مرضی کو پورا کرینگے تووہ خودہماری حفاظت کریگا اورہم کو برکت دیگا۔

اس جلسہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیس ہزا رروپیہ جمع ہوگئے۔ گواس مجمع میں بعض ایسے بھی تھے جو کہتے تھے کہ بغیر فوج کی مدد کے مشن کا قائم ہونا محال ہے۔ ایک شخص نے ایک روپیہ چندہ دیا اورمذاقیہ طورپر لکھا " میں ایک روپیہ چندہ اس غرض سے دیتا ہوں کہ مشنری کی حفاظت کے لئے ایک ریوالورخریدا جائے۔ خدا کی قدرت دیکھئے۔۔ ۱۸۵۷ئ کے فساد کے ایام سے پہلے وہ پشاور جیسے پُر آشوب مقام سے میرٹھ جیسی پراُمن جگہ میں تبدیل کیا گیا۔ اوروہاں وہ پہلا شخص تھا جواپنی سپاہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ لیکن پشاور کے مشنریوں کوبال بھی بیکا نہ ہوا۔

۴

اس اثنائی میں امرت سر کی کلیسیا بڑھتی گئی اوراُس سال پادری جے(W. Jay) نے مہاراجہ دلیپ سنگھ کوبپتسمہ دیا۔ اب تک ۲۳ لوگوں نے بپتسمہ پایا تھا۔ اب کلیسیا کی پاسبانی کا سوال پیدا ہوا۔ رابرٹ کلارک نہایت بیداز معزر اوردوراندیش شخص واقع ہوا تھا۔ اُس نے یہ بھانپ لیاکہ اگرمسیحیت نے اُس ملک میں پھیلنا ہے اورجڑپکڑنی ہے

تولازم ہے کہ مغربی طریقوں کوترک کیا جائے اور کلیسیا
ہندوستانی طریقے اختیارکرے۔آج کل یہ بات ہرایک کے دردِ
زبان ہے لیکن ۱۸۵۴ئی میں کسی اورشخص کویہ خیال نہ آیا
اورنہ کوئی اس بات کو قبول کرنے کی لئے تیارتھا کیونکہ یورپین
مشنری جوتجربہ کار تھے موجود تھے اورکلیسیا ابھی ابتدائی
منزل پر تھی لیکن رابرٹ کلارک کا خیال یہ تھا کہ مشنری
ہمیشہ کے لئے اُس ملک میں نہیں رہ سکتا۔ ہندوستانیوں کو
انجیل جلیل کا پیغام سنانا ہندوستانی مسیحیوں کا کام ہے۔
پس اُس نے پہلے سکھ نومرید داؤد سنگھ کوپاسٹر مقرر کیا
جوانگریزی ، عبرانی ، یونانی وغیرہ سے ناواقف تھا اورمغربی
نکتہ نظر سے بہت لکھا پڑھا شخص نہیں تھا۔ وہ لمبا چوڑا
شکیل سکھ جوان تھا جواپنے کام میں بڑا ہوشیارتجربہ کارتھا
اورسکھ مذہب سے بخوبی واقف تھا۔ یہ پہلا نومرید سکھ پہلا
پنجابی خادم الدین تھا جس کا تقرر کلکتہ کے بشپ نے ۲۹
اکتوبر ۱۸۵۴ئی کے روزآلہ آباد میں کیا۔

۱۸۵۴ئی کے موسم گرما میں امرت سر کے مشنری دُعا
میں مشغول ہوئے تاکہ معلوم کریں کہ آیا خدا کی مرضی ہے
کہ کشمیر میں صلیب کا پیغام پہنچایا جائے۔اس دعا کے
جواب میں ۲۰ اپریل کے روز رابرٹ کلارک کشمیر، لداخ،
اسکادو، مغربی تبت اورتبت خورد کا علاقہ دیکھنے کے لئے روانہ
ہوگیا تاکہ ان ممالک میں انجیل جلیل کا پیغام سنایا جائے اور
معلوم کرے کہ کن ذرائع سے ان ممالک میں کامیابی کے ساتھ
تبلیغ کا کام کیا جاسکیگا۔ اس سفر میں رابرٹ کلارک کے ساتھ
تین ہندوستانی مسیحی بھی تھے یعنی سلیمان، شمعون اور
یعقوب، سلیمان ایک مسیحی کارندہ تھا جوکانپور سے آیا تھا۔
شمعون کے ساتھ ہم ناظرین کا تعارف کراچکے ہیں۔ یعقوب
ایک نومرید تھا جوپہلے ذات کا برہمن تھا۔ کرنیل مارٹن جس
نے اس سفر کی تجویز پیش کی تھی کلارک کے ساتھ تھا۔ یہ
شخص پشاور میں ایک فوجی افسر تھا اوراب استعفیٰ دے کر
صلیب کا بہادر سپاہی بن گیا تھا۔ کلارک سیالکوٹ کی طرف
سے ہوتا ہوا راجوری اورپونچھ کے راستہ سے انجیل کی منادی
کرتا ۲۰ مئی کو کشمیر پہنچا۔ اُن دنوں مہاراجہ گلاب سنگھ

حکمران تھا۔ اُس نے بڑے تپاک سے کلارک کا خیر مقدم کیا۔ کلارک کا یہ اصول تھاکہ انجیل کے جانفزا پیغام کووہ پہلے حکام اورمعزز لوگوں میں پہنچاتا ۔ گوہ وہ ادنیٰ لوگوں کوبھی اس پیغام سے کبھی محروم نہیں رکھتا تھا۔ پس اُس نے مہاراجہ کے کان بھرنے شروع کئے تواُس نے جواب دیا" جانے بھی دو۔ میری رعایا ایسی بُری ہے کہ کوئی شخص ان کو زیادہ بُرا نہیں بناسکتا۔" کشمیر سے تبت تک کلارک منادی کرتا انجیلیں فروخت کرتا اورٹریکٹ اورکتب تقسیم کرتا گیا۔ وہ لوگوں کے گھروں کے اندر، باہر درختوں کےنیچے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں اورآبشاروں کے پاس بیٹھ کر لوگوں سے مذہبی گفتگو کرتا اورہندوؤں ،مسلمانوں اوربُدھ مت کے پیروؤں میں انجیل کا بیج بوتا گیا۔ اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ انجیل کے پیغام کا چرچا ہرطبقہ، ذات ، ملت، قوم اورقبیلہ کے افراد تک دُوردُور پہنچ جائے۔ حتیٰ المقدوروہ دیگر مذاہب کے عقائد پر حملہ کرنے سے پرہیز کرتا ۔ اوربحث مباحثہ میں نہ الجھتا تھا۔ وہ انجیل کا نجات بخش پیغام سناتا اور نتیجہ خدا کے ہاتھ چھوڑدیتا تھا۔ لداخ پہنچ کر اُس نے کاشفر اوریارقند کی نسبت استفسار کیاتاکہ معلوم کرسکے کہ وہاں انجیل کا پیغام کس طرح پہنچ سکتا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ سوائے یورپین لوگوں کے سب کوان شہروں میں جانے کی اجازت ہے کیونکہ وہاں کے بادشاہ کوخوف ہے کہ اگروہ اُس کے ملک میں آگھسے توملک پر قبضہ کئے بغیر نہ جائینگے۔ کلارک نے ایک تاجر کے ہاتھ وہاں کے مُلا کے لئے ایک فارسی عہدِ جدید کی جلد اورمیزان الحق کی جلد بھیجی۔

ان ممالک کی نسبت کلارک نے چرچ مشنری سوسائٹی کو لکھاکہ " مغربی تبت اوروسط تبت میں انجیل کی اشاعت کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں۔ ہاں لاسہ میں ضرور مشکلات درپیش ہونگی۔ پس ان حصوں میں فوراً مشن کو قائم کرنا چاہیے۔ ایک مشنری خاص تبت کے لئے ہونا چاہیے جووہاں ہمیشہ سکونت پذیر ہو جب تک کہ وہاں کی حکومت اُس کوباہر نہ نکالے۔ مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ انگریزی مشن صرف وہاں قائم ہوں جہاں انگریزی راج ہی ہو۔ ہم کوحکم ہے کہ ہم ہر جگہ انجیل کی منادی کریں"۔

اس سفر کا یہ نتیجہ ہواکہ کلارک نے یہ تجویز کی کہ انجیل جلیل کا پیغام پنجاب سے لے کر چین تک سنایا جائے اورپنجاب سے لے کر وسط ایشیا کی راہ چین تک مختلف مرکزوں میں مشنری رہائش اختیارکریں۔ کلارک کی تمام زندگی بھر یہ نصب العین ہمیشہ اُس کی نظر کے سامنے رہا۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے اُس نے کوشش کی کہ گورمکھی، پشتو، کشمیری اورتبتی زبانوں میں کتابِ مقدس کے ترجمے ہوجائیں۔

اس سفر کا دوسرا نتیجہ یہ ہواکہ کرنل مارٹن کی فیاضی سے مورلوین بردرین (Moravian Brethren) نے ہمالیہ کی وادی لاہول میں مغربی تبت مشن قائم کردیا۔

٦

۱۸۵۴ئی کے آخر میں چرچ مشنری سوسائٹی نے پشاور کے انگریزی افسروں کوجوواں کے لئے ایک مشنری کی درخواست کرتے تھے جواب دیاکہ ہم آگرہ سے فینڈر کواورامرتسر سے کلارک کو پشاور تبدیل کرکے بھیج رہے ہیں۔ کرنل مارٹن بھی چرچ مشنری سوسائٹی میں شامل ہوگیا۔

کلارک ۱۸۵۵ئی کے اوائل میں پشاور پہنچ گیا۔ وہ کہتا ہے " میں اس کو عزت اورفخر کی بات سمجھتا ہوں کیونکہ اب مجھے وہی رتبہ حاصل ہوا ہے جورسولوں کو حاصل تھا یعنی مسیح کے نام کی منادی اُن مقاموں میں کروں جہاں کوئی اورمبلغ نہیں پہنچا۔

پشاور مشن قائم ہوتے ہی یہ خیال پیداہواکہ کتابِ مقدس کا ترجمہ پشتو میں کرنا چاہیے۔ خدا کی قدرت دیکھئے مشنوں کے ابتدائی زمانہ میں مشنری برطانوی حکومت کے ہاتھوں نالاں رہتے تھے۔ ولیم کیری(William Carey) کی دُوربین قوتِ متخیلہ نے اُس کی آنکھوں کے سامنے وہ سماں باندھا جب ہندوستان میں کورہ ہمالیہ کی چوٹی سے راس کماری اورخلیج بنگال سے بحیرہِ عرب تک انجیل جلیل کی اشاعت ہوگی۔ اُس مستقبل زمانہ کو پیشِ نظر رکھ کر اُس نے اورسرامپورکے مشنریوں نے شمالی ہند کی زبانوں میں کُتبِ مقدسہ کاترجمہ کردیا۔۱۸۱۸ئی میں توریت شریف کا ترجمہ پشتو زبان میں کردیا گیا تھا۔ لیکن اس نادرترجمہ کوطبع ہوئے تقریباً نصف صدی گزرچکی تھی اورکوئی پشتو کا نسخہ دستیاب

نہیں ہوتا تھا۔ تب ہربرٹ ایڈورڈز کو دیا آیا کہ اُس نے ۱۸۴۸ئی میں افغانوں کے قبیلے سندا کے سردار محمود علی خاں کے پاس ڈیرہ جات میں پشتو میں تورات شریف کی ایک جلد دیکھی تھی جو بہت سال پہلے کسی مشنری نے ہردوار میں اُس کو دی تھی پس اُس نے فوراً ایک قاصد کو فارسی کتابِ مقدس کی ایک جلد دے کر کولاچی روانہ کیا تاکہ سردار محمود علی خاں سے پشتو کی جلد اُس کے عوض لے آئے۔ قاصد کے پہنچنے سے ایک دن پہلے محمود علی خاں وفات پاگیا۔ خدا نے اُس کو اُسی دن کیلئے زندہ رکھا تھا تاکہ افغانوں کے لئے توریت شریف کو محفوظ رکھے اللہ اکبر۔

پشاور آتے ہی مشنریوں نے چاروں طرف نگاہ کرکے یہ طرزِ عمل اختیار کیا کہ " یہ مشن محض مدافعت کے لئے ہی نہیں بلکہ حملہ کے لئے بھی ہوگا۔ سرحدی مشن کا یہ کام ہوگا کہ مسیحیت کا علم مخالفین کے ملک میں گاڑا جائے اور انجیل جلیل کا پیغام ایران اور مرکزی ایشیا میں پہنچا یا جائے۔ اس وقت ہم کو تنگ نظر نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہم کو خدا سے بڑے نتائج کی اُمید رکھنی چاہیے"۔

پشاور علمائے اسلام کا مرکزی مقام تھا جہاں کابل تک سے لوگ فتویٰ مانگنے آتے تھے پس کلارک نے ۱۴مئی ۱۸۵۵ئی کے روزعین شہر کے درمیان ایک ہائی اسکول کھول دیا۔ تاکہ مسیح کا جھنڈا گنجان آبادی کے درمیان لہرائے۔ ابھی اسکول قائم ہوئے دوماہ بھی نہ گذرے تھے کہ اُس میں نوے طلبا داخل ہوگئے۔ اُن میں سے ایک ملک جارجیا کے باشندوں کی اولاد تھا۔ بعض طلبائی تاتاری تھے بعض ایرانی اورکابلی تھے اوربعض یاغستان کے پہاڑوں سے آئے تھے اوربعض ایسے بھی تھے جو پشاوی علمائی اسلام کے قدموں میں اسلامی علوم سیکھنے کی خاطر آئے تھے۔ بعض اہل ہنود تھے اوربعض طلبائی شہر کے اعلیٰ ترین خاندانوں میں سے تھے۔

ابتدا ہی سے پشاور چھاؤنی کے بازار میں مسیحیت کی منادی شروع ہوگئی اورچند ماہ بعد ڈاکٹر فینڈر اورکلارک نے شہر کے بازاروں میں انجیل کی منادی شروع کردی۔ منادی کے وقت لوگ جوق درجوق جمع ہوجاتے تھے۔ بعض اوقات بڑا شوروغوغا ہوتا۔ لیکن بالعموم لوگ تحمل اورصبر کے ساتھ انجیل کا پیغام سنتے تھے۔ ڈاکٹر فینڈر لکھتا ہے" ہمارے

احباب کہتے تھے کہ شہر میں منادی کرنا نہایت خطرناک امر ہے اورہماری نسبت اُن کوبڑی تشویش تھی۔ لیکن خدا کا فضل ہمارے شامل حال رہا ہے۔ اب تک نہ کوئی بلوا ہوا ہے اورنہ کوئی فتنہ مچا ہے بلکہ انجیل کا نجات بخش پیغام نہ صرف شہر کے لوگوں میں بلکہ دیہات میں اوراردگرد کے قصبہ جات میں اس طریقہ سے پہنچ گیا ہے"۔

بعض احباب یہ مشہور دیتے تھے کہ الوہیتِ مسیح اورتثلیث کا ذکر کرنا قرین مصلحت نہیں کیونکہ افغان قوم کٹر موحد ہے لیکن مشنریوں کا یہ طریق عمل نہ تھا۔ اُنہوں نے ابتدا ہی سے مسیح کی الوہیت ابنیت اورکفارہ پر زوردیا۔ مشنری چاہتے تھے کہ وہ انجیل کی منادی کریں اوراسلام پر حملے کرنے سے پرہیز کریں۔ جب لوگ ایسے سوال کرتے تھے جن سے اُن کے مذہب اورقرآن پر حملے ہونے ناگریز ہوتے تووہ اُن سے کہتے کہ یا تم ہمارے ساتھ چلو یاہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں تاکہ ان باتوں پر اطمینان سے دیر تک بحث کرسکیں۔ مشنری اس غرض کے واسطے لوگوں کے گھروں میں آیا جایا کرتے تھے اورلوگ ان کے گھروں میں آیا جایا کرتے تھے۔

کتب مقدسہ اوردیگر کتابیں عوام میں تقسیم کی گئیں اوران کے علاوہ ڈاکٹر فینڈر کی کتب علمائے اسلام کوبھیجی گئیں۔ کلارک پہلا مشنری تھا جس نے پشتو زبان میں مسیحی کُتب تصنیف کیں۔

ایک سال کے اندراندرتین شخص عیسائی ہوگئے۔ پہلا شخص مرکزی ایشیا کا ایک سُید تھا جوتاجر تھا اورنہایت وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ جب وہ حج کرنے کو مکہ گیا توخواب میں اُس کوکسی نے کہا کہ مسیح کی پیروی کر۔ پس ڈاکٹر فینڈر سے پشاور میں تعلیم پائی اورحاجی سید محمد یحییٰ باقر عیسائی ہوگیا۔ چند روزبعدایک شخص نے اُس پر قاتلانہ حملہ کیا اورمردہ سمجھ کربھاگ گیا۔ لیکن خدا نے اُس کی جان بچالی اورصرف دوانگلیاں کٹ گئیں۔جب وہ اپنے وطن واپس گیا تووہاں اورکابل میں مسیح کا زندہ گواہ بنارہا اورحملوں اورمخالفتوں کے باوجود سند رسیدہ ہوکر جب وہ شکار پور(سندھ) میں تجارت کے لئے آیا توجان بحق تسلیم ہوا۔

اس شخص کے بعد دلاور خاں عیسائی ہوگیا۔ یہ شخص پہلے ایک مشہور ڈاکو تھا لیکن بعد میں اُس نے فوج

میں ملازمت اختیارکرلی۔ترقی کرتے کرتے وہ صوبہ دار ہوگیا۔ جب وہ عیسائی ہوا تو افغانوں کے ایک گروہ نے اُس کو قتل کرنے کی قسم کھائی۔ جب اُس کی مشنریوں نے اس امر کی اطلاع دی تواُس نے جواب دیا" پادری صاحب۔ آپ میرے ایمان کی ترقی کے لئے دعا مانگیں۔ میرا ہاتھ میرے سر کی حفاظت خود بخود کرلیگا"۔ جب کوئی شخص اُس کو ملتا تووہ کہتا" اگردوست ہو تووہیں کھڑے رہو اوراگر دشمن ہو توآگے آجاؤ"۔ ایسے نڈر شخص کو کون قتل کرسکتا تھا؟ وہ مثل سابق لوگوں میں آجاتا تھا لیکن کسی شخص کوجرات نہ تھی کہ اُس پر حملہ کرے۔ ایک دفعہ جب وہ کابل جارہا تھا تومہر چترال نے دغابازی سے اُس کو راہ سے گمراہ کردیا۔ اوروہ راہ میں ہی مرگیا۔ وفات پاتے وقت اُس نے کہا" اب خداکا ہاتھ مجھ پر ہے۔ میں خوش ہوں کہ میں سیدنا عیسیٰ مسیح کا سپاہی ہوکر مررہاہوں۔

رابرٹ کلارک پشاور کے گردونواح کے دیہات میں بھی انجیل جلیل کی منادی کیاکرتا تھا۔ شہر میں منادی کے لئے اُس نے ایک جگہ خریدی اوروہاں مارٹن چیپل قائم کیا تاکہ اُس جگہ منادی کی جائے۔ یہ جگہ قصہ خوانی بازار کے آگے بائیں طرف کے موڑپر واقع تھی جہاں بازاری منادی باقاعدہ کی جاتی تھی۔ جب راقم السطور پشاورمشن کالج میں فلسفہ کا پروفیسر تھا تواُس زمانہ میں (از۱۹۱۴ئی تا ۱۹۱۸ئی) وہاں باقاعدہ منادی کرنے جایاکرتا تھا۔

یہ جگہ" مشنِ انجمن" بھی کہلاتی تھی اوراس کو ریڈنگ روم کے طورپر بھی استعمال کیا جاتا تھا جس میں ادبی اوردینی اخبار اوررسائیل رکھے جاتے تھے۔ تعلیم یافتہ مسلمان یہاں آکر ان اخباروں اوررسالوں کوپڑھتے اورمذہبی گفتگو کیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ جب رابرٹ کلارک سکول میں پڑھ رہا تھا توایک افغان ایک عرضی لے کر پاس آیا۔ایک لڑکے نے اُسکی کمر میں ایک خنجر چھپا دیکھ لیا۔ اوراُس نے فوراً آنکھ سے اشارہ کیا۔ کلارک ایک طرف ہٹ گیا۔ خنجر اُس کے پاس سے نکل گیا۔ اُس کے کپڑوں میں چھید ہوگیا لیکن وہ خود بچ گیا۔ حملہ آور بھاگ گیا۔ لیکن اس واقعہ کے باوجود اُس نے یہ فیصلہ کیاکہ اُس کو شہر میں ہی سکونت اختیا رکرنی چاہیے۔ لیکن سوال یہ تھاکہ وہ کہاں سکونت کرے؟

قدیم زمانہ میں پشاور بدھ مت کے راجہ کنشک کا دارالسلطنت تھا۔ یہ شہر تمام دنیا میں مشہور تھا کیونکہ اُس میں وہ پیالہ دفن تھا۔ جس میں بدُھ بھیک مانگا کرتا تھا۔ بابر کے زمانہ میں اس جگہ کو گورکھتری یعنی کھتری کی قبر کہتے تھے بدُھ کھشتری ذات کا تھا۔ رابرٹ کلارک نے یہ جگہ حاصل کی کہ تاکہ مسیحیت کا حصین قلعہ ہو۔ کیونکہ یہ جگہ تمام گردونواح میں صدیوں سے مشہور تھی۔ اُس نے اس کے مکافات کو تبدیل کرکے موجودہ حالات کے مطابق کردیا اوروہاں باغ اوردرخت لگائے۔

۲۴فروری ۱۸۵۷ئ کوکلارک چھٹی پر انگلستان چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعدہندوستان میں ہر جگہ فساد برپا ہوگیا۔ لیکن ہربرٹ ایڈورڈز کی دُوراندیشی نے پشاور کو ایامِ فساد کے مصائب سے محفوظ رکھا۔

ان دنوں میں کلارک نے ڈاکٹر رابرٹ براؤن (Robert Brown) کی سب سے بڑی لڑکی الزبتھ میری (Elizabeth Mary) سے شادی کرلی۔ ڈاکٹر براؤن نے کلکتہ میں پینتالیس سال کام کرکے انگلستان رہائش اختیار کرلی تھی۔ اُس کی بڑی لڑکی لاطینی، یونانی، فرانسیسی ،جرمن اوراطالوی زبانوں سے اپنی مادری زبان انگریزی کی طرح واقف تھی۔ وہ سنسکرت اوراُردو سے بھی بخوبی واقف تھی۔ دونوں کی شادی ۱۴ مئی ۱۸۵۸ئ کے روز ہوگئی اور۱۵ جون کو وہ انگلستان سے روانہ ہوکر ۸ فروری ۱۸۵۹ئ کوپشاور پہنچے۔ چونکہ ڈاکٹر فینڈر بھی یورپ گیاہوا تھا وہ پشاورمیں سینئیرمشنری مقررہوگیا۔

مسزکلارک نے آتے ہی زنانہ کام شروع کردیا۔ وہ شرفائی اور تعلیم یافتہ غیر مسیحیوں کے گھر آتی جاتی تھی کیونکہ وہ وعلمِ طب سے واقف تھی۔ اُن کے گھروں میں وہ انجیل پڑھ کر سنایا کرتی تھی اورجب کلارک دورہَ پر باہر جاتا تو بعض اوقات وہ مسلمانوں کے گھروں میں پندرہ بیس روزتک دیسی لباس پہن کر رہائش رکھتی تھی۔

۱۸۵۹ئ کے آخر میں رابرٹ کلارک نے امریکن پرسبٹئیرین مشن کے پادری آیسوڈور لونتھا (Isodore Loewenthal) کے ساتھ صوبہ سرحد کا پشاور سے ملتان تک دورہ کیا تاکہ تبلیغی کام کیلئے مناسب مقامات معلوم کرسکے۔ وہ ماخود، کالاباغ، کوہاٹ، بنوں، ڈیرہ جات وغیرہ میں سے

گذرا۔ وہ جہاں جاتا انجیل کی نجات کی منادی کرتا تھا اور کُتب کو تقسیم کرتا اورفروخت کرتا تھا۔ اس دورے میں انگریزی افسروں اورانگریزی فوج کے سپاہیوں نے افغان مشن کے لئے فراخدلی سے روپیہ عطاکیا۔ اس دورے کا یہ نتیجہ ہوا کہ کلارک نے یہ تجویز کی کہ اُس ملک میں تبلیغی مقامات کی دوزنجیریں پیدا کی جائیں جوصوبہ سرحد، مرکزی پنجاب اورسندھ کوایک دوسرے کے ساتھ متعلق کریں۔ پہلی زنجیر پنڈداون خان سے کالا باغ تک اوردوسری زنجیر پشاور سے ملتان تک ہوجس کا مرکز ڈیرہ اسماعیل خاں ہو۔ اُس وقت سے کلارک کی یہ خواہش ہوئی کہ اس تجویز کوعملی جامہ پہنایا جائے۔

پشاور مشن میں دو اورمشنری بھیجے گئے یعنی پادری ٹیوٹنگ(Rev. Tuting) جوآکسفورڈ کا گریجویٹ تھا اوررابرٹ کلارک کا بھائی روجر ایڈمنڈ کلارک (Roger Edmund Clark) جوکیمبرج کا گریجوٹ تھا۔ اول الذکر کے سپر شہر پشاور اورگردنواح کے دیہات میں منادی کا کام کیا گیا اورروجر کلارک سکول کا ہیڈماسٹر مقررہوا۔

اس اثنائی میں نمبر۲۴ پنجابی پلٹن جوپنجاب کے علاقہ ماجھے کے مذہبی سکھوں پر مشتمل تھی پشاور تبدیل ہوکرآگئی۔ یہ پلٹن بعد میں نمبر۳۲ پنجابی پلٹن کے نام سے مشہورہوئی ۔ اس پلٹن نے دہلی کو فتح کرنے میں بڑی مدد دی تھی۔ ان دنوں میں اس کے سپاہیوں کے ہاتھوں میں چند مسیحی کتب آئی تھیں جنھوں نے اُن میں مذہبی جستجو کا شوق پیدا کردیا تھا۔ چند انگریزی افسروں نے ان سپاہیوں کوتعلیم دی تھی اورپشاور میں آکر اس پلٹن کے ۴۹ اشخاص نے بپتسمہ پالیا۔ جہاں کہیں یہ پلٹن جاتی کلارک اُس کے ساتھ جاتا۔ اوراس شہر اورگردونواح کے گاؤں میں منادی کرتا۔ اٹک میں اُس نے گرجابنوایا اورلڑکوں اورلڑکیوں کے لئے سکول کھول دیئے۔ جب یہ پلٹن ایبٹ آباد تبدیل ہوکرگئی توکلارک کویہ فخر حاصل ہواکہ ہزارہ کے لوگوں میں انجیل کا پہلا مبشرہو۔

اس پلٹن کے فوجی افسر اس بات کے سخت مخالف تھے کہ اس پلٹن میں مسیحی کام ہو۔ درحقیقت سرکارہند اس بات کے خلاف تھی اورکلکتہ سے احکام صادرہوئے کہ کوئی

افسر پلٹن میں مسیحیت کی اشاعت میں کسی قسم کا حصہ نہ لے ۔ جب لوگوں کویہ معلوم ہوا کہ گورنر جنرل نے ایسے احکام صادرکئے ہیں توسپاہیوں نے بپتسمہ پانا تودرکنارتعلیم حاصل کرنا چھوڑدی۔ سکول کے طلبائی غیر حاضر ہونے لگ گئے۔ فوجی افسروں نے دیسی عیسائیوں کے ساتھ ملنا جلنا تودرکنارعبادت کرنی بھی چھوڑدی۔ یہ احکام ایسے مبہم الفاظ میں تھے کہ یہ معلوم کرنا مشکل ہوگیا کہ آیا مشنری کو تیس سے زیادہ عیسائی سپاہیوں سے پاسٹر کی حیثیت میں ملنے کی بھی اجازت ہے۔ کلارک لکھتا ہے "یقیناً ہماری سرکارعالیہ اپنے ان احکام کے نتائج سے بے خبر ہے۔ ہم نے کبھی قانون کی خلاف ورزی نہیں کی تھی اورکوئی ایسی بات واقع نہیں ہوئی جس کی وجہ سے ایسے احکام صادرہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جونہی گورنمنٹ کومعلوم ہواکہ چند سپاہیوں نے بپتسمہ لیا ہے وہ فوراً حائل راہ ہوگئی گویادس سپاہیوں کا بپتسمہ پانا برطانوی سلطنت کے قیام کیلئے نہایت خطرناک امر ہے یا بپتسمہ خود قانون کے خلاف شے ہے۔ سرکار نے نہ صرف اس پلٹن کو بلکہ پنجاب کی ہر پلٹن کے ہر افسر کو متنبہ کردیا ہے کہ ایسی باتوں سے احترازکریں۔ حق تو یہ ہے کہ اگرگورنمنٹ کے خلاف کوئی سازش ہوتی تو وہ اُس سے زیادہ سخت احکام صادرنہیں کرسکتی تھی۔

۱۸۵۹ئ میں ایک افغان فضل حق مسیحی ہوگیا۔ اُس کی دلی خواہش تھی کہ وہ کافرستان کے باشندوں کو انجیل سنائے۔ایک اورمسیحی افغان نوراللہ بھی یہ چاہتا تھا ۔۔۔کہ انجیل کا پیغام ہندوکش کے باشندوں تک پہنچائے۔ یہ دونوں جوان وہاں گئے اُن کی مشکلات اورمصائب کا ہم اندازہ کرسکتے ہیں ۔ کئی دفعہ وہ بال بال بچ گئے۔

جب سید شاہ خاں عیسائی ہوا تو وہ پشاورمیں ہی رہا اوربعد میں پشاور مشن کا مبلغ بن گیا۔ اس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ کافرستان کے باشندوں میں انجیل جلیل کا پیغام سنائے اوراس ملک میں قیام کرے۔ اُس نے معلوم کیاکہ تبلیغ کس طرح کامیاب ہو سکتی ہے۔ جب وہ پشاور واپس آنے لگا تولوگوں نے اصرارکے ساتھ کہاکہ یہاں رہائش اختیا رکرو۔ اُس نے اُن سے پھرکبھی آنے کا وعدہ کیا اورواپس پشاورآگیا۔ چارپانچ سال کے بعد اکتوبر۱۸۸۷ئ میں کافرستان

کے لوگ پشاورآئے اوراُنہوں نے اُس کو وعدہ کی یاددہانی کی۔ اورشکائت کی کہ آپ وعدہ فراموش کرگئے۔ پس ۱۸۸۸ئی میں کلارک کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد ۹ اگست کے روزدوسری دفعہ کافرستان کوبراہ کشمیر چلا گیا۔ اوربڑی کامیابی سے انجیل کا پیغام سناتا رہا ۔لیکن جب سرحدی کمیشن نے یہ علاقہ امیرکامل کے زیراثرکردیا توامیر نے ان تبلیغی مساعی کا خاتمہ کردیا۔

پشاورمیں بعض اوقات منادی کے وقت مسلمان بہت برافروختہ ہوجاتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب پادری ٹیوٹنگ منادی ختم کرچکا توایک افغان نے اُس پر قاتلانہ حملہ کیا اوراگرسامعین میں سے ایک چھرے کو نہ پکڑلیتا توپادری صاحب شہید ہوجاتے۔ مسزکلارک صاحبہ پربھی گولی چلائی گئی۔ لیکن وہ بچ گئی۔ پادری نونتھال کا نہایت حسرتناک انجام ہوا۔ اُس کو زبان دان ہونے کی وجہ سے پرسبٹیئرین مشن نے سی ۔ ایم ۔ ایس کو چند ماہ کے لئے دے دیا تھا تاکہ عہدِ جدید کا پشتو زبان میں ترجمہ کرے۔ وہ راتوں اُس کام میں گزاردیتا تھا۔ ایک رات دماغی کوفت سے تھک کر وہ باہراپنے باغ میں نکلا۔ وہ اپنے خیالات میں مستغرق تھا۔ اُس کے سکھ چوکیدار نے اُس سے پوچھا کہ کون ہو۔جب جواب نہ ملا تواُس نےپادری صاحب کو گولی مارکرزخمی کردیا۔ یوانجیل کا یہ وفادار خادم چند لمحوں کے اندراپنے منجئی کے پاس چلاگیا۔

جنوری ۱۸۶۳ئی میں لاہورمیں پنجاب کی پہلی جنرل مشنری کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا۔ کلارک کی یہ ہمیشہ خواہش تھی کہ مختلف مشنوں کے مشنری یگانگت کے ساتھ کام کریں۔ یہ کانفرنس پنجاب کرسچن کانفرنس کی گویا پیش خیمہ تھی۔ اس کانفرنس کی روئدار (جو ۴۰۰ صفحوں پر مشتمل ہے) ۱۸۶۳ئی میں چھپی جس کی ایک کاپی راقم السطور کے پاس ہے۔ اس کانفرنس میں چرچ آف انگلینڈ، امریکن پرسبٹیرین چرچ، امریکن ریفارمڈ پرسبٹیرین چرچ، امریکن یوناٹیڈ پرسبٹیرین چرچ، چرچ آف اسکاٹ لینڈ، اورامریکن میتھوڈسٹ اپسکوپل چرچ کے تقرریافتہ پردیسی مشنری اوردیسی پادری اورغیر تقرریافتہ پردیسی اوردیسی مسیحی شامل ہوئے۔ ان میں پادری فرنچ جان نیوٹن، پادری بروس،

پادری کلارک ، پادری فورمین، پادری گولک ناتھ، پادری سوفٹ، پادری سکاٹ ، پادری پیٹرسن،پادری ٹیلر جیسی بزرگ ہستیاں شامل تھیں اورہر مینڈرتھ میکلوڈ، پرکنس جیسے سول حکام اورہربرٹ ایڈورڈزمیکلیگن لیک جیسے فوجی حکام اورسردار بکرم سنگھ ، جے ۔ سی ۔ بوس ۔ڈاکٹر بوس۔ جے۔ این۔ چٹرجی۔ مترا۔ جے۔ سی۔ مکرجی ۔جے ۔ پی ۔ راؤ۔ راجہ کپور تھلہ جیسے بزرگ موجود تھے۔ کانفرنس کے مضامین یہ تھے: غیر مسیحیوں میں انجیل کی منادی (۲) ہندومت اوراسلام کے پیروؤں سے مباحثہ (۳) تعلیمی ادارے۔ عورتوں میں تبلیغی کام(۴) دیہات میں دورے(۵) کلیسیا کے لے مین کی امداد(۶)میڈیکل مشن(۷) دیسی کلیسیا (۸) پردیسی مشنری اورہندوستانی مسیحی (۹) متلاشیانِ حق (۱۰) کثرت ازدواجی اورطلاق ۔(۱۱)پہاڑی قبائل (۱۲) سکھ مذہب(۱۳) مسیحی لٹریچر (۱۴) مشنوں کے باہمی تعلقات (۱۵) اورہندوستان کی کلیسیائے جامع ۔۲۸ دسمبر ۱۸۶۲ئی کا روزاتوارکا دن تھا اورسب کلیسیاؤں اورمشنوں کے شرکائی عشائے ربانی کی رسم ۔۔۔۔میں شامل ہوئے۔

اگرکلارک جیسے بیدار مغز اورعاقبت اندیش مشنری مختلف مشنوں میں آتے رہتے جوہندوستانی کلیسیا کے حقیقی بہی خواہ ہوتے توموجودہ کلیسیائی اختلافات کب کے ختم ہوگئے تھے اورمختلف کلیسیائیں ایک ہوکر غیر مسیحی دنیا کے سامنے متحدہ محاذ پیش کرکے سیدنا مسیح کا جرار لشکر ہوتیں۔ اورہندوستانی کلیسیا ایک واحد رسولی اورجامع کلیسیا ہوکر قوم اورملک کوشاہراہ زندگی پر گامزن ہونے میں مددیتی۔

مسز کلارک کی طبعیت پشاور میں آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے ہمیشہ علیل رہتی تھی۔ فروری ۱۸۶۲ئی میں اُس کوعلالت کی وجہ سے انگلستان جانا پڑا۔ اوراسی موسم گرما میں کلارک کا والد پادری ہنری کلارک فوت ہوگیا۔ ۲۷ اکتوبر کوپادری ٹیوٹنگ ابدی آرام میں داخل ہوگیا۔ اور۱۴ جنوری ۱۸۶۳ئی میں کلارک کا بھائی روجرکلارک خداوند میں سوگیا۔ اُس کے جنازے کے ساتھ متعدد غیرمسیحی روسائے شہر قبرستان گئے۔ خدا نے کلارک کو ان تمام مصائب کے برداشت کرنے کی طاقت عطا کی اور وہ اکیلا مشن کے تمام

کاروبار سرانجام دیتا رہا۔ پادری ٹامس رسل ویڈ (Thomas Russell Wade) پشاور بھیجاگیا اورمسزکلارک کا بھائی جیمس براؤن (James Brown) سرکاری ملازمت کےسلسلہ میں پشاور آگیا اورکلارک کی تسلی کا باعث ہوا۔ یکم جنوری ۱۸۶۴ئی کے روز مسزکلارک بھی پشاورواپس آگئی۔

۷

موسمِ بہار ۱۸۶۴ئی میں رابرٹ کلارک کشمیر بھیجا گیا تاکہ وہاں مشن قائم کرے۔ ۲۵مئی کے روزکلارک نے مہاراجہ گلاب سنگھ سے ملاقات کی جس کے دوران میں مسیحی عقائد پر گفتگو چھڑگئی۔ کلارک نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اُس کے تمام سوالات کا جواب دیا۔ لگلے روزاُس نے مہاراجہ سے عیسائیوں کی ملاقات کرائی جن میں سے ایک شمعون بھی تھا۔ مہاراجہ نے اُن سے تبدیل مذہب کا سبب دریافت کیا تواُنھوں نے نجات کا جانفزا پیغام سنایا۔ مہاراجہ نے اُن سے دریافت کیاکہ تم کوعیسائی ہوکرکیا فائدہ ہوا ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم کو دنیاوی دولت نہیں بلکہ ابدی دولت ملی ہے اور ہماری بے چین روحوں کو شانتی حاصل ہوئی ہے۔ مہاراجہ اُن کے جوابوں سے بہت خوش ہوا۔ لگلے روز پھر مہاراجہ اورمیاں صاحب راجکمار کے ساتھ مذہبی اُمورپر بات چیت ہوئی۔ گومہاراجہ ان کی گفتگو سے بہت محظوظ ہوا لیکن وہ یہ نہیں چاہتا تھاکہ کشمیر میں مشن مستقل طورپر قائم ہو۔ اُس کا خیال تھاکہ اگریہاں مشن قائم ہوگیا تو جس طرح انگریزوں نے پنجاب لے لیا ہے میرے ملک پربھی قابض ۔۔ہوجائینگے۔ مہاراجہ چاہتا تھا کہ کلارک دیگر یورپین لوگوں کی طرح شہر کے باہر رہائش اختیارکرے اورموسم گرما کے بعد پنجاب چلا جایا کرے۔ لیکن کلارک شہر کے اندر کشمیریوں کے درمیان بارہ مہینے رہنا چاہتا تھا۔ کلارک لکھتا ہے" اگر میں نے یورپین لوگوں کے ساتھ رہائش اختیار کی توکشمیری یہ نہیں سمجھینگے کہ ہم اُن کو گناہوں سے نجات پانے کا پیغام دینے کی خاطر آئے ہیں۔ یہاں جو ان انگریز افسر رہتے ہیں جوبدمعاش ہیں جن کے پاس شہر کی عورتیں رات کو آتیں ہیں جوشراب میں بدمست ہوکر گندے گیت گاتے ہیں۔ ایسے اشخاص کے درمیان رہ کر ہماری تبلیغی مساعی کس طرح کامیاب ہوسکتی ہے؟ یہاں کوئی مہاراجہ کا افسر نہیں آنے پاتا

کیونکہ مہاراجہ کا حکم بڑا سخت ہے۔ پس یہاں کوئی کشمیری آنے نہ پائیگا۔ لیکن شہر میں کشمیری ہمارے پاس آجاسکینگے۔

امرتسر میں کشمیری رہتے تھے۔ وہاں کے ایک کشمیری نے کلارک کو اپنا سری نگر کا گھر کرایہ پر دے دیا جو شہر کے درمیان گنجان آبادی میں تھا۔ لیکن جب کلارک نے سری نگر میں رہائش اختیار کرنی چاہی تو مہاراجہ کے زیر اثر ایک ہجوم جمع ہوگیا تاکہ کلارک کو گھر میں گھسنے نہ دے۔ شاہ منیر خاں جو افغان قبیلہ یوسف زئی کے گاؤں زیدہ کا ملک یا سردار تھا اور مسیحی ہوگیا تھا اس وقت کلارک کے ساتھ تھا۔ اُس کی مدد سے کلارک سری نگر میں اپنے گھر میں داخل ہوگیا لیکن وہاں ایک اژدحام جمع ہوگیا اور ہزار پندرہ سو آدمیوں نے گھر کو گھیر لیا۔ ہر گھڑی ہجوم بڑھتا جاتا تھا لیکن کوئی پولیس کا آدمی نظر نہیں آتا تھا۔ مہاراجہ خود جموں میں تھا اور ریزیڈنٹ سرینگر میں نہیں تھا۔ کلارک وزیر کے پاس گیا لیکن جواب ملا کہ وہ خوابگاہ میں ہے جہاں کوئی پیغام نہیں جاسکتا۔ پس کلارک وہیں زمین پر بیٹھا رہا اور جب وزیر نکلا تو اُس نے شکائت کی۔ اس پر وزیر نے کہا کہ آپ یورپین لوگوں کے ساتھ رہائش اختیار کرلیں۔ کلارک نے جواب دیا کہ میرا کام شہر کے درمیان لوگوں میں ہے۔ میں باہر نہیں رہ سکتا۔ اس پر وزیر نے کہا کہ میں دو دن تک آپ کی حفاظت کے لئے گارڈ بھیج سکتا ہوں۔ زیادہ دنوں کے لئے میں ذمہ دار نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد وزیر خود تو سری نگر سے باہر چلا گیا اور نائب وزیر نے کلارک کو کہلوا بھیجا کہ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ دو دن کے بعد گھر خالی کردینگے اب آپ اپنا وعدہ پورا کریں۔ کلارک ایک رومن کیتھولک فرانسیسی تاجر کی مدد سے اپنے گھر میں جما رہا۔ اس پر مہاراجہ نے انگریز ریزیڈنٹ کی معرفت کہلوا بھیجا کہ آپ شہر کے گھر کو خالی کردیں۔ کلارک لکھتا ہے "ایسے نازک موقعہ پر ہم کس طرف جائیں؟ انگریزی گورنمنٹ پر جو برائے نام عیسائی ہے بھروسہ نہیں کرسکتے۔ شاہزادوں کی نسبت خدا پر تکیہ کرنا بہتر ہے"۔ جب کلارک نے ریذیڈنٹ کو خط لکھ کر تمام باتیں سمجھائیں تو اُس نے کہا کہ بہتر ہے کہ تم ابھی گھر خالی نہ کرو۔ اُس نے وزیر کو کہا کہ آپ نے بہت اچھا انتظام کیا کہ اژدحام کو پادری صاحب کے گھر سے ہٹادیا۔ اُمید

ہے کہ آپ کی زیر حفاظت وہ کشمیر کی خدمت اچھی طرح کرینگے۔ یوں اُس مخالفت کا خاتمہ ہوگیا۔

پر اس مخالفت کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام شہر اورگردنواح میں مشن کے کام کا چرچا پھیل گیا اورانجیل کا پیغام دُور دُور پھیل گیا۔ ۲ مئی کو مسز کلارک نے ایک ہسپتال کھولا جس میں مریض جوق درجوق آنے شروع ہوگئے۔

جب مہاراجہ نے دیکھا کہ اُس کو شکست ہوئی ہے تووہ ایک اورچال چلا۔ اُس نے ریذیڈنٹ کی معرفت کہلوا بھیجا کہ اگر کلارک جموں میں مشن قائم کرلے تومہاراجہ کوکوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ مہاراجہ کا خیال تھاکہ کلارک انکار کردیگا لیکن کلارک نے شکریہ کے ساتھ اس عورت کوقبول کرلیا۔ اس پر مہاراجہ نےبغیر کسی سبب کے اپنی دعوت کوواپس لے لیا اوروزیر کی معرفت کہلوا بھیجا کہ خبرداراگرتم جموں میں داخل ہوئے۔ مہاراجہ نے اپنی مخالفت مختلف طریقوں سے دکھادی۔ جوشخص مسیحی تعلیم کے لئے آتا اُس کوسزادی جاتی اورقید کردیا جاتا اورحکومتِ کشمیر کے حکم سے سکول کے طلبائی سکول میں نہیں آتے تھے۔

۲۰ جولائی کوحسن شاہ نے جو پہلا کشمیری مسیحی تھا۔ بپتسمہ پایا۔ اُس کا نام یوسف رکھا گیا ۔ اُس کو قید کیا گیا زدوکوب کیا گیا وزیر نے خود اُس کولالچ دیاکہ وہ مسیحیت کوچھوڑدے ، دیوان خوردریذیڈنٹ کے پاس گیا اوراورشکائت کی کہ مسز کلارک نے یوسف کو دوائی دے کر بیہوش کیا ہے اورکلارک نے اُس کوبپتسمہ دے کر زبردستی عیسائی کرلیا ہے۔ اس پر ریذیڈنٹ نے یوسف کو بلا بھیجا۔ یوسف نے ان تمام باتوں سے انکار کیا۔اس پر دیوان نے کہاکہ مہاراجہ کی یہ خواہش ہے کہ کلارک کشمیر سے چلا جائے اوروہ نہ تو کبھی کشمیر میں قدم رکھے اورنہ تبلیغی کام کرے۔

جب موسم سرما شروع ہوا تومہاراجہ نے اصرارکیاکہ جس طرح دیگر یورپین کشمیر سے چلے جاتے ہیں تم بھی چلے جاؤ۔ پنجاب کے لفٹنٹ گورنر نے کلارک کی مدد کرنے سے انکارکردیا۔ ۲۹ اکتوبر کوریذیڈنٹ نے کہا کہ تم کویہاں سے جانا پڑیگا۔ مہاراجہ نے سنا ہے کہ ترکی میں سلطان ۔۔۔ نے تمام مشن کے اُمور کوبند کردیا ہے اوروہ کشمیر میں بھی ایسا

ہی کرنا چاہتا ہے۔ پس کلارک نے اب یہی بہتر خیال کیا کہ کچھ مُدت تک کشمیر کو چھوڑ کر واپس پشاور چلا جائے۔

۸

اس اثنائی میں پنجاب مشن ترقی کرتا گیا۔ پنجاب کے مختلف قصبوں اورشہروں میں تبلیغی مرکز قائم ہوگئے اوراس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی تجربہ کارمشنری امرتسر میں رہے جوپنجاب کے مختلف مرکزوں کے کام کی نگرانی کیا کرے۔اس مقصد کے لئے رابرٹ کلارک منتخب کیا گیا اوروہ پھر امرتسر متعین کیا گیا ہے۔ وہ ۱۵مارچ ۱۸۶۵ئی کو پشاور سے رخصت ہوا۔

۱۸۶۳ئی میں جب پنجاب مشنری کانفرنس کا پہلا اجلاس ہوا توکلارک نے اس مجلس کے سامنے تبلیغ کا ایک نیاطریقہ پیش کیا اور کہاکہ پنجاب میں میڈیکل مشن جا بجا کھولنے چاہئیں۔ پنجاب میں اس وقت کوئی میڈیکل مشن نہیں تھا جس کا تعلق کلیسیا کے ساتھ ہو۔ ہاں۔ راجہ کپُور تھلہ نے اپنے خرچ سے کپُورتھلہ میں اوراودھ میں جہاں اُس کی جاگیر تھی دومشن کھولے ہوئے تھے۔ یہ راجہ کتابِ مقدس کا عاشق تھا۔ اورہمیشہ کتابِ مقدس اُس کے پاس رہتی تھی اورمحل میں مسیحی طریقہ پر عبادت بھی کیا کرتا تھا ۔ کپُور تھلہ کے شفاخانہ میں ڈاکٹر جان نیوٹن (John Newton) جوامریکن مشن کے مشہور پادری نیوٹن کا بیٹا تھا میڈیکل مشنری تھا۔ جب رابرٹ کلارک پشاور میں تھا تومسز کلارک کے شفاخانہ نے تبلیغی مساعی کے لئے تمام دروازے کھول دیئے تھے اورمسزکلارک کے شاگرد رشید فضل حق نے کافرستان میں علم طب اورڈاکٹری علاج کے ذریعہ تبلیغی کام کیا تھا۔

ان دنوں میں سکاٹ لینڈ کے شہر ایڈینبرگ(Edinburgh) میں میڈیکل مشنری سوسائٹی قائم ہوگئی ۔کلارک کی اُمیدیں اس انجمن سے وابستہ تھیں اوراُس نے اس سوسائٹی کے لئے چندہ جمع کرنا شروع کردیاتاکہ کشمیر میں میڈیکل مشن کھولا جائے ۔ اس مقصد کے لئے چرچ مشنری سوسائٹی نے ڈاکٹر ولیم جیکسن ایلمز(William Jackson Elmslie) کو۱۸۶۵ئی میں کشمیر متعین کیا۔

جب رابرٹ کلارک امرت سرآیا توکلیسیا خدا کے فضل سے ترقی کررہی تھی اورہندوستانی مسیحیوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی ۔کلارک کا یہ اصول تھاکہ پنجاب کو مسیح کے لئے فتح کرے اُس کا یہ خیال نہ تھا کہ وہ اُس کوکسی خاص کلیسیائی فرقہ کے لئے فتح کرے۔ اُس کا خیال تھا کہ انگریز مشنری صرف چند سالوں کے لئے درکارہوں گے جب تک دیسی کلیسیا کے دیسی پاسبان پیدا نہ ہوں اورہندوستانی کلیسیا ایک قومی کلیسیا نہ ہوجائے۔ کلارک نہیں چاہتا تھاکہ پنجابی کلیسیا کو غیر ملکی قواعد اوررسوم کی قیود کی زنجیروں میں جکڑے۔ اُس کا خیال تھاکہ خدامشنوں کے ذریعہ کلیسیائی اختلافات کا خاتمہ کردیگا۔

نومرید شہر کے باہر مشن کمپونڈ میں رہتے تھے لیکن رابرٹ کلارک اس بات کے خلاف تھا ۔ وہ کہتا تھا کہ ہندوستانی مسیحی خمیر کی مانند ہیں اوراُن کو شہر کے لوگوں کے درمیان رہنا چاہیے۔ علاوہ ازیں مشن کمپونڈ کے اندررہنے سے وہ مشنریوں کے ماتحت رہتے ہیں اورغیر ملکی خیالات اورجذبات سے متاثر ہوکر اپنی روحانی اورذہنی آزادی کھوبیٹھتے ہیں۔

ہندوستانی کلیسیا کی آزادی،صحت، ترقی اوربہبودی کے لئے یہی بہتر ہے کہ اُس کے شرکائی اپنے غیر مسیحی ہم وطنوں کے درمیان رہیں۔ اُن کے ایمان ایذارسانی سے قائم ہوں اوروہ روزمرہ کی زندگی میں غیر مسیحیوں کے لئے اعلیٰ نمونہ ہوں۔پس اُس نے شہرامرتسر کے مختلف مقامات میں عیسائیوں کوبسایا اورخودشہر میں سکونت اختیارکرلی۔ مہاں سنگھ کا قلعہ شہر کے اندر تھا۔ کلارک نے شہر کے باہر وہ جگہ جہاں نوُمرید رہتے تھے اس قلعہ کے بدلے دے دی اوراپنی جیب خاص سے پندرہ ہزار روپیہ خرچ کرکے مہاں سنگھ میں ایک مشن کا گھر بنایا۔ یوں پنجاب کے مقدس شہرامرتسر میں عین اُس جگہ جہاں مہاراجہ رنجیت سنگھ کا باپ اپنے اختیارات استعمال کرتا تھا کلارک نے مسیح کے لئے ایک قلعہ کھڑا کردیا۔ بابو ایشن چندرسنگھ مرحوم لکھتا ہے کہ" جب کلارک نے یہ گھر بنوایا توشہر کے لوگ اس کثرت سے اُس کے پاس آتے تھے کہ گرمیوں میں اُس کو دوپہر کے وقت آرام

کرنے کا موقعہ بھی نہ ملتا تھا اوراگرمسیحی کلارک صاحب کوخبرکئے بغیر روزانہ دوگھنٹہ تک باہر کا دروازہ بندنہ کردیتے تواُس کی صحت بالکل خراب ہوجاتی"۔

شہر کے اسی حصہ میں کلارک نے ایک سرائے اورپاسٹر کے لئے مکان بنوایا۔ سرائے کے بنوانے کا یہ مقصد تھا کہ مسافر عیسائی جب کبھی عبادت یا تجارت وغیرہ کے لئے امرتسر آئیں تو وہ اُس میں پناہ لے سکیں۔ اقراریوں کے لئے یہ جگہ نہایت موزوں تھی۔ وہاں دُکانیں بھی بنوادیں تاکہ جومسیحی دُکان داری کرنا چاہیں وہ اُن کوکرایہ پر لے سکیں۔ دودُکانیں کتُب خانہ اورریڈنگ روم کے لئے مخصوص کی گئیں۔ دوُدکانیں کتب مقدسہ اورمسیحی کتب کی فروخت کے لئے مخصوص کی گئیں۔

جب شمعون وفات پانے لگا تواُس نے کہاکہ اس شہر میں باطل مذاہب کے جھنڈے کھڑے ہیں لیکن حقیقی خدا کا ایک جھنڈا بھی نہیں۔ میرے بعدمیری جائداد سے ایک جھنڈا قائم کیا جائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ مسیح امرتسر میں آگیا ہے۔ اُس کا گھر اس مقصد کے لئے استعمال کیا گیا۔

اُس وقت ہندوستانی مسیحی چاہتے تھے کہ ایک ہال تعمیر کیا جائے جہاں کلیسیا کے تمام شرکائ ایک جگہ جمع ہوسکیں۔ شمعون کے زیورات اورگھر فروخت کئے گئے اورہندوستانی مسیحیوں نے چندہ جمع کیا اوروہ جگہ تعمیر کی گئی جوبعد میں میڈیکل مشن ہسپتال ہو اوراُس پر ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک نے لال کپڑے پر سفید صلیب لگا کر مسیح کا جھنڈا کھڑا کردیا۔

۱۸۶۵ئ میں مشن ہائی سکول کا تعلق کلکتہ یونیورسٹی کے ساتھ کردیا گیا تاکہ طلبائ کے پاس باقاعدہ سند ہو۔

رابرٹ کلارک کا یہ اصول تھاکہ پنجابی کلیسیا اپنا انتظام خود کرے اوراپنے پاؤں پر کھڑی ہو۔ امرتسر میں کلیسیائی روپیہ کا انتظام کلیسیا کے ہاتھ میں تھا۔ جس میں سے پچاس روپیہ پاسٹر کوتنخواہ دی جاتی تھی۔ اس سے اقرار یوں اورغریبوں کی امداد بھی کی جاتی تھی۔ چرچ کمیٹی کااجلاس ہرماہ ہوتا تھا اورہر ششماہی کے بعد تمام جماعت کا مجمع ہوتا جس میں حساب کتاب سنایا جاتا تھا۔ کلارک کی یہ عادت نہیں تھی کہ ہربات میں اپنی مرضی پرعمل کرے

بلکه وہ لوگوں سے صلاح اورمشورہ لے کر اکثریت کی رائے پرعمل کرتا تھا۔

کلارک کی یہ کوشش تھی کہ پنجابی عیسائیوں میں تبلیغی جوش پیدا کرے۔۱۸۶۵ئ میں اُس نے مولوی عمادالدین لاہز کوبپتسمہ دیا۔ علمائے اسلام مباحثہ اورمناظرہ کے لئے جمع ہوجاتے اورمنہ کی کھاکر جاتے۔ ۱۸۹۳ئ میں ڈپٹی عبداللہ آتھم اورمرزا غلام احمد قادیانی کے درمیان اس وسیع میدان میں جوآجکل آرچ ڈیکن کے گھر کے کمپاؤنڈ کے سامنے واقع ہے پندرہ روزتک بحث ہوتی رہی جس کا نتیجہ مرزا غلام احمد کے لئے سوائے حسرت ویاس کے اورکچھ نہ ہوا۔

پادری داؤد سنگھ چاہتا تھا کہ اپنے ہم مذہبوں میں انجیل کی خدمت کرے پس کلارک نے اُس کوآزاد کردیا۔ اوروہ جموں جاکر مہاراجہ کے افسروں اورعوام الناس میں منادی کرتا رہا۔

مسز کلارک امرتسر آتے ہی زنانہ کام کی طرف متوجہ ہوگئی۔ یہاں لڑکوں اورلڑکیوں کا یتیم خانہ قائم ہوگیا تھا اور مسز کلارک گھروں کے اندر۔ زنانخانوں میں جایا کرتی تھی۔ مسز کلارک پہلی عورت تھی جس نے پشاور اورکشمیر میں میڈیکل کام شروع کیا تھا۔ اسی طرح امرتسر میں بھی اُس کویہی عزت نصیب ہوئی۔

چونکہ کلیسیا کی تعداد روزافزوں تھی لہذا کلارک کواُن وسائل کا خیال کرنا پڑا جونومریدوں کی روزی کے متعلق تھے۔ چونکہ نومرید اپنے خاندانوں سے نکالے جاتے تھے اوردنیاوی مال اورجائداد سے محروم کئے جاتے تھے یہ سوال پیدا ہواکہ وہ اپنی روزی کس طرح کمائیں۔ ذات پات کی قیود کی وجہ سے بعض کام وہ نہیں کرسکتے تھے۔کلارک ہرنومرید کا خیال رکھتا تھا اوراس کی لیاقت اورقابلیت کے مطابق اُس کو روزی کا وسیلہ حاصل کرنے میں مدد دیتا۔ یتیم خانے میں مختلف دستکاریاں سکھائی جانے لگیں اوریہ خیال ہواکہ ایک مسیحی گاؤں آباد کیا جائے جہاں مسیحی مختلف کاروبارکرسکیں۔ اس غرض کے لئے اجس نے سرکار سے انیس سوایکڑ زمین حاصل کی ۔گاؤں کا نام کلارک آباد رکھا گیا۔ پادری داؤد سنگھ امرتسر سے وہاں بھیجا گیااورپادری رولینڈ بیٹمن (Roland Bateman)

پادری ایف ۔ ایچ بیوتل (F.H. Beutel) کی لگاتار ان تھک کوششوں نے کلارک آباد کواس کی موجودہ مشکل میں تبدیل کردیا۔

۵ مئی ۱۸۶۷ئ کے روز چرچ مشنری سوسائٹی نے لاہورمیں قدم رکھا۔ پادری جان نیوٹن پنجاب کا پہلا مشنری تھا۔ اُس نے ۱۸۵۰ئ میں سی۔ ایم۔ ایس کو پنجاب میں آنے کی دعوت دی تھی اوراب اُس نے بڑے تپاک سے سی ۔ ایم ۔ ایس کا لاہورمیں خیرمقدم کیا۔

۱۸۶۸ئ میں کلارک یہ کوشش کرنے لگا کہ پنجاب میں میڈیکل مشن قائم ہوجائے اُس کی لگاتارکوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ ۱۸۸۲ئ میں امرتسر میڈیکل مشن قائم ہوگیا۔

میڈیکل مشن کے قیام اورپھیلنے میں کلارک کوہنری مارٹن (Henry Martyn) سے بڑی مدد ملی۔ ۱۸۵۷ئ کے فساد کے ایام میں ایک افغان خاتون کابل سے پشاورآئی۔ جب وہ پشاورکے دروازہ پر پہنچی تواُس کی اجل آگئی۔ مسزکلارک نے اُس کا چھوٹا بچہ لے لیا اوراپنا لے پالک بیٹا بناکر اُس کا نام ہنری مارٹن رکھا۔ بچہ کی مادری زبان فارسی تھی ۔ پشاورمیں وہ پنجابی اورپشتو بھی بولنے لگا۔ جب وہ بڑا ہوا توکلارک نے اُس کو سکاٹ لینڈ کے شہر ایڈنبرگ میں جارج واٹسن سکول میں داخل کردیا۔ وہاں سے ایک دفعہ وہ ہندوستان آیا اور پادری ویڈ کے ساتھ کشمیر کے قحط زدگان کی مدد کیلئے کشمیر گیا۔ ۱۸۸۱ئ میں اُس نے ۔ ایم ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی اوراگلے سال چرچ مشن نے اجس کو امرتسر میڈیکل مشنری مقررکردیا۔ یہاں اُس نے اس قدرتن دہی سے کام کیا کہ تین سال کے اندرتقریباًپچیس ہزار مریض اُس کی قابلیت اورشہرت کی وجہ سے آئے اورنجات کا پیغام سنتے رہے۔

ہنری مارٹن کلارک نے جا بجا ہسپتال کھول دیئے جہاں اُس نے ان ڈاکٹروں کوبھیجا جن کو اُس نے خودسکھلایا تھا۔ چنانچہ ۱۸۹۱ئ تک نارووال، جنڈیالہ، بیاس اور سلطان ونڈ وغیرہ قصبوں اورگاؤں میں ہسپتال قائم ہوگئے جہاں ہزاروں مریض روزانہ انجیل کا جانفزا پیغام سنتے تھے اوران قصبات اوردیہات میں بازاری منادی کی جاتی تھی۔ کلارک کہتا تھا" مشن ہسپتال ہی ایک ایسا مقام ہے جہاں بہترین سائنس کے

اعلیٰ ترین نتائج روح کی بہبودی کے لئے استعمال ہوتے ہیں" (پنجاب مشن نیوز ۱۵ اپریل ۱۸۸۹ئی)۔

ہنری مارٹن کلارک نہ صرف ایک قابل ڈاکٹر تھا بلکہ زبردست زبان دان اورمصنف بھی تھا۔ پنجاب گورنمنٹ نے اُس کی زیرنگرانی بھائی میاسنگھ کی ڈکشنری شائع کی جوراقم السطور کے پاس موجود ہے۔ پادری پنڈت کھڑک سنگھ کے ساتھ مل کر اُس نے کتاب" آریہ سماج کی تعلیم کے اُصول" لکھی جو انگریزی، ہندی، اُردو اورپنجابی میں چھپ گئی اوراس قدر مقبول ہوئی کہ ایک روز ایک خریدار نے اُس کی پانچ سوجلدیں خریدلیں۔ وہ کئی سال تک اخبار" پنجاب مشن نیوز" کا ایڈیٹر اورمینجر بھی رہا۔

ہنری مارٹن کلارک ایک زبردست عالم اورنہایت جوشیلا مبلغ تھا۔ وہ انگریزی،اردو، پنجابی زبانوں میں فصیح البیان تھا اورجگہ جگہ دُور دراز مقامات میں مسیحیت پر لیکچر دیا کرتا تھابالخصوص لاہور اورپشاور میں اُس کو اکثر بولنے کی دعوت دی جاتی تھی۔وہ قرآن وحدیث اورکتُب فقہ وغیرہ سے بخوبی واقف تھا۔ چنانچہ ڈپٹی عبداللہ آتھم اور مرزا غلام احمد قادیانی کے درمیان جومباحثہ ۲۲مئی ۱۸۹۳ئی سے ۵ جُون تک ہوتا رہا وہ اُس کے مکان کے احاطہ میں ہوا اور مسیحیوں کی طرف سے وہ صدر تھا۔ دورانِ مباحثہ میں جب ڈپٹی مرحوم بیمار ہوگئے توہنری مارٹن نے اُن کی جگہ ۲۹مئی کے روز مرزا جی سے مباحثہ کیا اوراُس روز اُس کی جگہ پادری احسان اللہ صدر مقرر ہوئے ۔ ڈاکٹر عماد الدین کے ساتھ اُس نے اسلا پرایک رسالہ لکھا اورہندوؤں کے لئے اُس نے " ویدوں کی تعلیم اورقربانی" اور" ویدوں کی ازلیت" وغیرہ کتابیں لکھیں۔

۱۹۰۵ئی میں ہنری مارٹن فارغ الخدمت ہوکر ایڈنبرگ چلا گیا جہاں سے وہ سکاٹ لینڈ اورانگلینڈ کے مختلف مقامات میں لیکچردیا کرتا تھا۔ بلاآخر ۱۹۱۶ئی میں اُس کو فالج ہوگیا اوروہ اپنے نجات دہندہ کے پاس چلا گیاجس نے اُس نے چونتیس سال تک وفاداری سے خدمت کی تھی۔

۱۸۶۸ئی میں رابرٹ کلارک کی والدہ وفات پاگئی۔ چونکہ اب اُس کے بچے بڑے ہوگئے تھے اوراُس کی اپنی صحت بھی

خراب رہتی تھی وہ ٦ جنوری ۱۸٦۹ئ کوانگلستان چھٹی پرچلاگیا۔

۹

۱۸٦۹ئ میں پادری فرنچ نے اور پادری نوٹ (French And Knott) نے لاہورمیں علم الہٰیات کےکالج کے لئے مہاں سنگھ کا باغ خریدا۔ لیکن پادری نوٹ فوت ہوگیا اورفرنچ اکیلا رہ گیا۔ کلارک اس کی مدد کے لئے لاہورمتعین کیا گیا اوروہ یکم جنوری ۱۸۷۱ئ کولاہورپہنچ گیا۔ اسی ماہ کالج کی ابتدا ہوئی۔ ابتدائی عبادت میں کلارک نے وعظ کیا۔ عبادت میں امریکن پرسبٹیرئن مشن کے تمام مشنری شریک ہوئے۔ اس کالج میں امریکن مشن اورچرچ آف سکاٹ لینڈ مشن والوں نے اپنے طلبائ پڑھنے کے لئے بھیجے اوراس طرح مختلف مشنوں کے پنجابی خادم الدین نے فرنچ اورکلارک کے قدموں میں بیٹھ کرعلمِ الہٰیات کی تحصیل کی۔

جب کلارک لاہورڈیونٹی کالج کی عمارت تعمیرکرارہا تھا تواُس وقت ہندوستانی عیسائیوں نے لڑکیوں کا ایک سکول کھولا جس میں صرف تین لڑکیاں پڑھتی تھیں۔اُنہوں نے کلارک سے درخواست کی کہ سکول اپنے ہاتھوں میں رکھے۔ امریکن مشن کے مشنریوں کی اجازت کے بعداُس نے سکول کوایسی خوشی اسلوبی سے چلایا کہ وہ ایک ہائی سکول ہوگیا اور بعد میں" لیڈی ڈفرن سکول" سے نامزد ہوا۔

مسیحی کتب کی طباعت اورفروخت کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ کلارک خود کتابوں کا کیڑا تھا اورمسیحیت کی اشاعت کے لئے کتب کا وجود نہایت ضروری تھا ۔ پس اُس نے امریکن مشن والوں کے ساتھ مل کر" پنجاب رلیجیس بک سوسائٹی " کی بنا ڈالی۔ پادری ایف ۔ ایچ بیرنگ کی فیاضی سے اس سوسائٹی کی عمارت کھڑی ہوگئی۔ کلارک اس کا پہلا سیکریٹری تھا اوربابو رادھا رمن راہا اس کا اسسٹنٹ تھا۔ کلارک بائبل سوسائٹی کا بھی سیکریٹری تھا۔

سطور بالا میں ذکر ہوچکا ہے کہ ڈاکٹر ایلمز کشمیر متعین کیا گیا تھا۔ موسومِ سرما میں اُس کو واپس پنجاب میں آنا پڑتا تھا۔ ۱۸۷۱ئ میں جب وہ کشمیر سے واپس آرہا تھا توراستہ میں گجرات میں وہ فوت ہوگیا۔ خدا کے حسنِ انتظام سے اُسی سال مشنریوں کوبارہ مہینے کشمیر میں رہنے کی

اجازت مل گئی پس ڈاکٹر ایلمزلی عین فتح کے وقت اس جہان فانی سے کوچ کرگیا۔ ۱۸۷۳ئی میں ڈاکٹر تھیوڈر میکسول(Theodore Maxwell) اورجان نکلسن (John Nicholson) فاتح دہلی کا بھانجا تھا کشمیر میں متعین کیا گیا۔ مہاراجہ نے بڑے تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا اورسری نگر میں ہسپتال تعمیر ہوگیا۔

ڈاکٹر ایلمزلی کی بیوہ حسینہ اورجمیلہ عورت تھی اورساتھ ہی فرشتہ سیرت بھی تھی۔ کلارک کی صلاح ومشورہ سے امرتسر میں زنانہ کام کرنے لگ گئی اوربعد میں اُس کا بیاہ پادری بیرنگ کے ساتھ ہوگیا لیکن بیاہ کے چند ماہ بعد وہ ابدی آرام میں داخل ہوگئی۔

۱۸۷۳ئی میں کلارک نے کتب مقدسہ کے بعض حصص پر اُردو میں تفسیریں لکھیں۔ اوراس غرض کے لئے اُس نے مولوی عماد الدین لاہز کو اپنے ساتھ شامل کرلیا۔ متی، یوحنا، اعمال کی کتُب پر تفسیریں لکھی گئیں اورکلید تورات بھی لکھی گئی۔

یکم مارچ ۱۸۷۳ئی کے روزکلارک نے پنڈت نرائن داس کھڑک سنگھ کو بپتسمہ دیا۔ پنڈت کھڑک سنگھ سنسکرت کا فاضل ، ویدوں کا عالم ہندؤ فلسفہ کا ماہر اورسکھ مذہب کی کتُب کا حافظ تھا۔ وہ اُود کی تحصیل امرتسر کا رہنے والا اوراُس کا نمبردار اعلیٰ تھا۔ اوراپنے فرائض کواحسن طورپرادا کرنے کی وجہ سے عوام میں ہردلعزیز اورحُکام بالا کے طبقہ میں نہایت بارسوخ شخص تھا۔ وہ سنسکرت زبان کا عالم اورآریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کا دوست تھا۔ اُس نے ویدوں اورسنسکرت کی دیگرکتابوں کا گہرا مطالعہ کیاتاکہ اُس کوکسی طرح شانتی حاصل ہوجائے۔ایک دفعہ وہ امرتسر کے ہندوتحصیل دار کے ساتھ تبادلہ خیالات کررہا تھا اُس نے کہا مجھے تاحال اطمینانِ قلب حاصل نہیں ہوا ۔ تحصیلدار نے اُس کو انجیل پڑھنے کو کہا لیکن اُس نے جواب دیاکہ بدیشی کتابوں میں کچھ نہیں رکھا۔ ہندوؤں کی کتابوں کے باہر شانتی نہیں ہوسکتی۔ تحصیل دار نے کہا کہ آپ جیسے عالم شخص سے یہ اُمید نہ تھی کہ کسی کتاب کوبغیر پڑھے فتوےٰ لگادیں۔ اس پر اُس نے سنسکرت کی انجیل مول لی۔ جُوں جُوں وہ

انجیل کا مطالعہ کرتا گیا اُس کے خیالات میں تبدیلی آتی گئی۔ اُس نے پوری بائبل مول لی اورخدا کاکلام اُس کے دل کومتاثر کرتا گیا۔ بالآخر اُس نے بپتسمہ پایا۔ اب مصیبتوں کا پہاڑ اُس پر ٹوٹ پڑالیکن اس جوانمرد نے ہرایذا کا صبر اوردلیری سے مقابلہ کیا۔ سوامی دیانند نے جواُس کا قدیم دوست اورہم جماعت تھا اُس کو بہت سمجھایا پس اُس نے دیانندی تاویل کی روشنی میں ویدوں کا ازسرِنومطالعہ کیالیکن اُس نے ان سب تاویلات کوباطل پایا۔ وہ کہتا ہے " خدا نے مجھے ویدوں کے لئے مطالعہ سے انجیل کی خدمت کے لئے تیارکردیا۔ کیونکہ اُس نے بائبل اورویدوں کی تعلیم کانئے زاویہ سے موازانہ کیا تھا۔

کھڑک سنگھ اپنے گاؤں میں ہی رہا اوراپنے عزیزوں اوررشتہ داروں کونجات کا جانفزا پیغام سناتا رہا وہ ہرخوردکلا کلاں سے محبت سے پیش آتا تھا۔ یوں اُس نے اُن مخالفوں کا منہ بند کردیا جوتبدیلی مذہب کی وجہ سے اُس پر بے بنیاد الزام لگاتے تھے۔

وہ سادھوؤں کے لباس میں پہلے کی مانند ہرجگہ پھرتا اورہر کو مسیح منجئی کا کلام سنا تا تھا۔ وہ پنجاب کی کلیسیا کا ایک رسول تھا جو بے شمار موقعوں پر میدانی اورپہاڑی علاقوں میں دوُردُور خدا کی نجات کا پیغام سناتا پھرا۔ اُس کو بس ایک ہی لولگی تھی اوراس دُھن میں اُس نے دھوپ، بارش، آرام ، نیند ، روٹی، پانی وغیرہ کی کبھی پروانہ کی سفر کی صعوبتوں کووہ خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس نے بارہاراتوں کوآسمان کے ستارے تلے گذارا۔ خدا کے عشق میں وہ دیوانہ دار ہر چہار سوُجدھر منہ آتا نکل جاتا۔ وہ کہتا تھا" جب میں ہندؤ ہوکریہ کرتا تھا توکیااب میں خداوند کا چیلا ہوکر یہ نہیں کرسکتا؟"اس کی بیوی اوردوبھائی اُس کے سخت مخالف تھے لیکن وہ بعد میں خودبھی مسیحی ہوگئے۔ اُس کی منادی کا نتیجہ یہ ہواکہ لوگ جوق درجوق کلیسیا میں شامل ہونا چاہتے تھے پس اجس کوپادری کے عہدہ پر فائز کردیا گیا تاکہ وہ خود اُن کو بپتسمہ دے سکے۔ انجیل کے اس رسول نے جموں اورکلو کی وادی میں انجیل کی اشاعت کے لئے چرچ مشن کے سیکریٹری کوایک ہزارروپیہ دیئے۔ (پنجاب مشن نیوز۔ ۱۵مئی ۱۸۸۹ئی)۔

اس نے ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے ساتھ مل کر ایک کتاب "آریہ سماج کی تعلیم کے اصول" لکھی جواس قدرمقبول

ہوئی اس کا انگریزی، ہندی اور پنجابی زبانوں میں ترجمہ ہوگیا۔ اس کتاب کی انگریزی اوراُردو کی دوسری ایڈیشن اگست ۱۸۸۸ئی میں چھپی۔

جس طرح مولوی عماد الدین اسلام پر کتب لکھتا تھا اور مسلمانوں کے ساتھ مباحثہ اورمناظرہ کرتا تھا اسی طرح پنڈت کھڑک سنگھ نے ۲۶ سال تک اہل ہنود کے ساتھ مباحثہ اورمناظرہ جاری رکھا۔

کلارک کی شخصیت اس قدر زبردست اورغالب تھی کہو جومشنری اُس کے پاس کام سیکھنے کے لئے آتا وہ کہیں واپس نہ جاتا بلکہ پنجاب کا ہی ہوجاتا۔۱۸۷۵ئی میں مسٹر ویلینڈ(Mr. Welland) نے جو کلکتہ میں سی ۔ ایم ۔ ایس کا سیکرٹیری تھا لکھاکہ آئندہ جومشنری کلارک کے پاس کام سیکھنے جائے وہ ضرور واپس کیا جائے کیونکہ لوگ اس کے پاس تجربہ حاصل کرنے کےلئے جاتے ہیں پر اُس میں ایسی کشش ہے کہ وہ واپس آنا نہیں چاہتے۔

رابرٹ کلارک خود چرچ آف انگلینڈ کا تھا لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ پنجاب کے مسیحی مغربی فرقوں کی زنجیروں میں جکڑے جائیں۔ اس کی دلی خواہش یہ تھی کہ ہندوستان کے عیسائی ان زنجیروں سے آزادرہ کر خودایک قومی کلیسیا کی بنا ڈالیں جوخداوند کی زیرتابع ہو۔اس مقصد کوپورا کرنے کے لئے اُس نے پنجاب دیسی چرچ کونسل (Native Church Council) کی بنیاد ڈالی تاکہ دیسی کلیسیا خود اپنا انتظام کرے۔ اپنے پاؤں پر کھڑی ہواورانجیل کی اشاعت کواپنا فرض اولین سمجھے۔ رابرٹ کلارک اس کا پریذیڈنٹ مقرر ہوا۔ اس کا پہلا اجلاس ۱۸۷۷ئی میں ہوا۔ اُس کے شرکائی نہ صرف چرچ آف انگلینڈ کے بپتسمہ یافتہ مسیحی تھے بلکہ امریکن پرسبٹیرین مشن کے ہندوستانی نومرید بھی اس کے شرکائی تھے کیونکہ کلارک اس کو نسل کو مغربی تفرقوں سے پاک رکھنا چاہتا تھا۔ پادری جان نیوٹن اوردیگر امریکن مشنری اس کونسل کے پہلے اجلاس میں موجود تھے۔ جب یہ کونسل شروع ہوئی توہندوستانی مسیحیوں میں انتہائی جوش کی لہر پھر گئی اوراُنہوں نے فیاضی اوردریادلی سے چندہ دینا شروع کردیا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ یہ کونسل دیرپاثابت نہ ہوئی۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک لکھتا ہے کہ" اس کی ناکامی کا ذمہ ہندوستانی مسیحیوں

کی گردن پر نہیں ہے بلکہ اُن پر دیسی مشنریوں کی گردن پر ہے جو مدد کرنی تو درکنار اس تحریک کو حسد، مخالفت اورشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کلیسیائی قیود اورقوانین کی آہنی زنجیروں نے اس نوزائیدہ بچہ کا گلا گھونٹ دیا"۔ رابرٹ کلارک لکھتا ہے " جب دیسی کونسل قائم کی گئی تو بے انتہا جوش پیدا ہوا۔ اگرتمام مشنری اس تحریک کے معاون ہوتے توملک کی حالت دگرگوں ہوجاتی"۔

بعض اشخاص کی یہ رائے تھی کہ چونکہ کلیسیا میں نسل کا امتیاز نہیں ہے اس لئے دیسی اورانگریز مسیحی ایک ہی کونسل میں ہونے چاہئیں۔لیکن رابرٹ کلارک اس تجویز کاآخری دم تک مخالف رہا۔ اس کا خیال تھاکہ اس طرزعمل سے ہندوستانی مسیحیوں کونشوونما پانے کاکبھی موقعہ نہ ملیگا دیسی کلیسیا چرچ آف انگلینڈ کی دُم بنی رہیگی۔ کلیسیا میں کبھی زندگی نہ آئیگی۔ اوریورپین عنصر کے غالب رہنے کی وجہ سے ہندستانی کلیسیا کبھی کلیسیائی معاملات کا انتظام اپنے ہاتھوں میں نہ لے سکیگی۔ چنانچہ ایک مضمون میں وہ لکھتا ہے :

اب ہندوستان جاگ اٹھا ہے اوراس کی روح نے ہندوستانی کلیسیا کوبھی متاثرکردیا ہے۔ جوخیالات دس سال پہلے لوگوں میں خوابیدہ تھے وہ اب ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ پس وقت آگیا ہے کہ ہم ان تعلقات پرازسرنوغورکریں جومشنریوں میں اوراُن کے کارندوں اورہندوستانی مسیحیوں میں ہونے چاہئیں۔ اس کے حل کرنے کے لئے برادرانہ محبت اور تقدیس شدہ عقل کی ضرورت ہے۔ خواہ ہم ہندوستانی ہوں یا انگریز ہوں ہمارا واحد مقصد یہ ہے کہ اس ملک میں خدا کی بادشاہی قائم ہوجائے۔پس ہمیں ہرمرحلہ پر اپنے ساتھ ہندوستانی کلیسیا کوشامل کرنا چاہیے۔ اب تک صرف انگریز مشنری کلیسیاؤں کوپودا لگات اوراُن کی نگہداشت کرتے رہے ہیں۔ لیکن چونکہ ہم دونوں کا مقصد واحد ہے لہذا ہمارا طرزِعمل بھی واحد ہونا چاہیے۔ مسیحی کلیسیا دونوں میں تفریق نہیں کرتی بلکہ دونوں کواکٹھا کرتی ہے۔پس مشن کاکام صرف انگریز مشنری ہی نہیں بلکہ ہندوستانی بھی کریں۔کلیسیا کی قوت اورخوشحالی اسی میں مضمر ہے کہ مسیح کی کلیسیامیں مشنری اورہندوستانی

واحد ہوکر رہیں۔ ہم یہاں اس واسطے نہیں آئے کہ ہندوستانیوں کوغلام بناکررکھیں۔مسیحیت کسی قوم کو غلام نہیں بناتی بلکہ اُس کو مضبوط بنا کر سرفرازکرتی ہے۔ صرف مسیحیت ہی ایک ایسا مذہب جوسب کوہرقسم کی غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرتا ہے"۔ جب بیٹا اُن کو آزاد کرتا ہےتووہ درحقیقت آزاد ہیں"۔ وہ سچائی کو جان گئے ہیں اورسچائی نے اُن کو آزاد کردیا ہے"۔ ہمارے ہندوستانی بھائی تبلیغی اورکلیسیائی اُمورکو چلانا چاہتے ہیں اوریہ اُن کا پیدائشی حق ہے کہ وہ اُس کام کو چلائیں ۔ مسیح کی بادشاہی کو اپنے ملک میں قائم اوراستوارکرنا ان کا حق ہے۔ اب تک وہ مشنریوں کے مددگار ہی رہے لیکن اب ان کومشنریوں کی طرح مشن کے ہرشعبہ میں مستقل طورپر خودذمہ دارہوکر کام کرنا چاہیے جہاں دونوں عقل ۔لیاقت وغیرہ میں ہم پلہ ہوں وہاں ہندوستانی کومشنری پرترجیح ملنی چاہیے"۔(پنجاب مشن نیوز۱۵ ستمبر۱۸۸۸ئی صفحہ ۱۵، ۱۶)۔

ان دنوں میں پادری میاں صادق امرتسر کا پاسٹرتھا۔ اُس نے فروری ۱۸۵۹ئی میں بپتسمہ پایا تھا۔ وہ نارروال کا باشندہ تھا۔ تقریباً ۱۳ سال کیٹی کسٹ رہا اورپھر فرنچ کے قدموں میں علم الہٰیات حاصل کرتا رہا۔ اس کے بعد بٹالہ میں وہ اکیلا مسیح کا مبشر رہا۔ اُس کو مسیح کی قربت حاصل تھی۔ وہ پہلا شخص جوپنجاب سے کنعان اورارضِ مقدس کوگیا تھا۔ بعد کے زمانہ میں وہ مدُت تک اجنالہ میں رہا۔ اُس نے اجنالہ کو مرکزی مقام بناکر دُوردُورتک گاؤں گاؤں میں کلیسیائیں قائم کردیں اوربلاآخر اجنالہ میں ہی فوت ہوگیا۔

رابرٹ کلارک عیسائیوں کو اعلیٰ رتبوں پر فائز اورمالدار دیکھ کر بڑا خوش ہوتا تھا۔ وہ اُن تنگ نظر لوگوں میں سے نہ تھا جوچاہتے ہیں کہ عیسائی ہمیشہ محکوم اورتابع رہیں۔ اُس کی دلی خواہش یہ تھی کہ عیسائی اعلیٰ مدارج حاصل کریں۔ اوران میں علم کی روشنی چمکے۔ پس اُس نے عیسائی لڑکیوں کے لئے امرتسر میں الگزینڈرا گرلز ہائی سکول قائم کیا اور۱۸۷۷ئی میں بیرنگ کی فیاضی اوردریادلی نے بیرنگ ہائی سکول کی بنیاد بٹالہ میں ڈالی۔ ۱۸۸۴ئی میں علی گڑھ کے سرسید احمد خاں نے الگزینڈراسکول کودیکھا اورنہایت خوش ہوا۔

۱۸۷۸ئی میں مسز کلارک کی صحت نہایت خراب ہوگئی اورکلارک اُس کو انگلستان لے گیا۔

۱۰

جب رابرٹ کلارک انگلستان سے واپس آیا توپنجاب کی کلیسیا کے حالات میں بہت تبدیلی واقع ہوچکی تھی۔ ۱۸۷۸ئی میں پنجاب کلکتہ کے بشپ کے ماتحت نہ رہا اورسندھ کا علاقہ بمبئی کے بشپ کے ماتحت نہ رہا۔ پنجاب اورسندھ لاہور کے نئے اُسقف بشپ فرنچ کے ماتحت کردئیے گئے۔ فرنچ نے رابرٹ کلارک کو اپنا آرچ ڈیکن مقررکرنا چاہا۔ لیکن حکومت ہند اس تجویز کے خلاف تھی۔ جب پنجاب کے لئے نیا اسقف مقرر کردیا گیا توچرچ مشنری سوسائٹی نے بھی پنجاب کوسی۔ ایم۔ ایس کلکتہ کے سیکرٹری کے ماتحت نہ رکھا بلکہ پنجاب کے لئے رابرٹ کلارک کوپہلا سیکرٹری مقرر کردیا۔کلارک نے امرتسر کو اپنا ہیڈکوارٹر بنایا اوراس مرکز سے مختلف مشنریوں کو اپنے وسیع تجربہ سے مدددیتااوراُن کی نگرانی کرتا رہا۔ غریب بشپ فرنچ کا اُس کے چیپلین دم نام میں رکھتے تھے ۔لیکن کلارک اُس کے ماتحت مشنری یکدلی اورتعاون سے کام کرتا تھا۔ کلارک نے ماتحت مشنری اُس کی ذات پر فخر کرتے تھے۔ ان دنوں میں امریکن پرسبٹیرین مشن کا عمر رسیدہ مشنری ڈاکٹر اُلمن Dr. Ullmanامرت تسرآیا۔ اُس کی نسبت رابرٹ کلارک لکھتا ہے"یہ جرمن مشنری انگریز مشنریوں کی نسبت ہندوستان اوراُس کے باشندوں سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ وہ زیادہ سادہ زندگی بسر کرتے ہیں اور زیادہ مستقل مزاج ہیں اوراُن کو غالباً خدا کی قربت زیادہ حاصل ہے خدا کرے کہ ہم اُن سے یہ باتیں سیکھیں۔

۱۸۸۵ئی میں بلوچستان میں تبلیغی کام کے لئے کوئٹہ کومرکز بنایا گیا۔ کلارک کا یہ اُصول تھاکہ سرحدی مشن زیادہ تقویت پائیں تاکہ جونہی سرحد کی طرف دروازہ کھلے مسیحی فوراً سرحد پارکرکے ملک پر مسیح کا جھنڈا گاڑدیں۔

اُس زمانہ میں پنجاب کے بعض چیپلین کلیسیائی رسوم وغیرہ کے سخت پابند تھے۔ اس پر کلارک لکھتا ہے" اگرسرکار کوسرکاری بشپ چاہیے تووہ بیشک ان کو مقرر کرے لیکن ہمارے کام کے واسطے مشنری بشپ کی ضرورت ہے ۔کسی صدراُسقف کو یہ مجازنہیں کہ وہ ہمارے کام کے لئے ایسے

آدمی مقرر کرے جس کے خیالات ہمارے خیالات سے مختلف ہوں۔ ہم جو مشنری ہیں کیوں قیود کے بندھنوں میں بندھ جائیں جب کہ سرکارہماری ہستی کی پرواہ نہیں کرتی اورمشنری کام کا لحاظ نہیں کرتی۔

۱۸۸۲ئی میں گورنمنٹ نے اُس کو پنجاب یونیورسٹی کا فیلو مقرر کردیا۔

۱۸۸۵ئی میں کنٹربری کے صدر اُسقف نے مولوی عمادالدین لاہز کو ڈی ۔ ڈی کی ڈگری عنایت فرمائی۔

رابرٹ کلارک کا سیکرٹری کی حالت میں یہ طرزعمل تھاکہ وہ مشنری کی جان کوروپیہ سے زیادہ عزیز سمجھتا تھا۔ فی زمانہ میں مشنوں میں عموماً یہ خیال کیا جاتا ہےکہ کارگذارکو جتنا تھوڑا روپیہ دے سکودو۔ لیکن کلارک روپیہ کی نسبت کارندہ کی جان اورصحت کی زیادہ قدرکرتا تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ ہرایک مشنری کا گھر پُرصحت ہواورجب وہ تھک کرکام سے واپس آئے تواُس کوآرام ملے۔ اُس کواچھا کھاناملے تاکہ بغیرکسی دنیاوی فکرکے وہ اچھی طرح کام کرسکے۔

مارچ ۱۸۹۸ئی میں اُس نے سیکرٹری کا کام چھوڑدیا اورپادری ایچ ۔ جی ۔ گرے (H.G. Gray) اُس کی جگہ سیکرٹری مقرر ہوا۔اُس نے انگلستان رہائش اختیارکرنے کا خیال ترک کردیا اورامرتسر میں موسم سرما اور شملہ میں موسم گرما کاٹنے کا فیصلہ کرلیا۔

یکم مئی ۱۹۰۰ئی کوموسم گرما کاٹنے کےلئے وہ کسولی گیا۔ وہاں چند روزبعداُس کی صحت خراب ہوگئی۔ اُس کومعلوم ہوگیاکہ اُس کاآخری وقت نزدیک آگیا ہے۔ مسزکلارک نے اُس کے پاس بیٹھ کر ۲۳ واں زبورپڑھا اورمسیح کا یہ وفادارخادم ۱۶ مئی ۱۹۰۰ئی بدھ کے روزسات بج کرپانچ منٹ پر اپنے خداوند کے آرام میں داخل ہوگیا۔ اُس کی وصیت کے مطابق اُس کی لاش امرتسر لائی گئی۔ ہزاروں مسیحی اور غیر مسیحی جنازے کے ہمراہ قبرستان گئے۔ سڑکوں پر آدمیوں کے سوا اورکچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہندوستانی مسیحیوں نے اپنے عزیز سردار رہنما اوردوست کی لاش اپنے کندھوں پر رکھی۔ اوراُس کو سپردِخاک کیا۔

پادری اینڈروگورڈن۔ ڈی ۔ڈی

REV.ADNREW GORDON

الگزینڈر گورڈن (Alexander Gordon) مانٹروس سکاٹ لینڈ (Montrose, Scotland) میں ۱۷۸۸ئ کے قریب پیدا ہوا۔ سکاٹ لینڈ سے نقل مکانی کرکے وہ امریکہ چلا گیاجہاں وہ ۱۸۴۵ئ میں فوت ہوگیا۔ اُس کا بیٹا اینڈرو پٹنم نیویارک (Putnam, New York) میں ۱۷ ستمبر ۱۸۲۸ئ کے روزپیدا ہوا۔

اینڈرولڑکپن ہی سے خدا پرست اوردیندار تھا۔ عالم شباب میں اُس نے اچھی تعلیم حاصل کرکے مذہبی اُمورکی جانب رُخ کیا۔ حسن اتفاق سے اُس کو بیوی بھی ایسی ملی جوہرطرح سے اُس کی مددگارتھی۔ شادی سے پہلے اُس کا نام ربقہ کیمبل سمتھ تھا۔وہ ایک پارسا عورت تھی جس کے دل میں مسیح کی محبت جاگزین تھی۔ دونوں کی شادی ۱۸۵۲ئ میں ہوئی۔ شادی کے بعد دونوں میاں بیوی خدا کے کام میں مشغول رہتے تھے۔ اینڈرو کا ابھی تقرر نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے علاقہ کے پاسبان کے ماتحت دینی اُمورکوسرانجام دیتا تھا۔

جُون ۱۸۵۴ئ میں امریکہ کے شہر پٹس برگ (Pittsburgh) میں جب ایسوسی ایٹ پرسبٹیرین سنڈ آف نارتھ امریکہ (Associate Presbyterian Synod of North America) کا اجلاس ہوا تویہ قرارپایاکہ ہندوستان میں انجیل کی اشاعت کے لئے ایک مشن کھولا جائے۔ پادری اینڈرو گورڈن کوپہلا مشنری مقررکیا گیا۔ چونکہ اس تقررکے لئے اُس نے کسی قسم کی کوشش نہیں کی تھی لہذا اُس کواُس نے اُس نے اوراُس کی بیوی نے الہٰی بلاہٹ سمجھ کر قبول کرلیا۔ اُس نے اپنی بہن ایلزبتھ کوبھی مشنری بننے کی ترغیب دی اوروہ بھی اُن کے ساتھ ہندوستان آنے کے لئے تیارہوگئی۔ یہ تینوں ۲۸ دسمبر ۱۸۵۴ئ کے روزجہازمیں سوارہوگئے۔

ساڑھے چارہ ماہ کے بعد ۱۳ فروری ۱۸۵۵ئ کے روز کلکتہ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر وہ سیدھے ڈاکٹر ڈف (Dr. Duff) کے مکان پر گئے۔ ان دنوں میں ڈاکٹر موصوف ہندوستان میں نہیں تھے پس وہ چند دنوں کے لئے ایک بورڈنگ ہاؤس میں چلے گئے۔ ۳ مارچ کے روزوہ کلکتہ سے روانہ ہوگئے ۔ راہ میں اُنہوں

نے الہ آباد، مین پوری، فتح پور اورسہارن پور میں مشنریوں سے ملاقات کی ۔ چونکہ سہارنپور میں پادری جے کالڈویل (Rev. J. Caldwell) نہیں تھے وہاں کے مبلغین نے اُن کو اُس کے گھر میں اتارا تاکہ وہ وہاں رہ کر زبان کی تحصیل کرلے۔ اورمختلف تبلیغی مساعی سے واقف ہوکر تجربہ حاصل کرلے۔اسی سال وہ ہردوار کے میلہ پر دیگر مبلغین کے ساتھ گیا۔ سہارن پور میں قیام کرکے اُس نے چاروں طرف نگاہ کی تاکہ اپنی تبلیغی مساعی کے لئے ایک مرکز تجویز کرے۔ اس غرض کے لئے اُس نے علی گڑھ ، باندہ، بریلی اورسیالکوٹ پیش نظر رکھے اوربلاآخر سیالکوٹ اُس کو پسند آیا کیونکہ پنجاب حال میں ہی انگریزوں کے قبضہ میں آیا تھا اوراُس میں تبلیغی مساعی کے لئے بہت گنجائش تھی۔ پس اُس نے کپتان جان مل(Capt. John Mill) کے ساتھ جوسیالکوٹ میں رہتا تھا خط وکتابت شروع کی۔ اپنی بیوی اوربہن کوسہارن پورچھوڑکر گورڈن اکیلا سیالکوٹ آیا۔ وہ اُس مقام کودیکھ کربہت خوش ہوا اوررہائش کے لئے مقام تجویز کرنے لگا۔ اُس نے شہر کے باہر زمین خریدی اورایک گھر تعمیر کیا۔ ان دونوں الیشع سوفٹ (Elisha Swift) اورعبداللہ آتھم دورے پر نکلے ہوئے تھے۔ الیشع سوفٹ نے گورڈن کوبتایاکہ وہ پانچ بھائی تھے جویتیم ہوگئے تھے۔ دوبڑے بھائی برطانوی فوج میں بھرتی ہوکر جنگ کابل میں چلے گئے۔ باقی تین بھائی لدھیانہ کے مشن کے یتیم خانہ میں داخل کئے گئے اوراُن کا نام ڈانیل سوفٹ، الیشع سوفٹ، اورجی ڈبلیو سکاٹ رکھا گیا۔ جی۔ ڈبلیوسکاٹ ایک دیندار اورمحنتی لڑکا تھا۔ ایک مسلمان تاجر نے اُس کے پشاورمیں ملازم رکھ لیا۔ لیکن وہ ہردم مسیح کا نجات بخش پیغام لوگوں کوسناتا رہتا تھا۔ ۱۸۴۲ئ کی جنگِ کابل کے بعد ایک انگریز خاتون کتابِ مقدس کی جلدوں کوکابل بھیجنا چاہتی تھی۔ کرنیل ویلر (Col. Wheeler) کی خواہش تھی کہ ان جلدوں کومفت تقسیم نہ کیا جائے بلکہ ان کو افغانستان میں فروخت کیا جائے۔ صلیب کے جانبازعاشق سکاٹ نے فوراً اس کام کا بیڑا اٹھایا اورپشاور سے کابل پہنچا اوروہاں کتابِ مقدس کی جلدیں فروخت کرنے لگا۔ جب امیردوست محمد خاں کوخبرملی تواُس نے سکاٹ کوگرفتارکرلیا اورکہا کہ اگرتم کلمہ نہ پڑھوگے توقتل کئے جاؤگے ۔ سکاٹ نے کہا اگرمجھے

دلائل سے مسلمان کیا جائے گا تو مجھے عذر نہ ہوگا۔ اس پر مباحثہ شروع ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہواکہ امیر دوست محمد خاں نے سکاٹ کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اُس کوواپس علی مسجد تک صحیح وسلامت بھیج دیا گیا لیکن کتاب مقدس کی جلدیں کابل میں ہی رہ گئیں۔

گورڈن نے اس جوانمرد کوہمخدمت ہونے کے لئے سیالکوٹ بلالیا۔ الیشع سوفٹ بھی مئی ۱۸۵۶ئی میں وہاں پہنچ گیا۔اورجولائی میں گورڈن کے ساتھ کام کرنے لگ گیا۔ اسی سال پادری افرائیم ایچ سیٹونسن (Ephraim H. Stevenson) اورپادری آر۔ اے ہل (R.A. Hill) سیالکوٹ آگئے۔اورسٹیونسن نے غیر مسیحیوں کے لئے سکول چلانا منظورکرلیا۔ اس کے ساتھ ہی یہاں ایک یتیم خانہ کھول دیا گیا اورمس ایلزبتھ گورڈن اس کی نگران مقررکی گئی۔ ان دنوں میں بخارکے عارضہ سے اموات کثرت سے ہوئی تھیں۔ پس ۱۸۵۷ئی میں ۲۲ یتیم بچے یتیم خانہ میں داخل کئے گئے۔

نومبر ۱۸۵۶ئی میں گورڈن اوراُس کے ہمخدمت سیالکوٹ کے گردونواح میں انجیل جلیل کا پیغام سنانے لگے۔ وہ گاؤں بہ گاؤں اورشہر بہ شہر پھرتے ساٹھ میل جہلم تک نکل گئے۔ وہاں سے واپس آکر وہ ظفروال کی جانب چلے گئے۔ سکاٹ اورسوٹ ان کے ساتھ تھے۔ وہ ظفروال میں روزانہ بازاری منادی کرتے اورگردونواح کے گاؤں میں نجات کا پیغام دیتے تھے۔ اُنہوں نے ہزاروں کتابیں مفت تقسیم کردیں اورحق کے متلاشی گورڈن کے پاس آنے شروع ہوگئے۔

۳

۱۸۵۷ئی کا سال تمام ہندوستان میں فساد کا زمانہ تھا۔ ۱۴مئی کے روزڈپٹی کمشنرنے گورڈن کواطلاع دی کہ سرجان لارنس نے پیغام بھیجا ہے کہ ہرپردیسی لاہورکے قلعہ میں پناہ گزیں ہوجائے ورنہ وہ کسی کے جان ومال کی حفاظت کا ذمہ دارنہ ہوگا۔ ۱۱جون کے روزگورڈن اوراُس کے ہمخدمت لاہور کی طرف روانہ ہوگئے اور جب تک فساد ختم نہ ہوا لاہورکے قلعہ میں مقیم رہے،

۴

گورڈن کی یہ خواہش تھی کہ شہر کے درمیان گرجہ کی تعمیر کے لئے ایک قطعہ زمین خریدا جائے لیکن غیر مسیحی

اس کے سخت مخالف تھے۔ پس اُس نے شہر کے باہر تحصیل کے قریب زمین کا ایک قطعہ حاصل کیا۔ گرجہ گھر کی تعمیر کے لئے چار ہزارروپیہ چندہ فراہم ہوگیا اور عمارت کھڑی ہوگئی۔ جب عمارت کھڑی ہوگئی توکمشنر نے حکم بھیجا کہ اس عمارت کوسرکاری کام کے لئے استعمال کیا جائے یا اس کو مسمار کیا جائے کیونکہ سرکار کویہ اندیشہ لاحق ہوگیا تھاکہ چونکہ گرجہ کی عمارت تحصیل کے قریب ہے ممکن ہے غیر مسیحی یہ خیال کرلیں کہ گورنمنٹ خود اس گرجہ کوتعمیرکررہی ہے ! علاوہ ازیں گرجہ گھر کا مسجد اور مندر کے قریب ہونا ایک خطرناک امر خیال کیا گیا۔ لیکن سب سے بڑا اعتراض یہ تھاکہ اگرآئندہ کسی فساد کے زمانہ میں تحصیل کوقلعہ کے طورپر استعمال کرنا پڑے توگرجہ اس مقصد براری میں مانع ہوگا۔

گورڈن اوراُس کے ہم خدمتوں نے اس حکم کے خلاف اپیل کی۔ سررابرٹ منٹگمری نے بھی وائسرئے لارڈ کیننگ کولکھا۔ جب لارڈ کیننگ سیالکوٹ آیا تواُس نے یہ فیصلہ دیاکہ گرجہ کومسمارنہ کیا جائے۔

جب فسادات کا زمانہ ہوگیا اورگورڈن اوراُس کے سب پردیسی ہمخدمت واپس سیالکوٹ صحیح سلامت زندہ پہنچ گئے تواُنہوں نے خدا کا شکرکیا اورانجیل کی اشاعت میں آگے سے بھی زیادہ سرگرم ہوگئے۔ ۲۵اکتوبر۱۸۵۷ئی کے روزایک تعلیم یافتہ ہندورام بھجن اورایک چوہڑہ جوہری کا اکٹھا بپتسمہ ہوا۔ یہ گورڈن کے پہلے نومرید تھے۔ ۱۴نومبر کوایک اورچوہڑہ جماتوعیسائی ہوگیا۔

جب چوہڑوں میں سے لوگ عیسائی ہونے لگے توایک مشنری کانفرنس میں کہا گیا کہ گورڈن نے بڑی غلطی کی ہے کیونکہ اب اونچی ذاتوں والے کلیسیا میں داخل نہیں ہونگے۔ لیکن یہ خیال غلط ثابت ہواکیونکہ اس کے تین ہفتہ بعد ایک اورمعزز مسلمان عیسائی ہوگیا اور ۱۸۵۸ئی میں نوہندوؤں اورمسلمان نے بپتسمہ پایا۔ جن میں ایک عورت بھی تھی۔ متلاشیانِ حق کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی ۔ ان کی روزگار کی سبیل کے لئے ان کومختلف کام سکھائے گئے ۔ مثلاً مردوں کوصابن، تیل، موم بتیاں، اورتارپین وغیرہ بنانا اورعورتوں

کوسینا پرونا وغیرہ سکھایا گیا۔ ستمبر ۱۸۵۹ئی میں مشن سکول کا ایک لڑکا بال کرشن جوبنارس کے پنڈت کا کارام کا پوتا تھا عیسائی ہوگیا اُس کا نام ٹامس سٹنسن (Thomas Stinson) رکھا گیا ۔ تمام شہر میں ہیجان پیدا ہوگیا۔ برہمنوں نے اُس کو سمجھایا دھمکایا اوربہتیرا ورغلایا لیکن اُس نے کسی کی نہ مانی۔ اوربپتمسہ پاکرسیالکوٹ سے چلاگیا۔

مئی ۱۸۵۸ئی میں اتحاد کی وجہ سے کلیسیا کا نام بدل دیا گیا اوراس کا نام یونائٹیڈ پرسبٹیرین چرچ آف نارتھ امریکہ (United Presbyterian Church of North America) رکھا گیا۔

۷جنوری ۱۸۵۹ئی کے روز الیشع پی سوفٹ اور جارج واشنگٹن سکاٹ کا خادم الدین کے عہدے پر تقرر ہوگیا۔ اسی سال ماہ جولائی میں لڑکوں کا سکول شہر سے باہر آگیا۔

جنوری ۱۸۶۳ئی میں گجرانوالہ میں مشن نے کام شروع کردیا اورپادری بار(Rev. Barr) اورپادری سکاٹ وہاں بھیجے گئے۔ اسی سال لڑکوں کا یتیم خانہ بھی سیالکوٹ سے گجرانوالہ تبدیل کردیا گیا۔ اورصرف لڑکیاں سیالکوٹ کے یتیم خانہ میں رہ گئیں۔

فروری ۱۸۶۴ئی میں گورڈن سیالکوٹ کی آب وہوا اور کام کی مشقت کی وجہ سے بیمار ہوگیا۔ پس صحت کی بنا پر دس سال کے بعد اُس کو اوراُس کے خاندان کونومبر ۱۸۶۴ئی میں واپس امریکہ جانا پڑا۔ اس دس سال کے عرصہ میں ۲ہندوستانی مسیحی خادم الدین کے عہدے پر مقررکئے گئے۔ سیالکوٹ اورگجرانوالہ میں مشن قائم ہوگئے۔ دومستقل کلیسیائیں قائم ہوگئیں۔ لڑکوں کے یتیم خانہ میں ۲۴ اورلڑکیوں کے یتیم خانہ میں ۱۷افراد تھے۔ تین لڑکوں کے سکولوں میں دوسوسے زائد طلبائی پڑھتے تھے۔ اورایک انڈسٹریل سکول کھول دیا تھا۔

۶

ظفروال کے قریب نواں پنڈ کے میگھوں میں کام شروع کردیا گیا۔ یہاں میگھوں کے ۲۵خاندان تھے جوکپڑے بُنتے تھے ۔ اُن کے نمبردار رام کا بیٹا کنھیا اورایک نوجوان بھجن مسٹر سکاٹ کی کوششوں سے نومبر ۱۸۶۶ئی میں عیسائی ہوگئے۔تب میگھوں میں بڑا جوش اورہیجان پیدا ہوگیا۔ اُن کی برادری نے اُن پر طرح طرح کے ظلم کئے۔ اُن کوبُری طرح زدوکوب کیاگیا۔

لیکن خدا نے اُن کو ایمان کی استقامت بخشی اور اُن کے پیٹنے والوں میں سے ایک حسن خاں نے جو ظفروال کا نمبردار تھا مشن کے لئے گیارہ ایکڑ زمین دے دی۔ اس جگہ کا نام سکاٹ گڑھ رکھا گیا۔ کنھیا اور بھجن کو اُن کے گھروں سے نکال دیا گیا۔ اُن کی بیوی بچے اُن سے چھن گئے لیکن اُنھوں نے خداوند کا انکار نہ کیا۔ کنھیا نے اپنے بچوں کے لئے عدالت میں دعویٰ دائر کردیا لیکن اُس کے رشتہ داروں نے اُس کی بیوی بچوں کو کشمیر میں کسی نامعلوم جگہ بھیج دیا۔ کنھیا جموں گیا اور عدالت میں اپنے بیوی بچوں کے لئے چارہ جُو ہُوا پر اُس کی شنوائی نہ ہوئی۔ لیکن جہاں کہیں کنھیا گیا وہ خداوند کی انجیل کی بشارت دینے سے باز نہ آیا۔ خدا نے بھی بالآخر اُس کی مراد پوری کردی اور اُس کے بچے اُس کو مل گئے۔ اُس نے سکاٹ گڑھ میں رہائش اختیار کرلی۔ اُس کی استقامت کا یہ نتیجہ ہوا کہ باقی میگھ بھی یکے بعد دیگرے عیسائی ہوگئے۔ اُس کی بیوی بھی اُس کے پاس آکر رہنے لگی اور ۱۸۷۱ئی میں عیسائی ہوگئی۔ اُس کے لڑکے لہنامل اور گنڈامل انجیل کی خدمت کرنے لگ گئے۔ کنھیا اور بھجن سکاٹ گڑھ کے پہلے ایلڈر مقرر کئے گئے۔

۷

ہم اُوپر ذکر کرچکے ہیں کہ مشن لڑکوں کا یتیم خانہ گجرانوالہ میں منتقل کردیا تھا۔ ان لڑکوں میں سے دو کا باپ دیوی بھیجا ذات کا برہمن تھا اور فوج میں افسر تھا لیکن لکھنئو کے محاصرہ میں فساد کے ایام میں مارا گیا تھا۔ ۱۸۶۰ئی کے زمانہ قحط میں اُس کی بیوی اور بچوں نے پنجاب کا رخ کیا اور سیالکوٹ آگئے۔ پادری ہل نے اُن کو یتیم خانہ میں داخل کرلیا۔ چھوٹے کا نام جارج لارنس ٹھاکرداس رکھا گیا اور بڑے بھائی کا نام ویلیس (Wallace) رکھا گیا۔ جارج لارنس کو مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔ اور وہ رفتہ رفتہ گجرانوالہ کے شہر کے سکول میں اُستاد ہوگیا۔ ۱۸۷۰ئی میں انٹرنس پاس کرکے وہ انجیل کی خدمت کرنے لگ گیا۔

۸

۱۸۶۴ئی میں پولیس نے جرائم پیشہ اقوام میں سے ایک قوم کے آدمی گرفتار کرلئے اور اُن کے لڑکے مشن کے یتیم خانہ میں داخل کئے گئے۔ ان میں سے ایک نثار علی تھا۔ جب اُس کا باپ قید سے چھوٹ کر آیا تو اُس نے کوشش کی کہ نثار علی

کواپنے ساتھ لے جائے۔ لیکن نثار علی اس اثنائی میں عیسائی ہوگیا تھا اورواپس جانا نہیں چاہتا تھا۔ اُس کی شادی کنہیا کی سب سے بڑی لڑکی بسو سے ہوگئی اوروہ انجیل جلیل کی خدمت کرنے لگ گیا۔ ۱۲نومبر ۱۸۸۵ئ کے روز اُس کا تقرر خادم الدین کے عہدے پرکیا گیا۔

۹

۷ فروری ۱۸۷۶ئ کے روزگورڈن سیالکوٹ سے گورداس پور تبدیل ہوکر گیا۔ اس سے پہلے گورداسپور میں امام الدین شہبازکام کرچکا تھا۔ اس علاقہ میں قریباً دوہزار گاؤں تھے۔ گورڈن کی یہ خواہش تھی کہ وہ اُن سب گاؤں میں انجیل جلیل کا پیغام سنائے۔ غیر مسیحی بہت چاہتے تھے کہ گورڈن وہاں لڑکوں کی تعلیم کے لئے ایک سکول کھولے۔ لیکن گورڈن اس قسم کے تبلیغی طریقہ کے خلاف تھا۔ وہ صرف انجیل کی بشارت کرنی چاہتا تھا۔ گورداسپور جاتے ہی اُس نے اونچی ذات کے غیر مسیحیوں میں انجیل سنانی شروع کردی۔ گورداسپور کے گورنمنٹ سکول کے سامنے وہ انجیل کا پیغام سناتا تھا۔ لڑکے اُس کے اردگرد جمع ہوجاتے اورنہایت غور سے اُس کی منادی سنتے تھے۔ اوربعد میں اُس کے گھرآکراُس سے بات چیت کیا کرتے تھے۔ گاؤں میں بھی جب وہ جاتا توہندوؤں ۔مسلمانوں اور سکھوں میں ہی زیادہ ترانجیل سناتا تھا ۔ غیر مسیحی بڑی خوشی سے اُس کے وعظ سنتے تھے۔ اُس کو بڑی اُمید تھی کہ اُن میں سے بہت سے اشخاص نجات دہندہ کے قدموں میں آجائینگے۔ ہندو اورمسلمان اُس سے انجیل لے کر مطالعہ کرتے اورایک دوسرے کے ساتھ مذہبی اُمورپر گفتگوکیا کرتے تھے۔ قریباً پچاس تعلیم یافتہ غیر مسیحی حق کے متلاشی ہوگئے لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ مسیح کی خاطر سب کچھ چھوڑدے۔

اس کے ساتھ ساتھ گورڈن نے نیچی ذات والے لوگوں کوبھی نظر انداز نہ کیا۔چوہڑوں میں سے بہت سے لوگ خداوند کے قدموں میں آگئے ۔ دینانگر میں بھی کام کھولا گیا اوروہاں ۱۸۷۶ئ میں عزیز الحق بھیجا گیا۔ عزیر الحق نارروال کے سکول میں طالب علم رہ چکا تھا۔ امرتسر میں اُس کو پادری رابرٹ کلارک نے بپتسمہ دیا تھا۔ لیکن اُس کی بیوی امرتسر میں بیمار رہتی تھی لہذا وہ گورڈن کے پاس آگیا تھا۔

مسلمانوں نے دینا نگر میں اُس کی مخالفت کی لیکن انجیل کی بالاآخر فتح ہوئی اور۱۸۸۴ئی میں دینا نگر شہر سے اٹھارہ آدمی عیسائی ہوگئے۔

گورڈن اپنا دس سالہ تجربہ بیان کرکے کہتا ہے کہ جب میں گورداسپور گیا تو میری نظر شہروں اورقصبوں پر تھی لیکن وہاں سے مجھے دیہات کی طرف نظر کرنی پڑی۔ میں تبلیغی کام کو پہلے اُونچی ذاتوں میں کرتا تھا لیکن وہاں سے مجھے غریبوں اورفروتنوں کی طرف آنا پڑا۔ اُونچی ذات والے نکودیمس کی طرح کہتے ہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے اوراُس کے آگے نہیں بڑھتے لیکن نیچی ذات والے نجات کے پیغام کوخوشی سے قبول کرتے ہیں۔

گورداسپور کے ضلع میں کام اتنا بڑھ گیا تھاکہ گورڈن اکیلا اس کوسنبھال نہ سکا۔ پس اُس کی درخواست پر اس ضلع کی تقسیم کی گئی اور یکم اپریل ۱۸۸۳ئی کے روز پادری کولڈویل(Coldwell) کوپٹھانکوٹ بھیجا گیا۔

اُن ایام میں مشن کا یہ قانون تھاکہ دس سال کے بعد مشنری رخصت پر امریکہ جائیں۔ چونکہ اینڈرو گورڈن اپنے تبلیغی جوش کی وجہ سے دن رات اپنے منجی کا پیغام سنانے میں مشغول رہتا تھا ملک کی ناموافق آب وہوا اُس کو پیش ازوقت کمزورکردیا اوراُس کو ۱۸۸۵ئی میں امریکہ واپس جانا پڑا تاکہ اپنی صحت کودوبارہ حاصل کرے۔لیکن اس کے دوسال بعد ۱۳اگست ۱۸۸۷ئی کے روزوہ ابدی آرام میں سوگیا۔ "گووہ مرگیا تاہم وہ زندہ ہے" کیونکہ اُس کا سب سے چھوٹا بیٹا ڈیوڈ ریڈ (David Reid) اپنے باپ کی جگہ گورداسپور میں اپنے منجی کا پیغام سناتا رہا ۔ اورڈیوڈ ریڈ کا بیٹا اینڈریو کا پوتا واکر (Walker) جہلم میں انجیل کی بشارت دیتا رہا۔

پادری ٹامس ہنٹر شہید ۔ ایم ۔ اے

REV.THOMAS HUNTER M.A

۱

پادری ٹامس ہنٹر نے پنجاب میں چرچ آف سکاٹ لینڈ کی بنیاد ڈالی۔ وہ ۴دسمبر ۱۸۲۷ئ کے روز ایبرڈین(Aberdeen) شہر میں جان۔ ایم ۔ ہنٹر کے گھر پیدا ہوا۔تعلیم حاصل کرنے کے بعداُس نے کنگس کالج (King's College) میں علمِ الہٰیات کا مطالعہ کیا۔ طالب علمی کے ایام میں اُس کی روحانی زندگی نے بہتیروں کومتاثر کیا۔ وہ یونیورسٹی کی مشنری سوسائٹی کا پریذیڈنٹ تھا۔

۱۸۵۵ئ میں فارن مشن کمیٹی نے یہ تجویز کیاکہ ٹامس ہنٹر کا تقررکرکے اُس کو پنجاب روانہ کیا جائے تاکہ سکھوں کے درمیان انجیل جلیل کی اشاعت کرے۔ پس وہ ۱۹ جولا ئی کے روز سینٹ اینڈریوز چرچ ایڈنبرگ (St.Andrew's Church Edinburgh) میں پنجاب کے لئے مخصوص کیا گیا۔اُسی شام اُس کی شادی مسن جین سکاٹ (Miss Jane Scott) کے ساتھ ہوگئی۔ جو نہایت پارسا شریف النفس اوردیندار خاتون تھی اورسبت سکول میں انجیل کا پیغام سنایا کرتی تھی۔

پادری ہنٹر کی یہ خواہش تھی کہ چند ایک مبشر اُس کے ساتھ پنجاب آئیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے " ہندوستان میری مسافرت کا ملک ہے۔ میرے وہاں جانے کی خبر ہر طرف پھیل گئی ہے۔ کاش کہ اورشخص بھی میرے ساتھ چلنے کا تہیہ کرلیں۔ لیکن میں اکیلا وہا ں جارہاہوں کیونکہ کوئی اورشخص میرا ساتھ دینے کوتیارنہیں"۔

۲۵اگست کے روز پادری ہنٹر اوراُس کی بیوی نے اپنا وطن چھوڑا اوردونوں سال کے آخر میں براہِ راس اُمید بمبئی بخیریت تمام پہنچ گئے۔

۲

ٹامس ہنٹر نے بمبئی میں جنرل اسمبلی انسٹی ٹیوشن کا چارج لے لیا۔ اوراکتوبر ۱۸۵۶ئ تک وہاں مقیم رہا۔ ماہ مئی میں مدراس کے مسٹر شرف (Sherriff) اُس کے ساتھ کام کرتے رہے اوریوں پانچ ماہ تک انسٹی ٹیوشن نے ان دونوں قابل ہستیوں کی ایثارنفسی سے فائدہ اٹھایا۔ ان ایام میں سات

اشخاص نے بپتسمہ پایا۔ جن میں سے ایک نصراللہ تھا اوردوسرا اُن کا استاد سید محمد اسماعیل تھا۔ نصراللہ ۲۸ جولائی کے روزاورسید محمد اسماعیل ۲۱اگست کے دن مشرف بہ مسیحیت ہوگئے۔

۳

۱۵اکتوبر کے روزدونوں میاں بیوی بمبئی سے سیالکوٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ سید محمد اسماعیل ان کے ساتھ تھا۔ ان کے سامنے ۱۴۷۴میل کی لمبی مسافت تھی۔ وہ پہلے کراچی گئے اورکراچی سے دریائے سندھ ہوتے ہوئے دریائے جہلم کے راستے شہر جہلم پہنچے۔ اوروہاں سے گجرات کے راستے سیالکوٹ آگئے۔

شہرسیالکوٹ مقدس شہریروشلیم کے عرض بلد میں واقع ہے۔ اورجموں سے ۲۶میل کے فاصلہ پر ہے۔ جموں میں ان دونوں انجیل کی اشاعت ممنوع تھی۔ ہنٹر نے چھاؤنی میں رہائش اختیارکرلی اورچھاؤنی اورشہر دونوں میں انجیل جلیل کا پیغام سنانے لگا۔

۲ اپریل ۱۸۵۶ئی کے روزاُس نے سکاٹ لینڈ کولکھا کہ میں یہ تجویزکرتاہوں کہ کوئی تعلیمی درسگاہیں سیالکوٹ میں نہ کھولی جائیں بلکہ میں دیسیوں کی طرح زندگی بسر کروں۔" میں چین نہیں لونگا جب تک میں پنجابیوں کی زبان اور رسم ورواج سے کماحقہ واقفیت حاصل نہ کرلوں گا۔ جوُں جُوں مجھے زبان آتی جائیگی میں بے خوف وخطر وفاداری سے نجات کا پیغام لوگوں تک پہنچاتا جاؤنگا ۔ پھر جب یہاں کے لوگ مسیحی ہوجائیں تووہ خود سکول قائم کریں لیکن ان میں غیر مسیحی استاد نہ رکھے جائیں۔

۴

سیالکوٹ پہنچ کر اُس نے لکھا" جووجوہ ۱۸۵۴ئی اور ۱۸۵۵ئی میں سیالکوٹ میں مشن قائم کرنے کے لئے آپ کی کمیٹی کودئیے گئے تھے وہ یہاں آکر اوربھی قوی معلوم ہوتے ہیں۔اس میں کچھ شک نہیں کہ امریکن پرسبٹیرین مشن کے تین مشنری یہاں کام کرتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتاکہ ہم نے یہاں مشن قائم کرنے میں غلطی کی ہے۔ ہم اس مشن کے مبلغین سے رشتہ اتحاد قائم کرینگے۔اوران کے مسیحی

تجربہ اورمشنری تجربہ سے بھی فائدہ اٹھائیں گے۔ وہ ہمارے کام میں مداخلت نہیں کرینگے۔ ہم ابھی تک پنجابی زبان نہیں بول سکتے۔ محمد اسماعیل ہماری تسلی اورآرام قلب کا باعث ہے۔ خدااُس کواپنی روح کی معموی عطا فرمائے۔

۲۸ فروری ۱۸۵۷ئی کے روزاُس نے لکھا" جب سے ہم سیالکوٹ آئے ہیں۔ ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ چرچ آف سکاٹ لینڈ کا مشن یہاں قائم ہوجائے۔ ابتدا میں ہم کو ہر قسم کی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اورمشکلات کا پہاڑہم پر ٹوٹ پڑا لیکن خدا کی مدد سے ہم ان مشکلات پر غالب آگئے ہیں۔ ہم نے اب کام شروع کردیا ہے۔ ایک سکول لڑکوں کے لئے اورایک لڑکیوں کے لئے کھولا ہے۔ بالغوں کے لئے ایک ہفتہ وارعبادتی جلسہ ہوتاہے۔ ہرروزنومریدوں کوعلم الہٰیات کی تعلیم دی جاتی ہے"۔

۵

انہی ایام میں فسادات کی ابتدا ہوگئی اورتمام ہندوستان کی فضا مکدرہوگئی۔ سرجان لارنس (Sir John Lawrence) کے تمام مشنریوں کو کہلوا بھیجا کہ لاہور کے قلعہ میں آجائیں ورنہ وہ اُن کی جان ومال کی حفاظت کے ذمہ دارنہیں ہونگے۔ سیالکوٹ چھاؤنی کے فوجی افسر اس بات کا یقین ہی نہیں کرتے تھے کہ اُن کی ماتحت افواج فساد میں شریک ہوں گی۔ چنانچہ وہ وہاں کے کمان افسر نے سپاہیوں سے ہتھیار نہ چھینے ۔ اوراُن تمام لوگوں کے خلاف ہوگیا جواپنی حفاظت کے لئے تیاری کرنا چاہتے تھے حتیٰ کہ اُس نے حکم دیاکہ گرجا میں جان ومال کی حفاظت کے لئے بھی دعا نہ کی جائے۔ اُس نے پادری بویل(Boyle) کودھمکی دی کہ اگرتم دعائیں مانگوگے تومیں تم کو جان سے ماردوں گا۔اس پر ہنٹر کی بیوی نے کہا کہ اگرکمان افسر میرا سربھی قلم کردے توبھی میں دعا مانگنے سے بازنہ آؤں گی۔

٦

ہنٹر کی یہ خواہش تھی کہ جلدی لاہور کے قلعہ میں پہنچ جائے لیکن ان دنوں میں انتظام نہ ہوسکا۔ اورجب انتظام ہوگیا توچند وجوہ کے سبب وہ جانہ سکے۔ بلاآخر یہ قرارپایا کہ وہ اورپادری بویل ۸ جولائی کو لاہورروانہ ہوجائیں لیکن اس روزبھی وہ نہ جاسکے۔ رات کو مسز ہنٹر کوخواب آیا

کہ وہ اوراُس کا خاوند اورننھا بچہ تینوں قتل کردئیے گئے ہیں۔ اس خواب سے وہ اوربھی پریشان ہوگئے اوریہ گمان کیاکہ خدا کی مرضی ہے کہ وہ جلدی لاہورروانہ ہوجائیں۔ علی الصباح ۹ جولائی کے روزوہ تینوں ایک گاڑی میں سوارہوکر وزیرآباد کی جانب چل دئے۔ لیکن مفسدین کودیکھ کراُس نے گھوڑے کی باگ موڑی اورقلعہ کی جانب رخ کرلیا۔ راہ میں جیل خانہ تھا۔ جب وہ اُس کے قریب پہنچے توقیدی وہاں سے نکل کربھاگ رہے تھے۔ وہاں ایک برقنداز حُرمت خاں تھا جوضلع کی عدالت میں جلاد کے کام پر معمورتھا اوربرخاست کردیا گیا تھا۔ جب اُس نے ہنٹرکی گاڑی دیکھی تو کہنے لگاکہ " وہ دیکھو انگریزآرہے ہیں۔ آؤان کوقتل کریں۔ اس پرچندایک نے کہا کہ" وہ توپادری صاحب ہیں۔ جانے بھی دو۔ اُنہوں نے ہمارا کیا بگاڑا ہے۔ ہمارا جھگڑا توسرکار کے ساتھ ہے" جب حُرمت خاں نے دیکھاکہ کوئی شخص اُس کا ساتھ دینے کو تیارنہیں تووہ اکیلا چل پڑا۔ اُس نے پہلے پادری ہنٹرکوگولی ماری۔ پھراُس نے اُس کی بیوی کوتلوار سے شہید کیا اورپھر اُس کے بچہ کو ذبح کیا اوراُن کو سڑک پر خون میں غلطاں چھوڑکر چل دیا۔

۹ جون کے روزاُس نے آخری خط سکاٹ لینڈ کو لکھا جس میں اُس نے بتایاکہ " میری دلی خواہش یہی ہے کہ میں پنجابیوں میں انجیل کی منادی کروں۔ ہم یہاں چاروں طرف خطرے میں گھرے ہیں اوراُمید کرتے ہیں کہ ہم یہاں رہینگے۔ خدا ہمارا حافظ ہو"۔

یہ اُس شخص کے آخری لفظ تھے جس نے اپنی جان دی تاکہ پنجاب کے سکھوں میں انجیل جلیل کا جانفزا پیغام سنایا جائے۔

بشپ جارج ایلفرڈلیفرائے ایم۔ اے۔ ڈی۔ ڈی
BISHOP GEORGE ALFRED LEFROY

۱

جارج ایلفرڈلیفرائے پادری جیفری لیفر ائے (Rev. Jeffrey Lefroy) کا بیٹا تھا جوآئرلینڈ میں آگاڈرگ(Aghaderg) میں خادم الدین تھا۔ جارج ۱۱اگست ۱۸۵۴ئی کے روزپیدا ہوا۔ اُس کی ماں نہایت دیندار اورخدا پرست عورت تھی جس کی زندگی کا اثر اُس کی اولاد پر اورخصوصاً جارج پربہت تھا۔ چنانچہ بعد کے زمانہ میں ایک دفعہ جارج لیفرائے نے شملہ میں وعظ کے دوران میں کہا" کسی شخص نے میری زندگی کوایسا متاثرنہیں کیا جیسا میری والدہ کی زندگی نے مجھے متاثرکیا ہے"۔ ابتدا ہی سے اُس کی ماں نے اپنے بچوں کے دلوں میں خداوند کی انجیل کی بشارت دینے کا شوق ڈالا۔ چنانچہ جب جارج ابھی بچہ ہی تھا توکسی نے اُس سے پوچھا تم بڑے ہوکر کیا کروگے۔ تواُس نے جواب دیا کہ میں نیوزی لینڈ میں مشنری ہوکر جاؤں گا۔

جب جارج سکول گیا تواپنے ہمعصروں سے کھیل کُود میں اورپڑھنے میں سبقت لے گیا۔ دینداری میں وہ سب لڑکوں کے لئے ایک نمونہ تھا۔ ۱۸۷۴ئی میں وہ ٹرنٹی کالج کیمبرج میں داخل ہوا۔ ۱۸۷۸ئی میں اُس نے علم الہٰیات درجہ اول میں پاس کیا۔ انہی ایام میں جب وہ کیمبرج میں طالب علم تھا تووہ اُن لوگوں سے جاملا جودہلی میں کیمبرج مشن قائم کرنے کی تجویز کرتے تھے۔ بشپ فرنچ (Bishop French) اورپروفیسر وسٹکٹ (Prof. Westcott) کے ایمائی پریہ مشن ۱۸۷۶ئی میں قائم ہوا تھا۔ ڈگری حاصل کرنے کے بعدجارج لیفرائے نے کیمبرج میں عبرانی اورفارسی کا مطالعہ شروع کردیا۔۱۸۷۹ئی میں وہ ڈیکن کے عہدے پر مقررکیا گیا۔ ہندوستان آتے وقت اُس کا ہمسفر پادری ایس۔ ایس ۔آلنٹ(Rev. S.S. Allnut) تھا۔ ان سے پہلے کیمبرج مشن کے چارمشنری دہلی میں موجود تھے اوران دونوں نے مشنریوں کی تعداد پوری چھ کردی۔

۲

دہلی میں جارج لیفرائے تمام مشنریوں سے عمر میں چھوٹا اورسب سے زیادہ نوخیز اورناتجربہ کارتھا۔ ۱۲جون کے روزبشپ فرنچ نے انبالہ میں اُس کو پریسٹ کے عہدے پر ماموکیا۔ ہندوستان آتے ہی لیفرائے نے بشارتی کام کرنے

کے لئے اپنے آپ کومخصوص کردیا۔ چونکہ اہل اسلام کے درمیان انجیل کی اشاعت کا کام سب سے مشکل تھالہذا اُس نے اس کام کا ذمہ لے لیا۔ دنیا میں دومذاہب ہیں جن میں انجیل کی بشارت کرنا مشکل امر ہے۔ یعنی اسلام اوریہودیت ۔ لیکن لیفرائے مشکلات سے گھبرانے والا شخص نہ تھا۔ اُس نے مبشر ہونے کی تیاری شروع کردی اوررفتہ رفتہ وہ نہایت کامیاب مبشر ہوگیا۔

اُس زمانہ میں کیمبرج مشن کے مشنری شہر سے باہر رہتے تھے۔ اورسوال یہ درپیش تھاکہ آیا بشارت کے کام کے لئے یہ بہترنہیں ہوگاکہ مشنری شہر کے درمیان رہائش اختیار کریں۔ لیفرائے لکھتا ہے:

"چونکہ ہم جومشنری ہیں اُس قوم میں سے ہیں جویہاں فرمانروا ہے لہذا ہمارے کام میں ایسی دقتیں پیش آتی ہیں جوصرف خدا کا فضل ہی دُورکرسکتا ہے۔ جب تک ہم شہر کے باہر رہینگے لوگ ہم میں اوردیگر انگریزوں میں تمیز نہیں کرسکینگے۔ وہ یہی خیال کرینگے کہ ہم انگریزی سرکار کے کارندے ہیں تاکہ ہندوستانیوں کے مذاہب کوبگاڑیں اورکہ ہم کودیگر انگریز افسروں کی طرح اس مقصد کے لئے بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ کیا ہم شہر کے درمیان رہائش اختیارنہ کرلیں؟ کوئی یورپین شہر کے اندرنہیں رہتا۔ میں بڑے زور سے اس بات کا حامی ہوں کہ ہم شہر کے اندرسکونت اختیارکریں۔

۱۸۹۳ئ میں کیمبرج مشن نے شہر کے اندرایک اچھی جگہ میں سکونت اختیارکی۔ اُس وقت سے ۱۹۱۹ئ تک کیمبرج مشن کے مشنری شہر کے اندر رہے اوراب پھر اُنہوں نے دوبارہ شہر کے باہر سکونت اختیارکرلی ہے۔

۱۸۸۰ئ میں لیفرائے نے مہرولی میں ایک مکان قصبہ کے اندرکرایہ پر لے لیا۔ وہ ہمیشہ بازاری منادی کے بعد لوگوں کو اپنے گھرآنے کی دعوت دیتا تھا۔ جب وہ مہرولی جاتا توغیرمسیحی اُس کی ملاقات کے لئے اُس کے گھرآیا کرتے تھے۔

۱۸۸۲ئ میں دہلی کا مشن کالج کھولا گیا۔ جس کے ذریعہ اب تک ہزاروں تعلیم یافتہ غیر مسیحیوں نے نجات کا پیغام سنا ہے۔

ایس ۔ پی ۔ جی ۔ مشن کے مشنریوں نے کیمبرج مشن کے آنے سے پہلے چماروں میں کام شروع کیاہوا تھا۔ یہ چمار

دہلی کے اردگرد بستیوں میں رہتے تھے۔ لیفرائے نہ صرف اہل
اسلام میں کام کرتا تھابلکہ اُن چماروں میں بھی کام کرتا تھا۔ وہ
کہتا ہے " گوانجیل نہایت سطحی طورپر چماروں میں داخل
ہوئی ہے تاہم یہ کامیابی بھی دیگراقوام میں کام کرنے سے
روکتی ہے اورہم کو ہر طرف کام کے بارے میں مایوسی
ہوجاتی ہے۔ ہمارے چمارمسیحیوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے
کیونکہ گووہ عیسائی ہوجاتے ہیں لیکن وہ اپنی غیر مسیحی
برادری کے درمیان رہنے کی وجہ سے مشرکانہ رسوم سے باز
نہیں رہ سکتے۔ جب کوئی ہندویامسلمان عیسائی ہوجاتا ہے
تواُس کوبرادری سے خارج کردیا جاتا ہے اوراُس کا حقہ پانی بند
ہوجاتا ہے۔ گویہ صورتِ حالات اُس کے لئے مشکلات پیدا
کردیتی ہے لیکن اُس کی خلوص نیت سب پر عیاں ہوجاتی
ہے۔ لیکن ایسی مشکلات چمار مسیحیوں کودرپیش نہیں
ہوتیں۔ وہ مسیحی ہونے کے بعد اپنے ہی بھائی بندوں میں
رہتے ہیں۔ اُن کے مخربِ اخلاق گیت سنتے ہیں۔ اُن کی
مشرکانہ رسوم میں شریک ہوتے ہیں اورچونکہ مذہبی
معاملات سے ناواقف ہوتے ہیں انجیل کا خمیر اُن میں اثر
نہیں کرتا۔ یہ تجویز کی گئی ہے کہ مسیحی چماروں کی بستی
الگ قائم کی جائے۔ آٹھ گھر اس غرض کے لئے تعمیر کئے گئے
ہیں اوراُن مسیحیوں پر تین پابندیاں لگائی گئی ہیں۔ اول کہ
اتوار کے دن وہ کوئی کام نہ کریں۔دوم کہ پیدائش ،شادی
اورموت کے وقت صرف مسیحی رسوم اداکی جائیں اورسوم
کہ وہ چرس کے استعمال سے پرہیزکریں ۔ اب وقت آگیا ہے کہ
پُرانی مشرکانہ رسوم اورنئی مسیحی رسوم میں سے ایک کورد کیا
جائے۔ دریا گنج کے مسیحی چماروں کی ایک پنچائت منعقد
ہوئی اوررات کے ساڑھے بارہ بجے اس معاملہ پربحث شروع
ہوئی۔ بلاآخر گنگا کا پانی لایا گیا اوراُن سے کہا گیا کہ
جومشرکانہ رسوم کی پیروی کرنا چاہتے ہیں وہ اُس کواٹھائیں
لیکن جومسیحی رسوم پر عمل کرنا چاہتے ہیں وہ الگ ہوجائیں
صبح ساڑھے سات بجے تک یہ بحث جاری رہی جس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ ایک بڑی تعداد مُرتد ہوگئی اورصرف معدودے
چند گرجا میں عبادت کے لئے جمع ہوئے۔ اورمسیحی بستی
میں رہنے لگی۔ میرے خیال میں اس کو ارتداد نہیں کہنا
چاہیے بلکہ اپنے اندرونی خیالات کااظہار کہنا زیادہ موزوں

ہوگا۔ کئی سالوں کے کا پر اس طرح پانی پھرگیا ہے۔ بظاہر یہ نہایت خوفناک اوردل شکن بات ہے لیکن مجھے واثق یقین ہے کہ صرف اسی طریقہ سے ہم کلیسیا کوصاف کرسکتے تھے اوراب ہمارے درمیان سچے مسیحیوں کی ایک جماعت موجود ہوگئی ہے"۔

۱۸۸۵ئی میں جارج لیفرائے کا باپ فوت ہوگیا۔ اُس کے قصبہ کے لوگوں نے اُس کو لکھاکہ اب تم اپنے باپ کی جگہ ہمارے خادم الدین ہوجاؤ۔ پر اُس نے انکارکردیا گویا اُس کی والدہ اوربھائیوں اورخاندان کے لئے یہی بہتر ہوتا کہ وہ واپس آئرلینڈ چلا جاتا لیکن وہ انکارکرتے وقت ذرا نہ جھجکا۔

دہلی کے مسلمان لیفرائے کی عزت اورقدرکرتے تھے۔ ایک مسلمان حکیم نے جواُس کا بڑا مخالف تھا اوربازاری منادی کے موقعہ پراُس کے ساتھ بحث کرتا تھا اُس کولکھا" ان دنوں دہلی میں موت کا بازارگرم ہے۔ اپنی جان کی حفاظت کرو" خدا آپ کا نگران رہے۔ کافورکی ڈلی ارسال خدمت ہے تاکہ اس کے استعمال سے آپ ہربلا سے محفوظ رہیں"۔ لوگ لیفرائے کوجانتے تھے اوراُس کی قدرکرتے تھے۔ایک دفعہ بھری مجلس میں مباحثہ کے دوران میں چند مسلمان غل مچانے لگے۔ اس پر باقی مسلمانوں نے اُن کو نکال دیا۔ لیفرائے میں یہ خوبی تھی کہ بازاری منادی اورمباحثہ کے وقت وہ کبھی مخالف کا منہ بند کرنے کی اوراُس پر فتح حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ اُس کی دلی خواہش یہ تھی کہ لوگوں میں حق کی تلاش کا شوق پیدا ہوجائے۔پس اگرکسی موقعہ پر اُس کی دلیل کی خامی اُس پر ظاہر کی جاتی تووہ فوراً قبول کرلیتا تھا۔ اس طرح مخالف وموالف جان لیتے کہ وہ خود حق کا جویاں ہے اورلوگوں کوصراطِ مستقیم کی طرف بلارہا ہے۔ چنانچہ وہ ایک دفعہ لکھتا ہے " میں اس ہفتہ میں دودفعہ ایک مسجد میں گیا ہوں جہاں چارگھنٹے تک میں نے علمائی سے بات چیت کی ہے۔ اُنہوں نے نہایت خوش اسلوبی سے گفتگو کی ہے اورمجھے اس بات کی خوشی ہے کہ بغیر کسی تعصب اورہٹ دھرمی کے وہ بحث کرتے رہے ہیں"۔

لیفرائے دہلی کی میونسپل کمیٹی کا ممبر بھی رہا لیکن جب اُسکو افسر اعلیٰ چنا گیا تواُس نےممبری سے استعفیٰ دے دیا۔ وہ کالج میں اپنے دیگر فرائض کے علاوہ بی ۔ اے کلاس

کوبھی پڑھاتا تھا۔ لوگ اُن کو دُور دُور سے وعظ کرنے کے لئے بلاتے تھے کیونکہ وہ ایک نہایت روحانی شخص تھا اورلوگ اُس کے روحانی تجربوں سے مستفید ہونا چاہتے تھے۔ وہ علی الصباح اٹھتا تھا۔ سردیوں کے موسم میں ساڑھے پانچ بجے اور گرمیوں میں اس سے بھی پہلے اٹھتا اوردوگھنٹوں تک وہ دعا اور کلامِ الہٰی کی تلاوت میں مشغول رہتا تھا۔ اس کے بعد وہ باقاعدہ چھ دفعہ دن میں دعا کرتا اوراپنی تمام مشکلات کوخدا کے سامنے پیش کرکے اُس سے رہنمائی کا طلبگار ہوتا تھا۔

۱۸۹۵ئی میں کتاب الصلوات کے اُردو ترجمہ کی نظر ثانی میرٹھ میں ہوئی کیونکہ بشپ فرنچ کا ترجمہ عربی اور فارسی مغلق الفاظ سے پُر تھا۔ اس ترجمہ کی کمیٹی پر لیفرائے اورفاس وسٹکٹ (Foss Westcott) ممبر تھے۔ غالباً کسی ترجمہ کی کمیٹی کویہ نصیب نہیں ہواکہ کلکتہ کے دواُسقف اعلیٰ اُس کے ممبر ہوئے ہوں۔ لیفرائے حددرجہ کا محنتی شخص تھا کیونکہ اس کمیٹی پر چھ گھنٹے کام کرنے کے بعد وہ اپنے مشن کے معاملات سے متعلق خطوط لکھتا اوراس کے بعد الہٰیات کی جرمن کتابیں پڑھتا تاکہ اسلام کا مقابلہ بہترطورپر کرسکے۔

دہلی میں بیس سال تک مبشر کا کام کرنے کے بعد ۱۸۹۹ئی میں وہ لاہورکا اُسقف مقررکیا گیا۔ لاہورکے کیتھڈرل میں " سب مقدسوں کے روز" (All Saints' Days) بشپ ویلڈن (Bishop Weldon) نے اس کی تقدیس کی ۔ اُسی شام بشپ لیفرائے نے شام کو انگریزی میں وعظ کرتے کرتے اُردو میں وعظ کرنا شروع کردیا تاکہ وہ تمام مسیحیوں پر یہ واضح کردے کہ وہ جس طرح انگریزوں کا بشپ ہے اُسی طرح ہندوستانی مسیحیوں کا بھی بشپ ہے۔

۱۹۰۰ئی میں اُس نے اسقفی کونسل کی بنیاد رکھی تاکہ وہ دیگر خادم الدینوں کے ساتھ صلاح ومشورہ کرکے علاقہ کا انتظام کرے۔

اب یہ کونسل ایک مستقل شدہ کونسل ہے لیکن لیفرائے پہلا شخص تھا جس نے اُس کو شروع کیا تھا۔

بشپ لیفرائے انگریزی فوجوں کی بہتری کا خواہاں رہا۔ اُس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ ان افواج میں پاکیزگی کا عنصر

بڑھتا جائے اور قماربازی ، شراب خوری اورزناکاری ختم ہوجائے۔اس مقصد کو سرانجام دینے کے لئے اُس نے لارڈ کچنر (Lord Kitchener) سے کئی مرتبہ گفتگو کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لارڈ کچنر نے اُس کی بہت سی تجویزوں کو منظور کرلیا۔ لارڈر کرزن (Lord Curgon) کے ساتھ اُس کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ سرمیکورتھ ینگ (Sir Macworth Young) اس کا خاص دوست تھا۔

بشپ لیفرائے کی دلی خواہش یہ تھی کہ انگریز اورہندوستانی ایک دوسرے کے ساتھ بہترین تعلقات رکھیں۔ نومبر۱۹۰۶ئ میں اُس نے خادمانِ دین کے سامنے ایک تقریر کی جس میں اُس نے کہا" ہم پر لازم ہے کہ ہم یہ خیال رکھیں کہ ہماری حکومت کی بنیاد فوجی قوت اورانتظامی لیاقت پر نہیں بلکہ یہ ایک الہٰی انتظام ہے۔ جس قادر مطلق خدا نے ہمارے سپرد یہ ملک کیا ہے وہ ہم سے ایک دن اس امانت کا حساب طلب کریگا۔ ہم یہاں اس غرض کے لئے نہیں آئے کہ ہم ہندوستانی سے فائدہ اٹھائیں بلکہ اس واسطے آئے ہیں تاکہ خدا دارِنعمتوں سے ہندوستان کوبہتربنائیں۔ کیا یہ جنون نہیں کہ ہم اس ملک میں آزادی اوربہترین نصب العین کا بیج بوئیں اورپھریہ اُمید رکھیں کہ وہ بے پھل رہیگا؟ موجودہ زمانہ کی بے چینی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ہمارے اُصول پھلدار ہورہے ہیں۔ تعلیم یافتہ ہندوستانی شاکی ہیں کہ انگریز سے دوررہتے ہیں اورکسی قسم کا برادرانہ میل جول نہیں رکھتے۔ میں تم سے جومشنری اورچیپلین ہوتودل سے ملتجی ہوں کہ تم اپنے قول اورفعل سے کسی طرح بھی اُس خلیج کوچوڑا نہ کرو جودونوں اقوام میں موجود ہے۔ بلکہ جب تم کسی ہندوستانی کو ملو تواُس کے ساتھ عزت سے پیش آؤ۔ اُس کے ساتھ برادرانہ اورہمدردانہ سلوک کروتاکہ موجودہ کشمکش کم ہوتی جائے"۔

نومبر ۱۹۰۹ئ میں ہندوستانی اورانگریزی تعلقات کی نسبت اُس نے اپنے خادمانِ دین کو مخاطب کرکے کہا: "ہم ایک مسیح کی منادی کرتے ہیں جوتمام جہان کا منجی ہے۔ کلیسیا کی وحدت میں یہودی اوریونانی، ہندوستانی اورانگریز ،غلام اورآزاد کی تمیز مٹ جاتی ہے۔ اس بات کی ہم منادی کرتے ہیں ۔لیکن کیاہمارا طرزِ عمل بھی یہی ہے؟ جولوگ

دونوں جماعتوں سے واقف ہیں وہ یقیناً اس کا جواب نفی میں دینگے۔ ایک طرف انگریز ہیں جواس ملک کو اپنا گھر نہیں بناتے اور یہاں کے باشندوں کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنا نہیں چاہتے۔ دُوسری طرف ہندوستانی ہیں جو غریب اورجاہل ہیں۔ اوردونوں جماعتوں میں بعدالمشرقین ہے۔ لیکن میں اس بات پر زور دینا چاہتاہوں کہ اپنی روز مرہ زندگی میں دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے برادرانہ سلوک روا رکھیں۔ جب ہم ہندوستانی مسیحیوں سے مرُبیوں کا ساسلوک کرتے ہیں تووہ قدرتی طورپر ناراض ہوجاتے ہیں۔ ہم کو چاہیے کہ جب وہ ہم سے مُلاقات کرنے آئیں تواُن کو کوٹھیوں کے باہر کھڑے نہ رکھیں۔بلکہ اُن سے اعلیٰ سلوک کریں۔ مجھے اُمید ہے کہ ہرجگہ کے چیپلین اُن ہندوستانی مسیحیوں کا خیال رکھینگے جواُن کے اردگرد بستے ہیں اورمشنری بھی اُن تمام انگریز مسیحیوں کا خیال رکھینگے جواُن کے حلقہ کے اندررہتے ہیں۔ جب کوئی چیپلین کسی نئی جگہ تبدیل ہوکرجائے تووہ اُس بات کویادرکھے کہ جس طرح وہ انگریزوں کے گھر جاتا ہے وہ ہندوستانی مسیحیوں کے گھر بھی جائے اورہندوستانیوں کوطعام کھانے کی دعوت دے"۔

۱۹۰۷ئی میں جب مسٹر ایلفرڈننددی لاہور کے اخبار ٹریبون کے ایڈیٹر تھے تواُنکی وساطت سے لیفرائے نے پنجاب گورنمنٹ اورہندوستانی سیاسی لیڈروں میں سمجھوتہ کرایا تھا۔

۱۹۰۹ئی میں بشپ لیفرائے نے ایک ہندوستانی آرچ ڈیکن مقررکرنا چاہا۔ قبل ازیں بشپ فرنچ نے پادری رابرٹ کلارک کو آرچڈیکن مقررکرنا چاہا تھا لیکن گورنمنٹ اس تجویز کے خلاف تھی لیفرائے نے جب یہ کرنا چاہا تو گورنمنٹ نے پھر مخالفت کی۔ اس پر لیفرائے نے لکھاکہ ہندوستانی آرچڈیکن ہندوستانی جماعتوں کے لئے ہوگا اس کا انگریزی جماعتوں کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں ہوگا۔ اس پر گورنمنٹ نے اپنی رضامندی ظاہر کی اورلیفرائے نے پادری احسان اللہ کو آرچڈیکن مقررکیا۔ وہ لکھتا ہے کہ"آرچڈیکن نے اپنا پہلا وعظ آج کیتھڈرل میں کیا۔ اُس کا وعظ پُرجوش تھا اور بہت لوگ اُس سے متاثر ہوئے۔ ایک خاتون نے توگرجامیں

رونا شروع کردیا اورتواور۔ اُس نے لفٹنٹ گورنر کے دل کو بھی ہلادیا۔

۱۹۰۴ئی میں اُس نے انجیل جلیل کی تفسیروں کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ اس سلسلہ کا جنرل ایڈیٹرتھا۔ اورچاہتا تھا کہ ہندوستانی حالات، خیالات اورمذاہب کومدِنظر رکھ کر تفسیروں کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے تاکہ یہ تفسیریں ہندوستانی کلیسیا کے لئے مفید ثابت ہوں۔ اس سلسلہ میں اب تک انجیل متی، اعمال، ۲کرنتھیوں، عبرانیوں اور مکاشفات پرتفاسیرلکھی جاچکی ہیں۔

سطورِبالا میں ذکرہوا ہے کہ لیفرائے کوچلنے پھرنے کا بہت شوق تھا۔ چلتے وقت وہ اُس تیزی سے قدم لیتا تھا کہ بہت تھوڑے لوگ اُس کے ساتھ چل سکتے تھے۔ لیکن لاہور میں چند سال قیام کرنے کے بعد اُس کے کولے کے جوڑوں میں سخت درد شروع ہوا۔ ۱۹۱۱ئی میں وہ انگلستان علاج کی خاطر گیا لیکن کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا۔ اُس وقت سے تادمِ مرگ وہ سخت تکلیف کی حالت میں رہا۔ جب وہ چلتا تواُس کو سخت دردہوتا لیکن ڈاکٹریہی کہتے تھے کہ اُس کی سلامتی چلنے میں ہی ہے۔ پس حرکت جواُس کے لئے دشوار تھی درحقیقت اُس کی بیماری کا علاج تھی۔

۴

۱۹۱۲ئی میں کلکتہ کا بشپ کوپلسٹن(Bishop Copleston) اپنے عہدے سے مستعفی ہوگیا۔ تمام اُسقفوں میں لیفرائے ہی اس لائق سمجھا گیا کہ کلکتہ کا بشپ ہو۔کلیسیا اور گورنمنٹ دونوں کی آنکھیں اُس پر لگی تھیں۔ لارڈ مارلے (Lord Morley) اس کا مداح تھا۔ چنانچہ اُس نے ایک دفعہ لارڈ منٹو(Lord Minto) وائسرائے کو لکھا" کل بشپ لیفرائے مجھے ملنے کے لئے آئے وہ اُن معدودے چند آدمیوں میں سے ہیں جن میں بڑی کشش ہے۔ گومجھے کام بہت تھا لیکن اُس کی ملاقات سے میں نہایت محظوظ ہوا اوراتنا متاثر ہوا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں دنیا اورمافیا سے بے خبر ہوگیا ہوں۔ کاش کہ آپ نے اُس کی پنجاب کی گورنری کے لئے سفارش کی ہوتی۔ یہ بھی ایک عجیب تجربہ ہوتا۔ اُس کے خیالات سے میں نہایت محظوظ ہوا"۔

جب بشپ کو پلسٹن نے استعفیٰ دیا تو وائسرئے نے لیفرائے کو کلکتہ کا بشپ مقرر کرنا چاہا۔ ڈاکٹروں نے بھی رائے دی کہ کلکتہ اُس کی صحت کے لئے لاہور سے زیادہ مفید ہوگا۔ پس اُس نے کلکتہ کا صدر اُسقف ہونا منظور کرلیا اور وہ ۲۰ فروری ۱۹۱۳ئی کے روز کلکتہ کا بشپ ہوگیا۔ گو اُس کا جسم کمزور تھا لیکن اُس کی روح ویسی ہی مستعد تھی ۔ اگر اُس کا جسم بھی اُس کی روح کی طرح مستعد ہوتا تو وہ بڑے بڑے کام سرانجام دیتا۔

۱۹۱۴ئی میں جب جنگِ عظیم چھڑی تو گو اُس کو پورا یقین تھا کہ جنگ کے معاملہ میں انگلستان راستی پر ہے تاہم وہ اپنی قوم اور اپنے ملک کو اُس کے اپنے گناہوں کی یاددلاتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ اُس سے بعض اشخاص کے دلوں میں بدگمانی بھی پیدا ہوگئی۔

کلکتہ کا بشپ مقرر ہوتے ہی اُس نے بنگالی زبان کی تحصیل شروع کردی۔ وہ اُردو اور ہندی زبانوں سے پہلے ہی بخوبی واقف تھا۔ اب اُس نے بنگالی زبان میں بھی اچھی خاصی مہارت حاصل کرلی۔

لیفرائے نے ہندوستان کی کلیسیا کو پارلیمنٹ کی قیود سے آزاد کرنے کی بڑی کوشش کی۔ ۱۹۱۲ئی میں ایک کمیٹی چُنی گئی تاکہ کلیسیائے ہندوستان کا ضابطہ تیار کرے اور ہندوستان کی آزاد کلیسیا کی اپنی کونسل قائم ہوجائے جو کلیسیائی معاملات میں مسیحیوں پر حاوی ہو۔ ۱۹۱۸ئی میں یہ ضابطہ لیفرائے نے پیش کیا جو مختلف بشپوں کے پاس غوروخوض کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ بلاآخر ۱۹۳۰ئی میں یہ مساعی پھل دار ہوئیں اور اب ہندوستان کی کلیسیا آزاد اور خودمختار کلیسیا ہے اور برطانوی پارلیمنٹ کے قوانین کی پابندیوں سے قطعاً آزاد ہوگئی ۔

لیفرائے کی جسمانی حالت دن بہ دن کمزور ہوتی جارہی تھی۔ اُس نے ۴ دسمبر ۱۹۱۷ئی کو ایک خط اپنے تمام احباب کے نام بھیجا تاکہ وہ اُس کے لئے دعا کریں کہ اگر خدا کی مرضی ہو تو وہ صحتیاب ہوجائے۔ وہ صحتیابی کے لئے مختلف جگہوں میں بھی گیا لیکن کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا۔ بلاآخر اُس نے اکتوبر ۱۹۱۸ئی کو اپنے آرچڈیکن کو لکھا کہ کلکتہ کی صدر اُسقفی سے مستعفی ہونا چاہتا ہوں۔ ۶ دسمبر کو

اس نے اپنے خاندان کے شرکائی کوخط لکھوایاکیونکہ اب وہ خط لکھ نہیں سکتا تھا۔ اُس نے اُن کو گویا الوادع کہا۔ جب تک اُس میں ہمت رہی وہ اپنے فرائض کوبسترمرگ پر بھی سرانجام دیتا رہا۔ آخری دنوں میں اُس کے کمرے کے باہر ایک نوٹس لگایا گیا کہ کوئی اُسے نہیں دیکھ سکتا لیکن وہ باربار تاکید کرتا تھا کہ اگر کوئی مجھے دیکھنا چاہے تواُس کوبلاروک ٹوک آنے دو۔ وہ ملازموں کوباہر بھیجا تاکہ اگرکوئی اُس کودیکھنے کے لئے آیا ہے تو اُس کو لے آئیں۔بعض اوقات وہ اونچی آواز سے کہتا کہ اگرکوئی باہر کھڑا ہے تووہ شوق سے اندرآسکتا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ میں نہیں چاہتا کہ کلیسیا کومیری بیماری کی وجہ سے کسی قسم کا نقصان پہنچے۔

بڑے دن کے قریب وہ بیہوش ہوگیا۔ غشی کی حالت میں وہ اپنی زبان سے یہی کہتا تھا" اے باپ میں تیری مرضی پوری کرنا چاہتاہوں"۔ ۲۵دسمبر کے روزاُس نے اپنے استعفیٰ پر دستخط کئے اوریکم جنوری ۱۹۱۹ئی کی تاریخ ثبت کی۔ اسی روز یعنی یکم جنوری ۱۹۱۹ئی کواُس کی روح اپنے منجئی کے پاس پروازکرگئی۔

پادری جے سی۔آر۔یوئینگ ایم۔اے۔ڈی۔ڈی

Rev.J.C.R.Ewing.M.A.D.D

۱

جیمس سی۔آر۔ یوئینگ رورل دیلی آرم سٹرانگ کونٹی پا Rural Valley, Armstrong County, Pennsylvania میں ۲۳جون ۱۸۵۴ئی کے روزپیدا ہوا۔ اُس کے والدین سکاچ آئرش نسل کے تھے اورنہایت دیندار اورخدا پرست تھے۔ اُنہوں نے اپنے تمام بچوں کودینی تعلیم دی۔ اُن کا یہ معمول تھاکہ ہر اتوار کے روز کتابِ مقدس کے چندابواب اپنے بچوں کوسناتے تھے اوراُن سے دینی سوال وجواب کے ایک سوسات سوال وجواب پوچھتے تھے۔ ہرروز خواہ کیسا ہی موسم کیوں نہ ہوتا وہ اپنے بچوں کے ساتھ صبح اورشام دعا کرتے تھے۔ جیمس یوئنگ کا پردادا پرسبٹئرین کلیسیا کارُکن اورمرددعا تھا اور غیر مسیحی دنیا کی نجات کے لئے ہمیشہ دعا کیا کرتا تھا۔

جیمس یوئنگ کے والدین غریب تھے۔ اُن کا کھیتی باڑی پر گذارہ تھا۔ وہ اوراُس کے بھائی اپنے والدین کی مدد کیا کرتے تھے ۔ اس کے والدین میں یہ خوبی تھی کہ اپنے بچوں کے

کام پر ہمیشہ خوشی ظاہر کیا کرتے تھے اور بچے اُنکی تحسین حاصل کرنے کے لئے ان تھک کوشش کیا کرتے تھے۔

جب جیمس یوئنگ بڑا ہوا تو سکول میں داخل کیا گیا۔ اُن دنوں ہجا اورزبانی حساب پرسکولوں میں زوردیا جاتا تھا۔ جیمس اپنے تمام ہم عمروں میں ان دونوں میں گوئے سبقت لے گیا۔

جب وہ تیرہ سال کا ہوا تو اُس نے اپنے والد سے کالج کی تعلیم کی تحصیل کے لئے درخواست کی۔اُس کے والد نے جواب دیا۔ " بیٹا گومیں غریب آدمی ہوں اورتمہاری تعلیم کے اخراجات کی برداشت نہیں کرسکتا لیکن میں یہ کرسکتا کہ تم کو کھیتی باڑی کے کام سے آزاد کردوں۔ تاکہ تم خود کماسکو اوراپنابوجھ اٹھاسکو"۔ چنانچہ پندرہ سال کی عمر کے بعدجیمس یوئنگ نے اپنے باپ پر ایک کوڑی کوبوجھ نہ ڈالا۔

جب وہ پندرہ سال کا ہوا تووہ ایک سکول میں معلم ہوگیا جہاں کے طلبا اُس سے بھی بڑی عمر کے تھے۔ اُن میں سے بعض اکیس برس کے جوان تھے جونہایت شریر اورگستاخ تھے۔ لیکن اس پندرہ سالہ لڑکے نے سب کوسیدھا کرلیا اوراُس کی شہرت گردونواح میں پھیل گئی۔

مارچ ۱۸۷۳ئی میں وہ کالج میں داخل ہوا اورنہایت عرقریزی سے محنت کرتا رہا۔ جب کالج کاآخری سال آیا تواُس نے بورڈ آف فارن مشنز کو درخواست لکھ بھیجی کہ مجھے امریکہ کے باہر کسی غیر ملک میں مشنری بناکر بھیجا جائے۔ ان دنوں میں ڈاکٹر کیلاگ (Dr. Kellog) ہندوستان سے واپس امریکہ چلے گئے تھے۔ان کے رسوخ سے جیمس یوئنگ شمالی ہند کا مشنری مقررکیا گیا۔ اسی سال کی ۲۴جون کو اُس نے مس جین شیراڈ (Miss Jane Sherrard) کے ساتھ شادی کی اور۲اکتوبر ۱۸۷۹ئی کوفلیڈیلفیا سے ہندوستان کی جانب چل دیا۔

۲

یکم دسمبر کوپادری جیمس یوئنگ اپنی بیوی کے ہمراہ بمبئی پہنچا۔ پہلے وہ مین پوری میں چند ماہ تک رہا۔ پھر دوسال فتح گڑھ میں رہا۔ پھر وہاں سے تین سال کے لئے الہ

آباد چلا گیا۔ اس کے بعد وہاں سے تبدیل ہوکر سہارنپور بھیجا گیا۔

ہندوستان میں آنے کے بعد چند سال تک یوئنگ اُردو اورہندی سیکھتا رہا اوریہاں کے باشندوں کے ساتھ میل جول کرتا اوریہاں کے رسوم واطوارکو ملاحظہ کرتا رہا۔ اُس نے اُردو میں اتنی مہارت پیدا کرلی کہ ۱۸۸۳ئ کے بعدتادم مرگ مشنریوں کا ممتحن رہا۔ چند عرصہ کے لئے مخزن مسیحی کا مدیر بھی رہا۔ جب امریکن مشن نے سہارن پورمیں ۱۸۸۳ئ میں مدرجہ الٰہیات کھولنے کی تجویز کی توڈاکٹرویری (Dr.Wherry) اوریوئنگ وہاں بھیجے گئے۔ اُنہی دنوں میں امریکن پرسبٹیرئین مشن کی پچاس سالہ جوبلی ہوئی یعنی مشن کے قیام کے پچاس سال بعدامریکن مشن نے مدرسہ الٰہیات قائم کیا۔ جب یوئنگ اُس مدرجہ میں کام کرتا تھا تواُس نے ایک یونانی اُردو کی لغات اورہندوستانی گیتوں کی کتابیں تیارکیں اورمس ٹکریعنی اے ۔ایل ۔ او۔ای کی چند ایک کہانیوں کے ترجمے بھی کئے۔ یعنی اے ۔ ایل ۔ او۔ ای کی چند ایک کہانیوں کے ترجمے بھی کئے ۔

۱۸۸۷ئ میں وہ بیمار پڑگیا۔ اگرچہ ان دنوں میں مشنریوں کودس سال سے پہلے امریکہ واپس جانے کی اجازت نہیں تھی لیکن یوئنگ اس قدر بیمار ہوگیاکہ اُس کو اُس سال واپس امریکہ جانا پڑا۔ اوراگست ۱۸۸۷ئ میں روانہ ہوگیا۔ اسی سال اُس کے کالج نے اُس کو ڈی۔ ڈی کی اعزازی ڈگری عطا کردی۔

۳

اکتوبر۱۸۸۸ئ میں یوئنگ امریکہ سے واپس ہندوستان کی جانب چل پڑا۔ جب وہ ہندوستان پہنچا توشمالی ہند کی دونوں امریکن مشنوں کا مرکزی اجلاس انبالہ میں ہورہا تھا۔ اُن دنوں ڈاکٹر فورمن عمر کے تقاضے کی وجہ سے کالج سے علیحدہٰ ہونا چاہتا تھا۔ پس مشن نے یوئنگ کوسہارنپور سے تبدیل کرکے لاہور بھیج دیا تاکہ وہاں مشن کالج میں کام کرے۔یوئنگ ۴ دسمبر ۱۸۸۸ئ کے روز لاہور پہنچ گیا۔ اورجب تک ہندوستان میں رہا وہ لاہورمیں ہی کام کرتا رہا۔

لاہورآکریوئنگ نے کالج میں نہایت تندہی سے کام کرنا شروع کردیا۔ ۱۸۸۹ئ میں کالج کی عمارت جوبڑے ڈاک خانہ

کے قریب تھی کھڑی کی گئی ۔ اسی سال مس میری کینیڈی (Mary Kennedy) نیویارک سے ہندوستان آئی۔ اُس نے یوئنگ سے کہا کہ اگرآپ کوکسی بات کے لئے مدد کی ضرورت ہے تومیں روپیہ دینے کے لئے تیار ہوں۔یوئنگ نے کہاکہ ایک عمارت کی سخت ضرورت ہے اُس کے لئے ساڑھے تین ہزار ڈالر درکار ہے۔ عمارت فی الفورشروع ہوگئی۔مس کینیڈی نے اُس کے مکمل ہونے کے لئے ساڑھے تین ہزارروپیہ اوردیا اورعمارت کا نام کینیڈی ہال رکھا گیا جومسیحی طلبائی کی رہائش کے لئے مخصوص کیا گیا۔

۱۸۸۹ئی میں پنجاب یونیورسٹی نے اُس کو انٹرنس کی انگریزی کا ممتحن مقررکیا۔ تھوڑے عرصے بعد وہ آرٹ فیکلٹی (Art Faculty) کا سیکرٹری اورفیلو اوربعد میں ڈین مقرر کردیا گیا۔ وہ شروع ہی سے بذریعہ انتخاب سنڈیکیٹ (Syndicate) کا ممبربنارہا۔

جنوری ۱۸۹۳ئی میں امریکن مشن کی دوسری دس سالہ کانفرنس بمبئی میں منعقد ہوئی۔ اس میں یوئنگ نے " مشنری کام اورتعلیم" پر ایک درس دیا۔ یہ لیکچر ایسا پُر مغز ہے اوراس کا مضمون ایسا اہم ہے کہ ہم ذیل میں اس میں سے اقتباسات کئے بغیرنہیں رہ سکتے۔

" بعض اشخاص کہتے ہیں کہ ہائی اسکول اورکالج بشارت کا ذریعہ نہیں ہیں۔ کیونکہ اُن کے پھل ہم کودکھائی نہیں دیتے۔ لیکن یہی اعتراض تمام بشارتی ذرائع پر وارد ہوتا ہے۔ بازاری منادی، زنانہ کام ، ٹریکٹ کی تقسیم وغیرہ کے ظاہری پھل عموماً ہم کوفوراً دکھائی نہیں دیتے بلکہ بعض دفعہ کارندوں کا حوصلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہی سکولوں اورکالجوں کا حال ہے۔ ہم کو یہ واثق یقین ہے کہ اگرچہ ظاہرا ہم کوپھل دکھائی نہیں دیتا تاہم خدا کا کلام بے انجام نہ پھریگا۔ لیکن تاخیرکی وجہ سے ہم کو ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ کیونکہ جس زمین پر ہم کلام بوتے ہیں وہ دوسری زمینوں سے نرالی ہے"۔

"اگرہم چاہتے ہیں کہ سکول اورکالج بشارت کا موثر ذریعہ ہوں تولازم ہے کہ اُس کی فضا مسیحی تاثرات سے معمورہو۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہرروزانجیل جلیل کی تعلیم درسگاہ میں دی جائے۔ اس غرض کے لئے بعض اوقات ایسے اُستاد مقررکئے جاتے ہیں توجوروحانی تجربات سے

سراسر معرا ہوتے ہیں اورجن میں اتنی عقل بھی نہیں ہوتی کہ کتاب مقدس کوقابلیت کے ساتھ پڑھا سکیں۔ اورپھر ہم تعجب کرتے ہیں کہ تعلیمی درسگاہوں سے لڑکے عیسائی کیوں نہیں ہوتے !اگرہم چاہتے ہیں کہ ہماری درسگاہیں بشارت کا اچھا ذریعہ ہوں توہم پر لازم ہے کہ کلام اللہ کواپنے سکولوں اورکالجوں میں ایک ممتازجگہ دیں اوربہترین اشخاص کو اس کے پڑھانے کے لئے مقرر کریں جونہایت قابلیت کے ساتھ نوجوانوں کے دلوں اوردماغوں کوموثر کرسکیں۔ اس کے برعکس جن لوگوں کو ان درسگاہوں میں پڑھانے کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ بالمعوم کتاب مقدس نہایت لاپرواہی سے پڑھائی جاتی ہے۔ ریاضی اورفلسفہ وغیرہ کے پڑھانے کے لئے ہم روزانہ تیاری کرتے ہیں لیکن کتابِ مقدس پڑھاتے وقت ہم بھول جاتے ہیں کہ یہ دنیا کا بہترین علم ہے اورکہ سننے والے گنہگاروں کی روحیں حقیقی نجات دہندہ کے لئے ترستی ہیں۔ ہر تعلیمی درسگاہ مشنری کی منادی کی جگہ ہے اوریہ اُس کی خوش قسمتی ہوتی ہے ك اُس کے سامعین ذہین اورسمجھ دار نوجوان ہوتے ہیں۔ یہاں علم الہٰیات اُس کے کام آسکتا ہے اوروہ بہترین طورپر مسیح مصلوب کی منادی کرسکتا ہے"۔

"علاوہ ازیں مشنری کوچاہیے کہ اپنے طلبائی کے ساتھ شخصی تعلقات پیدا کرے۔ اس طورپر وہ معلوم کرسکتا ہے کہ اُس کے طلبائی کی روحوں کا کیا حال ہے اوراُن کو کیا پیغام درکار ہے"۔

"اگرہم گذشتہ بیس سالوں پر نظر کریں توہم دیکھینگے کہ تعلیم یافتہ غیر مسیحیوں کے نقطہ خیال میں عظیم فرق آگیا ہے۔ جواشخاص پہلے مسیحیت سے متنفر تھے وہ اب مسیح کے مداح ہیں۔پس اگرہم کودرسگاہوں میں نتائج دکھائی نہیں دیتے تواُس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جس طرح چاہئے اُس طرح ہم کام نہیں کررہے ہیں"۔

ڈاکٹر فورمین کی یادگار میں کالج کا نام تبدیل کردیا گیا۔ پہلے اس کا نام صرف " مشن کالج" تھا۔ اس کو بدل کراس کا نام" فورمن کرسچن کالج" رکھا گیا۔

ڈاکٹر یوئنگ اپریل ۱۸۹۷ئ میں امریکہ گیا اوروہاں جابجا ہندوستان اورتبلیغی کام پر لیکچر دیتا رہا۔ ان ایام میں اُس کو ووسٹر یونیورسٹی (Wooster University) کا پریڈیڈنٹ منتخب کیا گیا لیکن اُس نے انکارکردیا۔ڈین وِل(Danville) کے سنٹر کالج (Centre College) نے بھی انہی دنوں میں اُس کوپرنسپل منتخب کیالیکن اُس نے انکارکردیا اورفورمن کالج کے کام کوترجیح دے کرہندوستان واپس آگیا۔

۱۹۰۱ئ میں فارن مشن بورڈ نے اُس کو چھ ماہ کے لئے جزائر فلپائن (Philippine Islands) میں بھیجا تاکہ وہاں کے مشنریوں کوکام شروع کرنے میں مدد دے۔ وہاں سے وہ چند ماہ کے لئے جاپان چلا گیا۔

۱۸۹۸ئ اور۱۹۰۷ئ کے درمیان کالج دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا گیا۔ انہی سالوں میں نیوٹن ہال تعمیر ہوا اورکالج میں پانچ کمروں کا اضافہ کیا گیا اوربڑاہال بنایا گیا۔

اپریل ۱۹۰۵ئ میں کانگڑہ کی وادی میں سخت بھونچال آئے اورہزاروں آدمیوں کی جان ومال کا نقصان ہوگیا۔ گورنمنٹ نے ایک کمیٹی ان تباہ حال لوگوں کے لئے بنائی اورڈاکٹر یوئنگ اس کا پریذیڈنٹ مقررکیا گیا۔ اس کمیٹی نے ساڑھے تیرہ لاکھ روپیہ ان فلاکت زدوں کے لئے اکٹھا کیا۔ ڈاکٹر یوئنگ کو اس کام کے لئے جنوری ۱۹۰۶ئ میں قیصر ہند کا سونے کا تمغہ عطا ہوا۔

ان دنوں میں فارن مشن بورڈ کے ایک ممبر کے دل میں یہ خیال سماگیا کہ لاہورمشن کالج نہیں چاہتا کہ یہاں کوئی شخص بپتسمہ پاکر عیسائی ہوجائے مبادا لوگ ناراض ہوکر کالج چھوڑدیں۔ اس پر ڈاکٹریوئنگ نے ۵ جولائی ۱۹۰۳ئ کے روز لکھا " ہم ہرایک شخص کو کھلم کھلا صاف طورپر بتادیتے ہیں کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم لوگوں کو مسیح کے پاس لائیں تاکہ وہ مسیح کا کھلم کھلا اقرارکریں۔طلبائی بھی اس امر سے بخوبی واقف ہیں۔ یہی مقصد ہمارے تمام کام کی بنیاد رہا ہے۔ ہم طلبائی سے شخصی تعلقات پیدا کرتے ہیں تاکہ انجیل جلیل کے پیغام کوروزانہ زندگی میں عملی طورپر دکھلاسکیں۔

۱۹۰۷ئی میں ڈاکٹر یوئنگ معہ خاندان رخصت پر امریکہ گیا۔

۵

اِس رخصت کے دوران میں ڈاکٹر یوئنگ جابجا لیکچر دیتا رہا۔ اُس کے بھائی کا یہ قول ہے کہ وہ اپنی رخصت کے دنوں میں اتنی جگہوں میں جاتا تھا کہ وہ میری نسبت امریکن خادمان دین سے زیادہ واقف تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ان ایام میں کالج کے لئے پندرہ لاکھ روپیہ اکٹھا کرے تاکہ کالج کے لئے ایک وقف جائداد بن سکے اور کالج طلبا کی فیس وغیرہ سے مستغنی ہوکر بڑھتا چلا جائے۔ انہی ایام میں وہ جنرل اسمبلی (General Assembly) کے دو جلسوں میں شامل بھی ہوا۔ ڈاکٹر گرسولڈ (Dr. Griswold) ان دنوں میں قائمقام پرنسپل ہوا۔

اکتوبر ۱۹۰۸ئی میں ڈاکٹر یوئنگ لاہور واپس آگیا اور آتے ہی کالج کے فرائض ادا کرنے لگ گیا۔ فروری ۱۹۱۰ئی میں پنجاب کے لفٹنٹ گورنر نے اُس کو پنجاب یونیورسٹی کا وائس چانسلر (Vice Chancellor) مقرر کردیا اور وہ سات سال تک اس عہدے پر ممتاز رہا۔ کیونکہ نہ صرف حکام بلکہ محکمہ کے تمام لوگ۔ کیا مسیحی کیا غیر مسیحی۔ سب کے سب اُس کی عزت اور قدر کرتے تھے اور اُس کی لیاقت کا لوہا مانتے تھے۔ ان سات سالوں میں اُس نے ہر سال ڈگری یافتگان کو خطاب کیا اور یونیورسٹی کے بہت سے اُمور میں اصلاح کی۔ ۱۹۱۲ئی میں سلطنت برطانیہ کی تمام یونیورسٹیوں کا اجتماع لندن شہر میں ہوا۔ جس میں ڈاکٹر یوئنگ پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے نمائندہ مقرر کرکے بھیجا گیا۔ اس جلسہ میں اُس نے دو خطبے دئیے اور اکسفورڈ کیمبرج اور برمنگھم یونیورسٹیوں کو بھی دیکھا۔ وہاں سے وہ تین ہفتوں کے لئے امریکہ چلا گیا جہاں اُس نے اپنی ماں سے آخری ملاقات کی۔

۱۹۱۷ئی میں پنجاب یوینورسٹی نے اُس کو ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ ۱۸۸۷ئی میں واشنگٹن اینڈ جعفرسن کالج نے اُس کو ڈاکٹر آف ڈونٹی کی اور ۱۹۰۷ئی میں ڈاکٹر آف لا رز کی ڈگری عطا کی تھی۔ ۱۹۱۵ئی میں نوروز کے دن اُس کو گورنمنٹ نے سی۔ آئی۔ ای کا خطاب عطا کیا۔ یہ خطاب صرف برٹش نژاد کے لئے ہوتا ہے لیکن گورنمنٹ نے اس کو اس قاعدہ سے مشتنیٰ کردیا۔ وائسرائے لارڈ ہارڈنگ

نے خود اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھ کر ڈاکٹر یوئنگ کو بھیجا۔ ۱۹۱۱ئی میں ڈاکٹر یوئنگ کو دہلی دربار کے لئے بلایا گیا جہاں اُس نے بادشاہ جارج اورملکہ کے ساتھ گفتگو کرنے کا شرف بھی حاصل کیا۔

۱۹۱۲ئی میں الہ آباد میں اُس کا بھائی آرتھر یوئنگ اپنے منجی میں سوگیا۔ ہزاروں ہندوستانی مسیحی اُس کے غم میں ماتم کرتے تھے۔ ہم خیال کرسکتے ہیں کہ ڈاکٹر یوئنگ کے دل پر کیا کچھ گذرا ہوگا۔

دسمبر ۱۹۱۵ئی میں ہندوستان کی پرسبٹیرین جنرل اسمبلی کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا اورڈاکٹر یوئنگ اُس کا ماڈریٹر مقرر ہوا۔ جس خوش اسلوبی سے اُس نے کلیسیائی مسائل پر روشنی ڈالی وہ اُسی کا حصہ تھی۔

۶

۱۹۱۷ئی وہ آخری دفعہ امریکہ رخصت پرگیا۔ اُس رخصت کے دوران میں اُس نے ڈاکٹر چیٹر جی کی سوانح عمر لکھی۔

اس رخصت میں اُس کا طبی معائنہ ہوا اوراُس کو واپس اس شرط پر آنے کی اجازت ہوئی کہ وہ پانچ سال کے بعد پھر امریکہ رخصت پر آجائے اورسال میں چارماہ پہاڑ پر رہے۔ یہ سن کر ڈاکٹر یوئنگ نے واپس ہندوستان آنے کا مصمم ارادہ کرلیا اگرچہ پرنسٹن سیمنیری(Princeton Seminary) اُس کو لیکچرار مقرر کرنا چاہتی تھی اورنیویارک کی ببلیکل سیمینری (Biblical Seminary) اُس کو مشنری ڈیپارٹمنٹ کا پرنسپل بنانا چاہتی تھی لیکن اُس نے انکارکردیا۔

ان پندرہ ماہ کے دوران میں ڈاکٹر یوئنگ نے جا بجا ۳۳ ہزارمیل کا سفر کیا اور۲۴۴لیکچر دئیے۔ اورپرنسٹن، ویسٹرن اور نیوبرنزوک کے علم الٰہیات کی درسگاہوں اور ہارٹ فورڈ اوریونین میں لیکچر دئیے اوردو ماہ تک پرنسٹن میں ایک شخص کی جگہ پڑھاتا بھی رہا۔

۷

امریکہ کوآخری رخصت پر جانے سے پہلے اُس کو باربار یہ خیال آتا تھاکہ اب وقت آگیا ہے کہ میں کالج کا کام چھوڑکر اُس کو کسی جوان کے ہاتھوں پر سپرد کروں۔جب وہ اکتوبر

۱۹۱۸ئ میں واپس لاہورآیا تویہ تجویز ہوئی کہ وہ مشن کی انڈیا کونسل کا سیکرٹری مقرر ہو۔ پس وہ پرنسپل کے عہدے سے مستعفی ہوگیا اوراُس کی جگہ اُس کا داماد پادری ای۔ ڈی۔ لوکس (E.D. Lucas) پرنسپل مقرر ہوا اوروہ پرنسپل ایمیرٹس (Principal Emeritus) اورکالج کی بورڈ کا پریذیڈنٹ مقرر کردیا گیا۔اورانڈیا کونسل کے سیکرٹری کے فرائض کوبھی سرانجام دینے لگا۔۱۹۱۹ئ میں انٹر چرچ ورلڈ موومنٹ (Inter Church World Movement) کی درخواست پر اُس نے سوسائٹی کا کام بھی اپنے ذمہ لے لیا۔

۱۹۰۸ئ سے وہ فارن مشن بورڈ کویہ کہتا تھاکہ ہندوستان میں پرسبٹیرین مشن کے لئے ایک سیکرٹر ی مقرر کیا جائے جوہندوستان کے مختلف اوردُوردرازمقامات میں جاکر مختلف مشنریوں کو مختلف اُمور پرصلاح ومشورہ دے سکے۔ ۱۹۱۵ئ میں ایک انڈیا کونسل بنائی گئی اورڈاکٹر گرسولڈ(Dr. Griswold) اس کا سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ جب ۱۹۱۸ئ میں یوئنگ نے کالج کا کام چھوڑدیا تواتفاق رائے سے وہ سیکرٹری مقررکیا گیا۔ وہ ہندوستان کی پرسبٹیرین مشن کا گویا آرچ بشپ مقررہوگیا۔

جنوری ۱۹۱۹ئ میں جب ڈاکٹر یوئنگ انٹرچرچ ورلڈ موومنٹ کے کام پرمغربی ہندوستان میں تھا تواُس کی بائیں طرف کو جھولا گیا۔ وہ مشکل سے بول سکتا تھا گواُس کے دماغ پر اس مرض نے کوئی اثر نہ کیا۔ اُس کی صحت روزبروز اچھی ہوتی گئی حتیٰ کہ پندرہ دنوں کے اندر وہ برآمدہ میں بیٹھ سکا۔ فروری میں وہ لاہور آگیا اورمارچ میں قدرے سہارے کے ساتھ چلنے پھرنے لگ گیا۔

۸

انہی ایام میں ایک اورسوال نے مشن کوحیران کررکھا تھا۔ جس کا تعلق تعلیمی درسگاہوں سے تھا۔ ان دنوں میں بعض غیر مسیحیوں نے یہ سوال اٹھایا کہ مشن سکولوں اورکالجوں میں کتاب مقدس کی تعلیم جبریہ نہیں دینی چاہیے۔ اگرکوئی شخص مسیحی اُصول کی تعلیم حاصل کرنا نہیں چاہتا تواُس کو یہ اختیار ہونا چاہیے کہ جب کتابِ مقدس کی تعلیم دی جارہی ہو تووہ جماعت میں شامل نہ

ہو۔ اس کی وجہ یہ بتلائی جاتی تھی کہ چونکہ انگریزی سرکار ہندمذہبی اوردینی اُمورمیں غیرجانبدار ہے پس اس کو مشن سکولوں اورکالجوں کوجن میں بائبل کی تعلیم جبریہ ہوتی ہے گرانٹ نہیں دینی چاہیے۔

آنجہانی آنریبل مسٹر سری نواس شاستری ایسے اصحاب کا سربرآورہ لیڈر تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سرکارہند ایک ایسا قانون جاری کرے جس کی رو سے کسی طالب علم کوکوئی مذہبی تعلیم نہ دی جائے تاوقتیکہ اُس کا والد یاولی تحریری اجانت نہ دے۔ اس تجویز سے اُس کا یہ مطلب تھاکہ مسیحی درسگاہیں مسیحیت کی بشارت کا ذریعہ نہ بن سکیں۔

اکتوبر ۱۹۱۶ئ میں ڈاکٹر یوئنگ نے جبل پور میں مشنری معلمین کی ایک مجلس منعقد کی تاکہ اس اہم سوال پر غورکیا جائے۔ اس مسئلہ پربہت بحث ہوئی ۔ بعض مشنری اس بات کے مخالف تھے اوربعض اس سے اتفاق کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہواکہ بغیرکسی فیصلہ کے یہ مجلس برخاست ہوگئی اورصرف یہ قرارپایاکہ کوئی درس گاہ کسی خاص طریقہ کواختیار نہ کرے جب تک ہندوستان کی نیشنل مشنری کونسل سے صلاح نہ کرلے۔بلاآخر مئی ۱۹۱۷ئ میں یہ قرارداد منظورہوئی کہ مشن سکول اورکالج اس غرض کے لئے کھولے گئے ہیں تاہ مسیح کی انجیل کی اشاعت کی جائے لہذا اس نصب العین کی وجہ سے اس میں صرف دنیاوی تعلیم دینے کے لئے کوئی مشن تیارنہیں۔ مشنری غیرمسیحیوں کی ضمیروں پر جبرکرنا نہیں چاہتے لیکن وہ اِس اصول کے خلاف ہیں کہ کتابِ مقدس کی تعلیم سننا طلبائ کی مرضی پر موقوف کر دیا جائے۔ پس اگرایسا قانون جاری کیا جائے تووہ سکول اورکالج جوسرکار سے گرانٹ لئے بغیر قائم نہیں رہ سکتے بند کردئیے جائیں۔

یہ قرارداد ڈاکٹر یوئنگ کے خیالات کا آئینہ ہے۔ وہ تادم مرگ ان خیالات پر کاربند رہا اورفورمن کرسچن کالج کے طلبائ اُنہی خیالات کے زیر اثر کالج میں پڑھتے رہے۔

۱۰

ڈاکٹریوئنگ عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دینے کا بڑا حامی تھا۔۱۹۱۰ئ میں مشن ایک کمیٹی قائم کی گئی جس کا وہ چیرمین تھا۔ اس کمیٹی نے اتفاق رائے سے یہ تجویزپیش کی کہ

تمام مشنری عورتیں خواہ شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں تمام اُمور پر رائے دیا کریں۔ ڈاکٹر یوئنگ نے یہ مشورہ دیا کہ ایک سال تک اس تجویز کو پیش نہ کیا جائے تاکہ لوگ اس پر اچھی طرح سے غور وخوض کرسکیں۔ ۱۹۱۱ئی میں یہ تجویز منظور ہوگئی اوراُسی سال اس پر عمل درآمد ہوگیا۔

۱۱

۱۹۲۲ئی میں ڈاکٹر یوئنگ ۶۸ برس کا ہوگیا اوراُس نے ۴۳ سال مشن کی خدمت میں گذارے۔ بورڈ کے قانون کے مطابق ہر مشنری ۷۰ سال کی عمر پریا ۴۰ سال کی خدمت کے بعد پینشن لے سکتا ہے۔ اس مدت کے اختتام پر وہ پوری تنخواہ پر الگ ہوسکتا ہے۔ طبی نقطہ نگاہ سے یہی بہتر معلوم ہواکہ وہ اب ہندوستان میں نہ رہے بلکہ امریکہ واپس چلا جائے۔

امریکہ آکر ڈاکٹر یوئنگ نے پرنسٹن میں قیام کیا اوروہاں تا دم مرگ لیکچر دیتا رہا۔ علم الٰہیات کے مدرسہ میں لوگ اُس کی شخصیت کر زیر اثر تھے۔وہاں وہ دورِ حاضرہ کے مشنوں کے اُصولوں پر لیکچر دیتا تھا۔ اوراُس کی زیرنگرانی بیسیوں طلبائی نے مشنری مضامین پر کتابیں پڑھ ڈالیں۔ اُس کی شخصیت ، اُس کا تجربہ اوراُس کا اثر نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا۔

۴جون ۱۹۲۳ئی کو وہ بورڈ کا ممبر منتخب کیا گیا اوراُسی وقت فارن ڈیپارٹمنٹ کی کمیٹی کا چیر مین مقرر کیا گیا جس کے متعلق تمام مشنوں کا انتظام تھا۔ اکتوبر ۱۹۲۴ئی میں وہ بورڈ کا پریذیڈنٹ چُنا گیا۔ اس انتخاب پر امریکہ کے مسیحی اورمشنری سب خوش نظر آتے تھے۔ اُس نےیہ کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اُس کو خیال تک نہ تھاکہ وہ پریذیڈنٹ بنادیا جائیگا لیکن جب اُس کو یہ معلوم ہوا تووہ اس اعزاز پر بہت خوش ہوا۔ گووہ اپنے آپ کو اس لائق نہیں سمجھتا تھا۔ وہ لکھتا ہے " میں اپنے آپ کو اس قابل خیال نہیں کرتا کہ مجھ کو یہ عزت دی جائے۔ زمانہ ماضی میں مختلف طریقوں سے میری عزت کی گئی ہے لیکن یہ مجھے خیال بھی نہ تھاکہ میں کبھی دنیا کی سب سے بڑی اور مقتدر مشنری جماعت کا افسر اعلیٰ بنادیا جاؤنگا۔

یکم جنوری ۱۹۲۳ئی کے خطابات میں سرکار انگریزی نے اُس کو کے ۔سی ۔ آئی ۔ای بنادیا اوراب وہ سرجیمس یوئنگ ہوگیا۔ اس سے پہلے مدراس کے مشنری ولیم ملر(William Miller) کویہ خطاب عطاکیا گیا تھا۔ ۱۹۲۵ئی کے موسم بہار میں وہ پرنسٹن میں لیکچر دیتا اور اپنے فرائض منصبی اداکرتا رہا۔ ۲۰ اگست کے روزبعد ازدوپہروہ دوستوں کی ملاقات کے لئے گیا اورہندوستان کے مشن اورلاہور کے فورمن کالج پر بات چیت کرتا رہا۔ شام کو وہ نہایت خوش وخرم تھا۔ رات کے دس بجے کے قریب اُس نے شکایت کی کہ چھاتی پر مجھے کچھ بوجھ سا معلوم ہوتا ہے۔ دل کی بیماری کی وجہ سے یہ شکایت اُسکو بعض اوقات ہوجاتی تھی۔ مسز یوئنگ نے حسبِ معمول دوائی دی اورکہا کہ ڈاکٹر کوبلواتے ہیں لیکن اُسنے بلوانے نہ دیا۔ آخر جب وہ ٹیلیفون پر گئی توڈاکٹر یوئنگ نے اُس کو واپس بلا کر کہا " میں جانتاہوں کہ میرا نجات دینے والا زندہ ہے"۔ وہ اُس کی مدد سے بستر کی طرف چل کرگیا۔ جب وہ ٹیلیفون پر سے ڈاکٹر کو بلاکر واپس آئی تودیکھاکہ وہ بیہوش پڑا ہے اورچند ہی لمحوں کے اندروہ اپنے منجئی کے پاس چلاگیا۔

جنازے کی نمازسالٹس برگ(Saltsburg) کے پرسبٹیرئین گرجا میں پڑھی گئی جہاں اُس کا باپ ۳۸ سال تک ایلڈرره چکا تھا۔ اورجہاں سے وہ ۴۶ سال پہلے مشنری ہوکر ہندوستان گیا تھا۔ اس کی قبراُس کے والدین کی قبروں کے پاس بنائی گئی۔

۱۲

ڈاکٹریوئنگ اپنے زمانہ کے مشنریوں میں یکتاتھا۔ اُس کا تجربہ نہایت وسیع تھا۔ کیا ہندوکیا مسلمان کیا انگریز کیا ہندوستانی مسیحی سب کے سب اُس پر پورا اعتماد رکھتے تھے اورمشکل کے وقت ڈاکٹریوئنگ کی صلاح لیتے تھے۔ جس طرح وہ یونیورسٹی کے افسروں اورسرکارِہند کے افسران اعلیٰ سے ملتا اُسی طرح وہ ہیرا منڈی لاہور کے اچھوت باشندوں سے ملاقات کرتا تھا۔ وہ ہر شخص کی قابلیت کو فوراً تاڑجاتا تھا کیونکہ وہ نہایت مردمِ شناس شخص تھا۔

اُس کی یادداشت نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی اورطلبا کے نام اُس کو ازبریاد تھے۔ اگروہ کسی طالب علم کوبیس تیس سال

کے بعد بھی ملتا تو فوراً اُس کے نام سے بلاتا۔ چنانچہ جب راقم السطور پشاور کے مشن کالج میں فلسفہ کا پروفیسر تھا تو ڈاکٹر یوئنگ وائس چانسلر کی حیثیت سے کالج کا معائنہ کرنے کے لئے ۱۹۱۶ئی میں آیا۔ اُس زمانہ میں اُس کا ایک شاگرد میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری ملاقات ڈاکٹر یوئنگ سے کرادیں۔ اس سے پہلے میں اُس کا نام بتلاکر تعاف کراؤں۔ ڈاکٹر یوئنگ نے اُس کو کہا "آؤ غلام سرور بیٹھ جاؤ"۔ وہ حیران ہوکر کہنے لگا کہ آپ کو میرا نام یاد ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ پچیس سال ہوئے تم میری ایم۔ اے کی کلاس میں تھے۔ اوردہنی طرف پہلی بنچ کے سرے پر بیٹھا کرتے تھے۔

ایک دفعہ راقم السطور نے اُس سے پوچھا کہ آپ کی اس حیرت انگیز یادداشت کا کیا راز ہے تو اُس نے جواب دیا کہ جب ہم کسی شخص سے محبت رکھتے ہیں تو اُس کا نام، کام وغیرہ خود بخود یاد رہتا ہے۔

جوان نوخیز مشنری اُس کے پاس باپ یا بڑے بھائی کی طرح ملنے جاتے تھے۔ اُس کا گھر ہر وقت اُن کے لئے کھلا تھا۔ وہ جس طرح بوڑھے تجربہ کار مشنریوں میں بیٹھ کر خوش ہوتا تھا اُسی طرح جوان کے ساتھ کھیلنے کوُدنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔

وہ وقت کا بڑا پابند تھا اورچاہتا تھا کہ دُوسرے بھی اُسی طرح وقت کی پابندی کونگاہ میں رکھیں۔ خطوط کے جواب دینے میں بہ بڑا مستعد تھا۔ کوئی خط اُس کی میز پر چوبیس گھنٹوں سے زیادہ جواب کے بغیر نہ رہتا۔

صرف پرسبٹیرین کلیسیا کے لوگ ہی اُس کے مداح نہ تھے بلکہ ہر فرقے کے مشنریوں اورمسیحیوں سے وہ کشادہ دلی سے ملتا۔ اُس کی وفات پر ہر کلیسیا نے یہ محسوس کیا کہ گویا اُس کے شرکائی میں سے ایک زبردست مشنری فوت ہوگیا ہے جس کا م کو وہ ہاتھ لگاتا تھا اُس کو بدرجہ احسن ختم کئے بغیر اُس کوچین نہ آتا۔ جس طرح اس کا جسم بڑا تھا اُسی طرح اُسکا دل بھی بڑا تھا جس میں وہ ہرخوردوکلاں کے لئے جگہ تھی۔

اُس کا دماغ غضب کا تھا۔ مشکل سے کوئی مضمون تھا جس پر وہ گفتگو نہیں کرسکتا تھا۔ وہ ایک عالم تھا اورنہایت اعلیٰ تقریر کرنے والا تھا۔ انتظامی اُمور میں وہ اپنا ثانی نہیں

رکھتا تھا ۔ وہ لوگوں کا قدرتی لیڈر تھا لیکن اُس میں یہ کمال تھاہ
اپنی ذاتی رائے لوگوں سے کبھی جبریہ نہیں منواتا تھا بلکہ ہر
بات میں صلاح ومشورہ لیتا تھا۔ اُس میں ایک اورخوبی یہ
تھی کہ اگرکوئی شخص مصیبت میں گرفتار ہوتا تو اُس کو خود
چین نہ آتا اورحتیٰ المقدور اُس کی مدد کرنے کی کوشش کرتا
تھا۔

ڈاکٹر یوئنگ میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اپنے
منجی کی انجیل کا علم بردار تھا۔ اُس کی انتہائی خواہش یہ تھی
کہ لوگ نجات کے پیغام کو سنیں۔اورمسیح کے قدموں میں
آئیں، اُس کی تبلیغی غیرت فورمن کالج کی روح رواں تھی
اورجب مشنری اُس کے پاس آتے تواز سرنوتازہ دم ہوکراپنے
کام پر اپنے علاقوں میں واپس جاتے ۔ اُس کی ہستی تبلیغ کا ایک
زبردست ذریعہ تھی۔ اوراُس کا مسیحی جوش دوسروں کے لئے
ایک اعلیٰ نمونہ تھا۔

ڈاکٹر تھیوڈور لائٹن پینل ۔ ایم۔ ڈی
(DR. THEODORE LEIGHTON PENNELL)

ڈاکٹر پینل کا خاندان ایک شریف اورپُرانی وضع کا
خاندان تھا۔اوروہ فیلڈمارشل ارل رابرٹس (Field Marshal Earl
Roberts) کا رشتہ دار تھا۔ تھیوڈور لائٹن پینل ١٨٦٧ء میں پیدا
ہوا تھا۔ چونکہ بچپن سے ہی وہ نازک تھا لہذا اُس کو دیگر طلبا
کے ساتھ کھیلنے کُودنے کی اجازت نہیں تھی۔اُس کی والدہ
کوکُتُب بینی کا بڑا شوق تھا پس اُس نے لڑکپن سے ہی یہ عادت
حاصل کرلی۔ اُس کا ناناعلمِ طبیعات کا ماہر تھا جس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ علم الارض اورعلمِ نباتات کے متعلق اُس نے لڑکپن
ہی میں کافی استعداد پیدا کرلی۔ سائنس کی طرف سے اُس کو
خاص رغبت تھی ۔سیروسیاحت کی کُتُب پڑھنے کا بھی شوق
تھا۔ سکول میں وہ اپنے ہمعصروں سے بہت آگے تھا۔لڑکپن
میں اُس کا باپ فوت ہوگیا۔ اُس کی والدہ اُس سے حددرجہ
محبت رکھتی تھی اورجہاں وہ جاتا ہمیشہ اُس کے ساتھ رہتی
تاکہ سکول اورکالج کےبورڈنگ کاکھانا اُس کی صحت کوخراب
نہ کردے۔ اُس نے ١٨٨٦ء میں بی۔ ایس ۔ سی کا امتحان آنرز

کے ساتھ پاس کرکے سونے کا تمغہ حاصل کیا۔ اکتوبر ۱۸۹۰ئی میں اس نے ۔ایم۔ آر۔ سی ۔ایس اورآیل۔آر۔ سی ۔ پی کا امتحان پاس کیا اورنومبر میں ایم۔ بی ۔ کا امتحان آنرز کے ساتھ پاس کرکے سونے کا تمغہ اوروظیفہ حاصل کیا۔کالج میں اُس نے ایچیسن وظیفہ (Aitchison Scholarship) بروس تمغہ (Bruce Medal) اورمورلے وظیفہ حاصل کیا۔اگلے سال اُس نے ایم۔ ڈی کی ڈگری معہ سونے کے تمغہ کے حاصل کی اوراسی سال وہ ایف۔ آر۔ سی۔ ایس (F.R.C.S) ہوگیا۔

۲۲نومبر ۱۸۹۰ئی میں اُس نے اپنی والدہ کے زیر اثر چرچ مشنری سوسائٹی کواپنی خدمات بلامعاوضہ پیش کیں اورخودکسی خاص جگہ جانے کی خواہش ظاہر نہ کی۔اُس کا یہ اُصول تھاکہ ہر شخص کووہاں جانا چاہیے جہاں اُس کو بھیجاجاتا ہے اورسپاہیوں کی طرح تابعدار رہنا چاہیے۔ جب چرچ مشنری سوسائٹی نے یہ فیصلہ کیاکہ وہ ہندوستان جائے تو اُس کی ماں جواُس سے جدائی کی برداشت نہیں کرسکتی تھی اُس کے ساتھ ہندوستان آنے کو تیار ہوگئی۔ اگست اورستمبر ۱۸۹۲ئی اس تیاری میں لگ گئے۔ اس اثنا میں وہ اردو زبان سیکھتا رہا۔ اوراُس کی ماں بھی اُردو سیکھنے لگ گئی اوراکتوبر میں ہندوستان کے لئے روانہ ہوگیا۔

۲

نومبر ۱۸۹۲ئی کے آخر میں وہ کراچی پہنچ گیا۔ وہاں سے وہ ڈیرہ اسماعیل خان گیا جہاں اُس کو تھوڑی مدت کے لئے متعین کیا گیا تھا۔ڈیرہ اسماعیل خاں پہنچتے ہی وہ کام میں لگ گیا اورزبان کی تحصیل کرتا اور بیماروں کودیکھتا رہا۔ اُس کے مریض دن بدن بڑھتے گئے یہاں تک کہ اُن مریضوں کو بغیر ہسپتال کے سنبھالنا ناممکن ہوگیا۔ وہ گرد ونواح کے گاؤں میں جاتا اورلوگوں کے ساتھ رہتا اوراُن کا کھانا کھایا کرتا تھا۔ اُس کو اس بات کا کوئی اندیشہ نہ تھا کہ دیسی خوراک کھانے سے اُس کوکوئی مرض لاحق ہوجائیگی۔

ہندوستان آتے ہی وہ غوروفکر اوردعا کے بعد اُس نے پٹھانی لباس زیب تن کرلیا۔ وہ ہمیشہ ہی اسی لباس میں رہتا تھا۔ آگے چل کر ہم اُس کی زبانی لباس کی تبدیلی کا قصہ سنائینگے۔

جنوری ۱۸۹۳ئی میں وہ پہلی دفعہ ٹانک گیا جب وہ پیدل بارہ میل نکل گیا تو اُس کوٹانگہ ملا۔ یہاں جانے سے اُس کا بشارتی جوش اوربھی بڑھ گیا اوروہ یہی چاہتا تھا کہ افغانستان اورہندوستان کوجتنی جلدی ہوسکے مسیح کے قدموں میں لے آئے۔ وہ سخت سے سخت تکلیف کوبرداشت کرسکتا تھا۔ ایک دفعہ اُس نے ٹانک سے واپس آتے وقت ۲۶میل پاپیادہ بغیر روٹی پانی کے سفرکیا۔

ابتدا ہی سے اُس نے مسعود اوروزیری قبائل سے تعلقات پیدا کرنے شروع کردئیے۔ جنوری ۱۸۹۳ئی میں مُلا پاوندہ نے جوسرحد پر ہمیشہ فتنہ برپا رکھتا تھا اُسکو بلایا۔ وزیر بھی اُس کو اپنے پاس بُلاتے اوراُس کی جان ومال کی حفاظت کا ذمہ لیتے تھے۔ ان قبائل کے مریض کثرت سے اُس کے پاس تادم مرگ آتے رہے۔

وہ چاہتا تھاکہ ڈیرہ اسماعیل خاں میں شہر کے اندرونی حصہ میں مکان کرایہ پر لے کر رہے ۔ اُس کی ہمیشہ یہی خواہش تھی کہ وہ غیرمسیحیوں کے درمیان رہ کراُن کے ساتھ رابطہ محبت واتحاد پیدا کرے۔ اُس کا یہ سخت حکم تھاکہ اگرکوئی شخص اُس کو ملنے آئے تواُس کو ہرگز انتظار نہ کرنی پڑی اورکسی شخص کویہ جرات نہیں تھی کہ اُس حکم کی خلاف ورزی کرے۔ہرشخص کے لئے خواہ وہ بڑا ہو خواہ چھوٹا۔اُس کے گھر کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔ ایک دفعہ جب وہ سادھوانہ لباس میں پھررہا تھا تووہ ایک مشنری صاحب کے بنگلہ پر گیا۔ خادم نے اُس کو کہا" یہاں صرف صاحب لوگ آتے ہیں تم جاؤ حجرہ میں بیٹھو"۔ ڈاکٹرپینل نے اُس کو بہتیرا کہاکہ جاکر اپنے آقا کو خبر توکرو لیکن اس جوان نے ایک نہ مانی اوریہی کہا" حکم نہیں ہے"۔ تم وہاں جاکر بیٹھو۔ جب پادری صاحب کوفرصت ہوگا وہ تم سے ملیگا"۔ اس پرڈاکٹرپینل حجرہ میں بیٹھا رہاجب تک مشنری صاحب فراغت پاکر باہر نہ نکلے۔ اس تجربہ نے اُسکوایسا سبق سکھایا جووہ کبھی نہ بھولا۔

۱۸۹۳ئی کے موسم سرما میں اُس نے اردو اورپشتو میں کافی استعداد پیدا کرلی تھی۔ اب وہ اردو بول سکتا اورپشتو سمجھ سکتا تھا۔ پس اُس نے گاؤں گاؤں پھرنا اورانجیل جلیل کا پیغام دینا شروع کردیا۔

افغانستان سے ہندوستان کوآنے کے چاردّرے ہیں۔ درہ خیبر کے سرے پرپشاورواقع ہے۔درہ کرم کے سرے پر کوہاٹ ،درہ ٹوچی کے سرے پربنوں اوردرہ گومال کے سرے پرڈیرہ اسماعیل خاں واقع ہے۔

پس ستمبر ۱۸۹۳ئی میں یہ فیصلہ ہواکہ اُس کو بنوں جودرہ ٹوچی کے سرے پر ہے بھیجا جائے تاکہ افغانستان کو آنے والوں کو انجیل جلیل کا نجات بخش پیغام سناسکے۔پس وہ اکتوبر میں وہاں پہنچ گیا اوروہ اوراُس کی والدہ تادم مرگ اسی جگہ کام کرتے رہے۔ بنوں گئے اس کوپندرہ روزبھی نہ ہوئے تھے کہ وہ محسوس کرنے لگاکہ وہاں ایک مشن ہسپتال ضرور قائم ہونا چاہیے اوراُس نے اپنی جیبِ خاص سے چند کمرے بنوالئے۔

اُس نے اکتوبر ۱۸۹۳ئی میں پشتو کااعلیٰ امتحان پاس کرلیا۔ اس کے تھوڑے عرصے کہ بعد اُس نے اُردو کا امتحان پاس کرلیا۔ یعنی ہندوستان آنے کے ایک سال کے اندراُس نے تین امتحانات پاس کرلئے۔ پشتو وہ ایسی اچھی طرح جانتا تھا کہ انہی ایام میں وہ اس قابل خیال کیا گیا کہ سیموئیل کی دُوسری کتاب کے ترجمے میں اورپشتو انگریزی لغات کے مرتب کرنے میں مدد دے۔

جنوری ۱۸۹۴ئی میں اُس نے بنوں مشن کے پہلے نومسیحی جہان خان کے ساتھ دورہ کرنا شروع کیا۔ وہ دونوں خود پیدل چلتے تھے اوردوائیوں کا صندوق ایک گدھے کی پیٹھ پر لدا ہوا ہوتا تھا۔ وہ افغانی لباس پہنے تھا جس میں صرف وہی جو اُس کوجانتے تھے اُسے پہچان سکتے تھے۔ بعض خیال کرتے تھے کہ وہ ایک مُلا ہے جوہندوستان سے آیا ہے اورپشتو سے کماحقہ ،واقف نہیں ہے۔ بعض کہتے تھے کہ وہ افغانستان سے آیا ہے۔ بعض کہتے تھے کہ وہ ایک نومسلم یورپین ہے لیکن جب وہ منادی شروع کرتا اورانا جیل فروخت کرتا توہرشخص کے شکوک رفع ہوجاتے۔

جب شام ہوئی تو لوگوں نے درخواست کی کہ پینل منادی کرے۔ وہ ایک چراغ لائے اورحقہ سے چراغدان کاکام لیا گیا۔چونکہ پشتو میں منادی کرنے کا یہ پہلا موقع تھا لہذا وہ اپنے خیالات کواحسن طورپر ادا نہ کرسکا۔ چونکہ کوئی مُلا

پاس نہیں تھا لوگ اُس کو سن کر بہت خوش ہوئے اور کسی نے کوئی اعتراض پیش نہ کیا۔

مارچ ۱۸۹۴ئی میں پادری رابرٹ کلارک بنوں گیا۔ وہاں اُس نے ان کمروں کو جو ڈاکٹر پینل اور اُس کی والدہ نے بنائے تھے کھولا۔ یہ کمرے کچی دیواروں کے بنے ہوئے تھے لیکن اُن دنوں میں یہی غنیمت تھے۔

انہی ایام میں ایک افغان پینل کی بازاری منادی سے متاثر ہوکر بپتسمہ کا خواہاں ہوا۔ مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہوگیا۔ مُلانوں نے کوشش کی کہ اُس کو بنوں سے اڑا کر کہیں اور لے جائیں لیکن ناکام رہے۔ متلاشی کو عوام الناس نے نہایت تنگ کیا اور طرح طرح کی تکالیف کا اُسے سامنا کرنا پڑا۔ ایک دفعہ اُس کو بازار میں گھیر لیا گیا اور کہا گیا کہ تم کلمہ پڑھو اس پر اُس نے دعائے ربانی کا یہ کلمہ پڑھا " تیرے نام کی تقدیس ہو"۔ لوگوں نے اُس کو بُری طرح سے زدوکوب کیا لیکن متلاشیانِ حق کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی ۔ اُن میں سے ایک متلاشی ایسا جوشیلا تھا کہ اُس کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس پر پینل نے اُس کو کسی اور جگہ بھیج دیا۔

جُون اور جولائی ۱۸۹۴ئی میں پینل شیخ بُدن میں تھا جو بنوں سے کچھ فاصلہ پر ایک پہاڑی مقام ہے۔ وہاں مریض اس کثرت سے جمع ہونے لگے کہ باقی مشنری تنگ آگئے اور اُنہوں نے مریضوں کے وہاں فراہم ہونے پر اعتراض کیا۔ اسی اگست میں اُس نے بنوں کے ہسپتال میں کمرے ایزاد کئے کیونکہ اُس کی شہرت دُور ودراز مقامات میں پھیل چکی تھی بالخصوص موتیا بند کے اپریشن کے لئے وہ نہایت مشہور تھا۔

ان نئے کمروں میں پہلا مریض ایک شخص تھا جو کانوں سے بہرہ تھا۔ جب اُس کی قوتِ سمع درست ہوئی تو پہلے الفاظ جو اُس کو سنائے گئے وہ انجیل کے نجات بخش پیغام کے تھے۔

بنوں میں میلہ اسپاں ہوتا تھا۔ اُس میں ڈاکٹر پینل انجیلوں اور دیگر کتابوں کی فروخت کے لئے ایک دُکان کھولتا اور منادی کرتا تھا۔ اُس پر عوام الناس میں سخت ہیجان پیدا ہوگیا ایک دفعہ اُنہوں نے اُس کو میلے میں پکڑلیا۔ خوب

زدوکوب کیا اورمارپیٹ کربھاگ گئے۔ لیکن وہ مردِ خدا باقاعدہ منادی کرتا رہا۔

۱۸۹۴ئی کے اوائل میں اُس نے مشن سکول کے لئے ایک بورڈنگ کھولنے کا ارادہ کیا تاکہ دوُر دراز مقامات سے جوطلبائی آئے تھے اُن کے لئے رہائش کی جگہ ہو اوروہ اُس کے پاس رہ کر مسیحیت سے متاثر بھی ہوسکیں۔لیکن چونکہ کوئی عمارت نہیں تھی اُس نےمشن کے گھر کا جس میں وہ رہتا تھا سب سے بڑا کمرہ طلبا کورہنے کے لئے دے دیا ۔ وہ اُن لڑکوں کے ساتھ رہتا تھا اورکھاتا پیتا تھا۔

مارچ میں پینل اپنے رفیق جہان خاں کے ساتھ گاؤں میں منادی کرنے اورمریضوں کودیکھنے گیا۔ وہ ایک گاؤں میں گئے جہاں چالیس مریض اُن کے گرد جمع ہوگئے۔ اُس نے پہاڑی وعظ کی مبارکبادیوں پر وعظ کیا۔ بعد میں جہان خان نے اسی بات کوپھر دہرایا۔ اُس پر مُلا کہنے لگے کہ ہم یہاں دوائی کے لئے آئے ہیں۔ گمراہی کی باتیں سننے نہیں آئے۔پینل نے جواب دیا ہم کو حکم ہے کہ مریضوں کو چنگا کرو اور انجیل کی خوشخبری دو۔ اُنہوں نے جواب دیاکہ اگرانجیل سنے بغیر دوائی نہیں ملتی توہم دوائی لئے بغیر چلے جائینگے۔ جب پینل نے انجیل سنانے پر اصرارکیا تومُلانوں نے مسلمان مریضوں کووہاں سے بھگانا چاہا۔ لیکن مریض دوا لئے بغیر جانا نہیں چاہتے تھے اس پر مُلانوں نے اُن کوگالیاں دیں اور کہا کہ تم نہیں جانے کہ ان دوائیوں میں سور کا خون اور شراب ملی ہوئی ہے اور وہ تم کو زبردستی عیسائی کرنا چاہتے ہیں۔ اگرتمہاری تقدیر میں مرنا ہی لکھا ہے توبہتر ہے کہ تم ایمان کی حالت میں مرو۔ یہ کہکر اُنہوں نے مریضوں کووہاں سے زبردستی نکال دیا۔

پینل کا یہ قاعدہ تھاکہ جہاں تک ممکن ہوتا وہ گاؤں کے نمبردار کے ہاں ٹھہرتا۔ اس طرح اُس نے گردونواح کے تمام نمبرداروں سے رابطہ محبت پیدا کرلیا۔ وہ لوگوں کے ساتھ چوک میں جا بیٹھتا۔ علاقہ سرحد میں چوک ہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں لوگ جمع ہوکر حقہ پیتے۔ باتیں کرتے قصے کہانیاں سنتے اور گاؤں کے معاملات کا فیصلہ کرتے یااسلامی دنیا کی خبروں پر بحث کرتے ہیں۔ اس طریقہ سے اُس نے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنالی۔

۱۸۹۵ئی اور۱۸۹۶ئی میں اُس کے سکول کے چند طلبائ عیسائی ہوگئے اوراس بات سے اُس کو بڑی تقویت اورخوشی حاصل ہوئی۔

انہی ایام میں وہ گاؤں گاؤں دورہ کررہا تھا۔ ایک گاؤں کے باہر رات کی تاریکی میں اُس کو تین آدمی ملے جن میں سے دووزیری تھے اورایک بنوں کا مُلا تھا۔ وہ ڈاکہ مارنے کی غرض سے نکلے تھے۔ پینل نے کہا اسلام علیکم۔ اُنہوں نے جواب دیا وعلیکم السلام۔ تہ فرنگی ئے(توفرنگی ہے؟)وزیروں نے صلاح کی کہ اُس کافر کو مارڈالیں لیکن مُلا نے کہا کہ نہیں اس شخص کا خون کرنا روا نہیں کیونکہ یہ لوگوں میں نیک کام کرتا ہے۔ پس اُنہوں نے اُس کوکچھ نہ کہا۔ مُدت مدید کے بعد یہ اشخاص اُس کو ملنے اور کہنے لگے کہ تم کو ہمارا مدت العمر احسان مند ہونا چاہیے کیونکہ ہم نے تم کواُس رات قتل نہیں کیا۔

۱۸۹۶ئی کے موسم گرما میں مشہورڈاکوچکی نے اُس کو اپنے ہاں بلایا۔ اوائل عمر میں یہ شخص ایک پن چکی میں کام کرتا تھا۔ وہ بڑا شہ زورلمبا چوڑا جوان تھا۔ اُس کے گرد چند اور جوان جمع ہوگئے اوراُنہوں نے مسافروں کولوٹنا شروع کردیا۔رفتہ رفتہ لوگوں نے اُس کو زر کا طمع دے کر اپنے دشمنوں کوقتل کروانا شروع کردیا حتیٰ کہ اُس کے نام سے لوگ کانپتے تھے۔ پینل اُس کے قبیلے کے قریب ایک گاؤں میں مریضوں کودیکھتا پھرتا تھا۔ چکی نے یہ سن کراُس کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اوراُس کی بڑی مہمان نوازی کی۔ وہ پینل کواپنے پاس سے دور جانے نہیں دیتا تھاتاکہ خدا نخواستہ اگرکوئی پینل مارڈالے تواُس کی بدنامی ہوگی۔ اس شخص کا وقت دعا نماز اور قبیلہ کے انتظام میں صرف ہوتا تھا۔ اُس نے پینل کوایک دعا سنائی جواُس نے پشتو میں لکھی تھی جس کا مضمون یہ تھاکہ خدایا، میرا نشانہ کبھی خطا نہ جائے۔ نشانہ کرنے سے پہلے وہ ہمیشہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتا تھا۔اُس نے کہا کہ میری یہ دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔ پینل نے اُس کو خدا کی محبت اورمسیح کے رحم کا نجات بخش پیغام سنایا اورپہاڑی وعظ کی مبارکبادیوں کی تلقین دی۔ چکی کے مُلا نے اُس کے ساتھ مباحثہ بھی کیا لیکن مبارکبادیوں نے چکی کے دل کوبڑا متاثرکیا۔ پینل نے اُس کوایک پشتو کی انجیل دی اورچلاآیا۔ چندعرصہ کے بعدچکی نے کہلا بھیجا میں

آپ کے الفاظ پر غور وخوض کرتا رہتا ہوں اورمیں نے خون کرنا اورڈاکہ مارنا چھوڑدیا ہے۔ کچھ مدت بعد اُس نے امیر کابل کے ماتحت نوکری اختیارکرلی۔

اسی سال ایک دومُلا اُس کے پاس متلاشی ہوکرآئے۔ ایک دفعہ جب وہ بازاری منادی سے واپس آرہا تھا توایک مروتی اُس کے پیچھے ہولیا اوربپتسمہ کا خواہاں ہوا۔ لگلے اتوار جب پینل منادی کررہا تھا تویہ مروتی عیسائیوں کے درمیان جاکھڑا ہوا۔ اس پر لوگوں میں شوروغل برپا ہوگیا۔ اُنہوں نے مروتی کوپکڑلیا۔ ایک متعصب مسلمان افسر نے اُس کوتھانہ میں بھیجوادیا۔ لگلے روز جب وہ پیش ہوا تواُس نے علانیہ مسیحی ایمان کا اقرارکیا۔ اس پر کسی بہانہ سے اُس کوواپس تھانہ پہنچادیا گیا۔ لگلے روزاُس کویہ خبر دی گئی کہ تیرا چچا مرگیا ہے آکراُس کا جنازہ دیکھ لے۔ اس بہانے سے اُس کورشتہ داروں سے پاس لے گئے۔ وہاں اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ کراُسے ایک کوٹھڑی میں بند کردیا گیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن اُس کے قبیلے کے اونٹ چوری ہوگئے اوراُس کے تمام رشتہ دار اونٹوں کی تلاش میں نکل گئے۔ وہ موقعہ کوغنیمت جان کر بھاگ گیا اورآدھی رات کے وقت پینل کے پاس جا پہنچا۔

جنوری ۱۸۹۷ئ میں پینل لاہورگیا اوربنوں کے لئے ایک چھاپہ خانہ خرید لایا۔ آتے ہی اخبار تحفہ سرحد شروع کردیا۔ یہ پہلا اخبار تھا جوبنوں میں شائع ہوا۔ اُس کا وہ خودایڈیٹر تھا اوراپنے روپیہ سے اس کوچلاتا تھا۔ لاہور سے واپس آتے وقت ریل میں ایک پشاوری اُس کو ملا اُس نے پشتو میں گفتگو کرنی شروع کردی۔ پینل نے پوچھا کہ آپ نے کیسے معلوم کیاکہ میں افغان ہوں۔ جواب میں اُس نے کہا "کیا کوئی افغان چھپ سکتا ہے"! پینل کواس بات کا یقین تھا کہ اُس کا افغانی لباس انجیل کا اثر لوگوں کے دلوں میں پیدا کررہا ہے۔ لوگ اُس کو پیارکرتے تھے اورلباس کی وجہ سے اُس کو فوراً اپنے دلوں میں جگہ دیتے تھے ۔ وہ کہا کرتا تھا کہ جب بعض ہندوستانی رسالوں میں انگریز افسروں کو کلاہ اورلُنگی پہننے پڑتے ہیں تومیں جومسیح کا سپاہی ہوں کیوں ایسا نہ کروں؟ سرحد میں یہ رسم ہے کہ دوست ایک دوسرے کی پگڑیاں بدل کرپہنتے ہیں اوراس کو دوستی کا نشان قراردیتے ہیں۔ پگڑی

اورکلاہ پہننے سے پینل اس رسم پر عمل کرسکا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے ہندوستان آکر داڑھی بھی رکھ لی تھی۔ ہندوستانی جوتیاں بھی بڑا کام دیتی تھی کیونکہ وہ نہایت آسانی سے پاؤں سے اُتر سکتیں۔ جب وہ مسجدوں یامندروں میں یا کسی کے گھر جاتا تھا تو اُن کو اُتار دیتا تھا۔ وہ جہاں جاتا اُس جگہ کے رواج کے مطابق لباس پہن لیتا تھا۔ وہ موقعہ کے مطابق افغانی، وزیری، پشاوری ، خان اورمُلا کے لباس زیب تن کرلیتا تھا۔

انہی ایام میں اُس سات متلاشی عیسائی ہوگئے اور لوگوں میں سخت ہیجان پیدا ہوگیا۔ ایک دفعہ وہ بازارمیں منادی کررہا تھا اُ سکے ساتھ تائب خان اورسید بادشاہ تھے جونومرید تھے۔ موخر الذکر ایک مُلا تھا۔ لوگوں نے تائب خاں کو پکڑلیا اورکشمکش شروع ہوگئی ۔ بلاآخر پینل نے تائب خاں کو لوگوں کے ہاتھوں سے چھڑالیاتب اُن پر پتھروں اوراینٹوں کی بارش شروع ہوگئی۔ لیکن اُنہوں نے منادی جاری رکھی۔ ایک شخص نے آگے بڑھ کر سید بادشاہ کوپکڑلیا اور ہاتھا پائی میں پینل کی پگڑی دُوسری بارسر سے گرگئی اورپتھر پھر برسنے شروع ہوگئے۔ چونکہ یہ جگہ کنک منڈی تھی ہندودکانداروں کوچوٹیں لگیں اوراُنہوں نے پینل سے اصرار کرکے کہا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں ۔ اُن کی خاطر پینل وہاں سے چل دیالیکن اینٹ پتھر کی بارش مشن احاطہ تک ختم نہ ہوئی کچھ عرصے کے بعد لوگوں نے تین نومریدوں کوبازارمیں پکڑلیااورادھموا کرکے چھوڑگئے۔ پینل نے اپنے دیگر فرائض کے علاوہ اُن نومریدوں کوباقاعدہ تعلیم دینی شروع کردی۔ لوگوں نے جہان خان کو دھمکیاں دیں۔ تائب خان اورسید بادشاہ کی جانیں بھی خطرے میں تھیں۔ ایک روزسید بادشاہ کے دروازہ کے باہر ایک خنجر پڑا ملا اورچند دنوں کے بعد اُس کو گولی سے شہید کردیا گیا۔ اوریوں اُس نے اپنے ایمان پر اپنے خون سے مہر کی۔

انہی ایام میں وزیروں نے انگریزوں پر حملہ کردیا اور بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ انگریز افسر چاہتے تھے کہ مشن کمپونڈ کی گاردحفاظت کرے لیکن پینل اس کے خلاف تھا۔وہ کہتا تھا کہ ہماری حفاظت صرف اسی بات پرمنحصر ہے کہ ہم قبائل کے ساتھ محبت کےتعلقات پیدا کریں۔ بندوق

اوردیگر اسلحہ ہماری حفاظت نہیں کرسکتے ۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے کبھی کوئی ہتھیار بھی اپنے پاس نہ رکھا۔

فروری ۱۸۹۸ئ میں پینل کی والدہ کی فیاضی سے سکول کو مڈل سے ہائی بنادیا گیا تاکہ لڑکے زیادہ مُدت تک انجیل کے جانفزا پیغام سے متاثرہوسکیں۔

پینل میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ کسی کے خلاف شکایت نہیں سنتا تھا جب تک دوسرا فریق بھی سامنے موجود نہ ہو۔یہ اُس کا معمول تھا اوراس قاعدہ کا وہ ہمیشہ پابند تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جواُس کے ماتحت تھے وہ صلح اور آشتی سے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے اورکسی کوچغل خوری اورغیبت کا موقعہ نہ ملتا تھا۔

اسی سال ایک مرتبہ بازاری منادی کے وقت مباحثہ شروع ہوگیا۔بحث کا مضمون تحریف بائبل تھا۔ پینل نے قرآن ہاتھ میں لے کر مُلا سے کہا کہ اس کتاب میں کہیں یہ لکھا دکھا دوکہ قرآن نے انجیل کومنسوخ کردیا ہے۔ مُلا قرآن کا توحوالہ نہ دے اوراعتراض پر اعتراض کرتا چلا جائے۔ پینل نے اعتراضات کے جوابات دے کر پھر کہا کہ مُلا صاحب قرآن سے آپ انجیل کے منسوخ ہونے کا حوالہ کیونکر نہیں نکالتے ؟اگرآپ سچے ہیں اورآپ کی کتاب برحق ہے تو اس کا یہ دعویٰ کہیں سے دکھائیں۔ اس پر مُلا اورمسلمانوں نے شور مچانا شروع کردیا اوربحث یونہی ختم ہوگئی۔

پینل اوراُس کی والدہ نے کبھی رخصت نہ لی۔ اگرچہ مشن کے قوانین کے مطابق سرحد کے مشنری سال میں دوماہ رخصت لے سکتے ہیں لیکن اُس نے یہ کبھی نہ کیا۔ اکتوبر میں اُس نے فارسی کا اعلیٰ امتحان پاس کرلیا اورعربی کا مطالعہ شروع کردیا۔

پینل محنت شاقہ کا عادی تھا۔ وہ عموماًایک جگہ سارا دن کام کرکے رات کے وقت سفر کرتا تھاتاکہ اگلے روز دوسری جگہ تمام دن کام کرسکے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہرحالت میں سوسکتا تھا۔ ٹانگہ میں وہ اسباب پر ٹانگیں سیکڑ کے بیٹھا بیٹھا سوتا رہتا تھا۔ ٹم ٹم میں وہ نشست گاہوں کے نیچے لیٹ کریوں سوتا کہ اُس کا سرگاڑیبان کے پاؤں میں ہوتا اوراُس کی ٹانگیں پائدان پر لٹکتی رہتیں۔ یکہ میں وہ اپنی پگڑی دونوں ڈنڈوں کے ساتھ باندھ کر اُس سے پیٹھ کا سہار لے لیتا

اورگھنٹوں کومنہ کے پاس رکھ کر بیٹھا بیٹھا سوجاتا۔ وہ رات کواس قسم کے سفر کرکے صبحدم تازہ ہوکر تمام دن آپریشن میں اورانجیل کی منادی میں صرف کرکے پھر رات کواُسی طرح سفر کرکے واپس بنوں صبح کو پہنچ جاتا اوراپنے روزمرہ کے کام میں لگ جاتا۔

دسمبر ۱۸۹۸ئ میں پینل پنجاب کے لفٹنٹ گورنر کو لاہور ملنے گیاتاکہ اُس سے کابل جانے کی اجازت حاصل کرے لیکن اُس نے کہاکہ آپ امیر صاحب کوخودلکھیں۔ لیکن وہاں سے کوئی خاطر خواہ جواب نہ ملا تاہم اُس نے تادم مرگ کابل جاکر انجیل کا پیغام سنانے کا خیال نہ چھوڑا۔

جنوری ۱۸۹۹ئ میں اُس نے ایک انجمن قائم کرنے کا ارادہ کیا جورسولی زمانہ کی طرز پر ہو یعنی سب کا مال ایک جگہ اکٹھا ہو۔ کھانا اکٹھا ہو۔ عبادت اکٹھی ہو اورمسیحی اُصول کے مطابق روزانہ دوسروں کی خدمت کرکے خدا کی خدمت کی جائے۔یہ اُصول اُس کی زندگی کے اُصول تھے۔ اُس نے یہ کبھی یہ خیال نہ کیاکہ فلاں شے میری ہے بلکہ اُس کا یہی منشا تھا کہ انجیلی حکم پر عمل کیا جائے کہ" جس کے پاس دوچوغے ہوں وہ ایک اُس کودے دے جس کے پاس کوئی نہیں" وہ اپنے کپڑے ہمیشہ دوُسروں کو دے دیتا تھا۔ مشن کی ضروریات پورا کرنے کے لئے اُس نے اپنی طلائی گھڑی اورزنجیر تک فروخت کردی۔اُس کی والدہ کوایک دفعہ معلوم ہواکہ وہ اپنے سونے کے تمغے بھی فروخت کرتا جاتا ہے تواُس نے اُن کو دوبارہ خرید کر مقفل کردیا۔ اُس کو کپڑوں کے انبار رکھنے سے بڑی نفرت تھی ۔ اوراگر کوئی شے ایک سے زیادہ اُس کے پاس ہوتی تووہ اُس کوفوراً کسی کو دے دیتا ۔ اُس کی ماں کوہر شے کوجوروزمرہ کے استعمال میں نہیں آتی تھی نہایت خبرداری سے سنبھالنی پڑتی کیونکہ وہ عموماً اشیائ کودے دیتا تھا اوراُس کی والدہ کوتب پتہ لگتا جب وہ اُن چیزوں کو کسی دوسرے کے پاس دیکھتی۔ بعض اوقات وہ اپنے کمبل اورلحاف اورکپڑے تک حاجت مندوں کو دے دیتا اورپتہ اُس وقت لگتا جب وہ اُن کو پہن کر گرجہ گھر میں جاتے۔ اُس کے دفتر میں ایک بکس پڑا رہتا تھا جس میں وہ سب چیزیں ڈال دیتا تھا جواُس کے خیال میں کسی کودرکار ہوتیں۔ اُ س میں سے وہ اشیا نکال کر اوروں کودے دیا کرتا تھا۔

فروری میں وہ اپنے سکول کی برانچ میں رہنے کے لئے چلا گیا جو شہر میں تھی تاکہ شہر والوں کے درمیان رہے۔ بازاری منادی میں وہ ہمیشہ سرگرم رہا۔ ایک دفعہ اُس کے سکول کے دولڑکوں نے اُس کو لوگوں کے ہاتھوں سے چھڑادیا۔ ایک اوردفعہ ایک مُلا بازار کے سرے پر بیٹھ گیا تاکہ لوگوں کو منادی سننے کے لئے نہ آنے دے۔ میلہ اسپا ں میں افغانوں نے دُکان کوگھیرلیا جہاں انجیلیں فروخت کے لئے رکھی تھیں اورانجیلوں کو پھاڑدیا۔ اس ہاتھا پائی میں کسی نے پینل کی انگلی کو دانتوں سے چبالیا۔ پولیس نے مجرم کو پکڑلیا لیکن عدالت میں پینل نے عرض کی کہ اس چھوڑدیا جائے۔ اس طرح معاف کرنے سے اُس نے لوگوں کے دلوں کو موہ لیا۔ اوراُس موسم بہارمیں تین افغان عیسائی ہوگئے۔

پینل کا یہ اصول تھاکہ وہ کبھی کسی یورپین کلب کا ممبر نہ ہوا۔ وہ فراغت کا وقت انگریزوں میں صرف نہیں کرتا تھا بلکہ ہندوستانیوں میں رہ کر اُن کے ساتھ رفاقت حاصل کرتا تھا۔

پینل نہایت صابر انسان تھا۔ بعض اوقات ایسے بیمار آتے جوبڑے بےصابر ہوجاتے۔ ایسے اوقات میں وہ نہایت تحمل اور برُدباری سے اُن سے پیش آتا تھا۔ ہسپتال کے کارگذار اُس کے صبر کودیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔ وہ ہمیشہ یہ چاہتا تھا کہ مشن ہسپتال میں چھوٹے بڑے غریب اوردولت مند کی تمیزاڑجائے اورہرشخص کی یکساں خاطر تواضع کی جائے۔ تاکہ کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ چونکہ وہ غریب ہے اُس کا علاج امیر کی طرح نہیں کیا گیا بلکہ ہرشخص مسیحی محبت کا مزہ چکھ کرجائے۔

۱۸۹۹ئ میں پینل بشپ لیفرائے کی تقدیس کے موقعہ پر لاہورگیا۔ وہ افغانی لباس میں تھا جب وہ کیتھڈرل میں عبادت کے وقت گیا تواُس کو راہ سے روک لیا گیا جدھر سے یورپین گرجہ گھر میں داخل ہوتے تھے۔ لہذا وہ اُس طرف سے داخل ہوگیا جدھر سے ہندوستانی مسیحیوں کو اجازت تھی۔ وہ اس بات سے خوش ہوا کہ وہ بھی اس بے عزتی میں شامل کیا گیا جو ہندوستانیوں کے لئے روا رکھی جاتی تھی۔

بشپ لیفرائے (Bishop Lefroy) فروری ۱۹۰۰ئی میں پہلی دفعہ بنوں گیا اوراُس نے بازارمیں اُس کے کمرے کی بنیاد رکھی جو منادی کیلئے مخصوص کیا گیا تھا۔ اُس وقت سے لے کرآخر تک پینل نے روزانہ بازاری منادی شروع کردی۔ آریہ سماج کے شرکائی سب سے زیادہ بحث میں حصہ لیتے تھے۔

انہی ایام میں لارڈ کرزن (Lord Curzon) بنوں آیا۔ پینل نے پھر کابل جانے کی اجازت مانگی لیکن اُس نے نہ دی۔

اپریل میں ہیضہ پھیل گیا وہ اوراُس کی والدہ ہرجگہ جاتے تھے تاکہ لوگوں کی مدد کرسکیں۔ اُس سال اُس کی والدہ پہاڑپربھی نہ گئی تاکہ لوگوں میں رہ کراُن کے غم اورمصیبت کے وقت کام آسکے۔

مسلمان مُلا ہر وقت اس کوشش میں رہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح بازاری منادی نہ ہو۔ پس اُنہوں نے بازاری منادی روکنے کی غرض سے اُس جگہ آنا شروع کیا جہاں وہ منادی کیا کرتا تھا۔ وہ منادی کے وقت سے پہلے آتے اورجونہی اُس کوآتے دیکھتے اسلام پر وعظ کرنا شروع کردیتے اورپینل کو اس طرح دق کرتے۔ لیکن وہ ان باتوں سے ٹلنے والاآدمی نہ تھا۔ اوربازاری منادی باقاعدہ ہوتی رہی۔

اسی سال کے اکتوبر میں آریوں نے اُس کو کہا کہ اگرتم گوشت کھانا ترک کردو توہم تمہارے ساتھ کھانا شروع کردینگے۔ اس پر اُس نے گوشت کھانا چھوڑدیا اوراس نے اُن کی دعوت کی لیکن سماج کے پریذیڈنٹ نے دعوت کھانے سے انکار کردیا۔ باقی جو آئے تھے دری پر بیٹھ گئے اورہندو مسلمانوں کا ہجوم یہ نظارہ دیکھنے کے لئے جمع ہوگیا۔ پینل نے اُن کے ہاتھ دھلائے لیکن اُن میں سے نوآدمی غیر مسیحیوں کا ہجوم دیکھ کرگھبراگئے باقی جورہ گئے اُن میں سے دو وکیل تھے اورچاراُپنشدوں کے ماننے والے تھے۔ اُس وقت سے اُس نے گوشت کھانا ترک کردیا لیکن جب اُس نے دیکھا کہ مدت گذرنے پربھی آریہ اُس کے ساتھ نہیں کھاتے تواُس نے صدائے احتجاج بلند کی۔ اس پربھی وہ نہ مانے تواُس نے پھر گوشت کھانا شروع کردیا۔

۱۹۰۱ئی میں اُس نے پنجابی زبان سیکھنی شروع کردی تاکہ پنجابیوں سے آسانی سے گفتگوکرسکے۔

اسی سال کے نومبر میں انگریزوں کو معلوم ہواکہ مسعود بنوں کو لوٹنے کے لئے آنے والے ہیں۔ پینل گاؤں میں دورہ کرنے کو گیا ہوا تھا۔ انگریز افسر چاہتا تھا کہ اُس کی والدہ قلعہ میں آجائے لیکن اُس کی والدہ نے صاف انکار کردیا اور کہاکہ میں عیسائیوں کو حفاظت کے بغیر چھوڑکر کہیں جانا نہیں چاہتی۔ بعد میں معلوم ہواکہ حملہ آوروں نے خود اپنے آدمی مقررکررکھے تھے تاکہ حملہ کےوقت "پادری صاحب کی ماں" کی حفاظت کریں۔

ماہ دسمبر میں وہ پشاورگیا جہاں ایک کمیٹی منعقد ہونے والی تھی۔ اس دفعہ وہ اپنے ساتھ ایک مسلمان طالب علم کو لے گیا۔ اُس میں یہ بڑی خوبی تھی کہ وہ باہر سفر میں اپنے ساتھ اُن لوگوں کو لے جاتا خودکسی روحانی تکلیف میں ہوتے اوریوں اپنے ساتھ رکھ کر روحانی آزمائش کےوقت اُس کی تسلی اورمدد کرتا اوراُن کو خدا کے نزدیک لاتا۔

۱۹۰۲ئی میں پینل نے اپنے سکول کے لڑکوں کی ایک سوسائٹی قائم کی جس کا مقصد یہ تھا کہ اُس کے لڑکے لوگوں کی خدمت کرنا سیکھیں اور غریبوں ،محتاجوں ، بیماروں اور مصیبت زدوں کی ضرورت کے وقت کام آئیں۔ بعض اوقات وہ کسی لنگڑے کوباہر سیر کے لئے لے جاتے یا کسی بے یارومددگار کے لئے کھانا لے آتے یابیماروں کی تیمارداری کرتے یا بیواؤں کوخبرگیری کرتے یا اگرکوئی لاوارث مرجاتا تواُس کی تجہیزوتکفین کا انتظام کرتے تھے۔

پینل دوسروں کے لئے اپنا روپیہ پانی کی طرح بہادیتا تھا۔ لیکن اُس کے پاس بعض اوقات پھوٹی کوڑی بھی نہ ہوتی تھی۔ اُس کا یہ معمول تھاکہ سفر کرتے وقت اپنے پاس بہت تھوڑا روپیہ رکھتا۔ اگرکوئی اورہوتا تو وہ اُن حالات میں گھبرا جاتا لیکن وہ ان باتوں کو خاطر میں بھی نہ لاتا اورخدا کی پروردگاری سے وقت پر اُس کی تمام مشکلات حل ہوجاتیں۔ ایک دفعہ اُس کے پاس اتنی رقم بھی نہیں تھی کہ اسباب کا کرایہ اداکرے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے کہ ڈاکیہ پندرہ روپیہ کا منی آرڈر لے آیا۔ ایک اوردفعہ اُس کو پچاس روپیہ کی فوری ضرورت تھی اورنیوزی لینڈ سے روپیہ آگیا۔

پینل میں ایک کمال کی خوبی یہ تھی کہ وہ ہر خوردوکلاں سے سیکھنے کوتیار تھا۔ ایک دفعہ وہ سکول میں

یوحنا ۱۳باب پردرس دے رہا تھاکہ ہر شخص کی خواہ وہ غریب ہو یا امیر، خدمت کرنی چاہیے اس پر ایک طالب علم نے کہا کہ جناب آپ خود اس پر عمل نہیں کرتے کیونکہ ایک دفعہ جب آپ ہم کو پڑھارہے تھے توایک نمبر دارآپ کو ملنے آیا تھا تو آپ جماعت چھوڑکر اُسے ملنے کے لئے چلے گئے تھے لیکن اس کے بعد ایک غریب مریض آپ کے پاس آیا تھا توآپ نے کہلا بھیجا تھا کہ کل ہسپتال کےوقت آؤ۔ پینل نے اس ملامت کے جواب میں اُس کو ایک بائبل کی جلد عطا کردی۔

۱۹۰۳ئی کے دہلی دربارمیں پینل کو قیصر ہند کا چاندی کا تمغہ عطا کیا گیا۔

جنوری کے آخر میں اُس کے چیلے جہان خان نے کہا کہ میں بحیرین انجیل کی تبلیغ کے لئے جانے کو تیارہوں۔ یہ مقام خلیج فارس میں واقع ہے۔چنانچہ وہ پہلا افغان مشنری تھا جو بنوں سے ہندوستان کے باہرگیا۔ پینل اس بات سے بڑا خوش تھا کیونکہ اُس کی دل کی خواہش تھی کہ افغان مسیحی مبلغ بن کر غیر ممالک کوجائیں۔وہ کہتا تھا کہ جب افغانوں نے افریقہ ۔جاد اورچین میں اسلام کی اشاعت کردی تو کوئی وجہ نہیں کہ انجیل کے پیغام کو وہ غیر ممالک میں نہ پہنچائیں۔ ۱۹۱۱ئی میں جب لکھنو کی کانفرنس ہوئی تو اُس نے اس بات پر بڑا زوردیااوربتایاکہ تین افغان مسیحی عرب میں مبلغ بن کر جاچکے ہیں۔جب وہ اُس کانفرنس سے بنوں واپس آیا تواُس نے پوچھا کہ کوئی شخص افریقہ جانے کو تیارہے توایک شخص نے ممباسہ جانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اُس کے افغان مسیحی بڑے جوشیلےتھے اوربازاری منادی میں بڑا جوش دکھاتے تھے بلکہ ایک دفعہ جب اُن پر اینٹوں اورپتھروں کی بارش شروع ہوگئی تواُنہوں نے بھی تُرکی بُترکی جواب دیا اور گوپینل اُن کوروکتا رہا تو بھی اُنہوں نے اپنے حملہ آوروں کو بھگادیا اوردوبارہ منادی کرنے لگ گئے۔ملانوں کا یہ قاعدہ تھا کہ مسلمانوں کو اُکسا کرآپ وہاں سے کھسک جاتے تھے۔ ایک دفعہ جب وہ بازاری منادی کے لئے گئے توکیادیکھتے ہیں کہ وہاں ایک مُلا کے پاس جا کھڑا ہوا اورمنادی کرنے لگ گیا۔ ادھر ملاؑ اونچی آواز سے وعظ کرتا تھا اوراُدھر وہ اُس سے بھی زیادہ اونچی آواز سے انجیل کی منادی کرتا تھا۔جب مُلا نے یہ دیکھا تو اُس نے لوگوں کو اشتعال دینا شروع کردیا اورپینل کو

کہنے لگا کہ اگر آپ منادی کرنے سے باز نہیں آئینگے تو یہ لوگ آپ سے بُری طرح پیش آئینگے۔ پینل نے کہا کہ اگر ایسا ہوا تو تم سب باتوں کے ذمہ وار ہوگے۔ اس طوفانِ بدتمیزی میں ایک مسلمان مُلا کو کہا "مولوی صاحب آپ جانتے ہیں کہ پادری صاحب آپ کی جگہ جاکر کبھی وعظ نہیں کرتے آپ نے کیوں اُن کی جگہ آج غضب کرلی ہے آپ یہاں سے چلے جائیں"۔ اس پر مُلا اور دیگر مسلمان گالیاں دیتے ہوئے چلے گئے۔ بعض اوقات بازاری منادی کے وقت ایک شخص ہجوم میں کھڑا ہوجاتا اور چلا چلا کر کہاتا کہ کسی مومن مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ کافروں کی وعظ سنے اور لوگوں کو وہاں کھڑا ہونے نہ دیتا۔ ایک دفعہ جب پلٹن کے آفریدی مسلمان سپاہیوں نے منادی میں خلل ڈالا۔ تو اُن کے افسر نے بلا کر کہا کیا تم اُس بات کو پسند کروگے کہ ہم تمہارے مُلانوں کی باتوں میں خلل ڈالیں۔ جب اُنہوں نے نفی میں جواب دیا تو افسر نے کہا کہ دیکھو پادری صاحب ہمارے مُلا ہیں اور ہم نہیں چاہتے کہ تم اُن کو خواہ مخواہ تنگ کرو۔ اس کے بعد اُنہوں نے پینل کو کبھی نہ چھیڑا۔ اُس کا یہ قاعدہ تھا کہ بازاری منادی کے وقت وہ اعتراضات کو ٹال دیتا تھا اور اُن کا جواب نہیں دیتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ منادی میں ان مضامین پر وعظ نہیں کرنی چاہیے جن پر بحث ہوسکے بلکہ خدا کی محبت اور مسیح کی زندگی اور کاموں پر وعظ کرنی چاہیے۔ وہ کہتا ہے کہ " میرا یہ خیال ہے کہ خواہ مشن کیسے ہی طریقے اختیار کیوں نہ کرے بازاری منادی سے بہتر طریقہ کوئی نہیں۔ یہی بشارت کا بہترین طریقہ ہے اور اس طریقہ کی ضرورت ہمیشہ رہیگی۔ جو ان مشنریوں کے روحانی جوش کے قیام کے لئے بازاری منادی سے بہتر کوئی مقوی شے نہیں"۔

۱۹۰۳ئی میں جہان خان بحیرین سے واپس آیا اور اُس نے آکر باقا عیسائیوں کو جوش دلایا کہ وہ بھی غیر ممالک میں جاکر تبلیغ کا کام کریں۔

اس سال پینل اُسقفی کونسل کے لئے لاہور گیا۔ واپسی کے وقت بنوں آنے کے لئے لاہور اسٹیشن پر جب وہ اُس گاڑی میں بیٹھنے لگا جو صرف یورپینوں کے لئے مخصوص تھی تو افغانی لباس کی وجہ سے ایک انگریز سپاہی نے اُس کو وہاں

سے نکال دیا۔ پس وہ نہایت خندہ پیشانی سے تیسرے درجے کے خاکے میں ہندوستانیوں کے ساتھ جابیٹھا۔

۱۹۰۴ئی میں پینل نے سادھوانہ لباس میں پنجاب اورہندوستان کا سفر کیا تاکہ وہ "اپنے ہندوستانی بھائیوں کے ساتھ میل جول پیدا کرے" وہ لکھتا ہے کہ چونکہ میری دلی آرزو یہ تھی کہ میں زیادہ تراُن لوگوں سے ملوں جنہوں نے یادالہٰی میں مشغول رہنااپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد ٹھہرایا ہے اس لئے میں نے یہ مناسب سمجھا کہ سادھوؤں کے لباس میں اس سفر کواختیارکروں۔ پس میں نے کوئی نقدی وغیرہ اپنے ساتھ نہ لی۔ چونکہ میری رخصت تین ماہ کی تھی اگرمیں پاپیادہ جاتا تواس عرصے میں بمشکل لاہورپہنچ سکتا تھا۔ لہذا میں نے اس سفر کو بائیسکل پر اختیارکیا"۔وہ ۴دسمبر ۱۹۰۳ئی کو معہ ایک چیلے جو مسلمان افغان تھا ایک کمبل اور ایک کوڑا کپڑا اورایک جلد بائبل اورایک بھجن کی کتاب لے کر بنوں سے روانہ ہوا اورلکی، عیسیٰ خیل،شیخ محمود، میانوالی کی راہ سے خوشاب پہنچا۔ راستہ میں ہر جگہ بازاروں میں منادی کرتا اورہندوؤں اورمسلمانوں کے گھروں میں قیام کرتا رہا۔ خوشاب میں جب وہ بازاری منادی کررہا تھا توپولیس والوں نے اُس کا نام ولدیت، قومیت اورسکونت وغیرہ کا پتہ لگایا اورچلے گئے۔ وہ وہاں سے شاہ پوراوربھیرہ گیا۔ اوروہاں سے پنڈداد نخاں گیا جہاں مسلمانوں نے اُس سے بدسلوکی کی۔ بھیرہ سے ایک شخص نے اُس کو ۲آنہ کے پیسے دیئے جس میں سے چھ پیسے پل کو عبورکرنے کے محصول میں خرچ ہوئے اورباقی دوپیسہ کی چپاتی اورگنڈیریاں خرید کراُس نے اوراُس کے ساتھی نے اپنے پیٹ بھرے۔ پھر وہاں سے وہ کھیوڑہ، ڈنڈوت اورکٹاس اورچکوال اورجہلم کوگئے۔ جہلم کے پُل والوں نے اُن سے عبورکرنے کا ۲آنے محصول مانگالیکن اُن کے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ وہ لکھتا ہے " ہم سڑک کے کنارے کھڑے رہے تاکہ کوئی فیاض آدمی اُدھر سے گذرے اورہم اُس سے بھیک مانگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد چند ایک ہندو جنٹلمین وہاں سے گذرے اورہم سے دریافت کیاکہ " سادھو جی۔آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں"۔ ہم نے جواب دیا کہ ہم مسیحی سادھو ہیں اورجا بجا انجیل کا پرچارکرتے ہیں اس وقت ہمارے پاس دریا عبورکرنے کے لئے پیسہ نہیں ہیں۔

اُنہوں نے کہا کہ اگرتم تم ویدک دھرم کا پرچار کرو تومیں تم کو ۲آنے دے دونگا۔ بھلا یہ ہمیں کب منظور ہوسکتا تھا۔ اُن لوگوں نے طعنہ زنی سے کہا کہ بہتر ہوگا کہ تم واپس جاکر عیسائیوں سے بھیک مانگو یہاں تمہاری مراد نہیں برآئیگی۔ ہم نے جواباً کہا کہ ہمیں یقین ہے کہ خدا ہماری مدد کریگا اورہرایک تکلیف سے ہمیں بچائیگا۔ اس پر وہ قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔ اسی اثنا میں ایک یورپین جنگی افسر جو پشاور میں تھا اورجہم آیا ہوا تھا اتفاقاً وہاں سے گذرا اوراُس نے مجھے پہچان لیا اورہم اُس کی مدد سے دریا کے پار چلے گئے۔ تب ہم نے ہندوؤں سے کہا" دیکھو خدا نے ہماری مدد کے لئے پشاور سے ایک افسر بھیجا ہے"۔

اگلا دن عید الفطر کا دن تھا۔ اُس کے مسلمان افغان چیلے کے دل میں عید منانے کی اُنگ پیدا ہوئی اوروہ بعض مسلمانوں کے پاس جوضیافت کھارہے تھے گیا اور کہنے لگا کہ ہم دور کے مسافر عید کی خوشی سے محروم ہیں۔ اس پر اُنہوں نے جواب دیا۔" ہونہ ہو چڑھدے بائیسکلاں اُتے۔ تے روٹیاں پُن دیاں کھاندے نے"۔ اس پر وہ پینل کو کہنے لگا کہ " ہم جوافغان ہیں کہا کرتے ہیں کہ یہ پنجابی نیم مسلمان ہیں لیکن یہ تو ۱/۴ مسلمان بھی نہیں۔ ہمارے ملک میں ہرایک اجنبی کوعید کی ضیافت میں شریک کیا جاتا ہے"۔

دوپہر کے قریب وہ لالہ موسیٰ پہنچے اوراُن کی انتڑیاں ق ہو اللہ پڑھ رہی تھیں پینل لکھتا ہے " میں ریل کے اسٹیشن پر جہاں اُسی وقت ریل آئی تھی کھڑا دیکھتا رہا۔ گرم کچوریاں ، تازہ روٹی کباب وغیرہ کا شورمچا ہوا تھا۔ اورخوش نصیب پیسے والے ان چیزوں کو خرید رہے تھے۔سٹشین پر میں نے یورپین اصحاب کو کھانا تناول کرتے ہوئے بھی دیکھا اورمجھے یادآیاکہ کئی دفعہ میں نے بھی یہاں کھانا کھایا تھا مگر کب؟اُس وقت جب کہ مجھے بھوک نہ تھی۔ اب جب مجھے بھوک تھی میں اندرجانے کی جرات نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ یہی ڈرتھاکہ بیرہ کہیگا یہاں سے نکل جاؤ۔ اتنے میں گاڑی چل دی اورہم وہاں اکیلے کھڑے رہ گئے۔ وہاں سے ہم سرائے میں چلے آئے"۔ ان کی ملاقات ایک عیسائی مناد کے ساتھ ہوئی جس نے اُن کو چائے پلائی اوروہاں سے گجرات ، جلال پورجٹاں اوروزیرآباد گئے جہاں نے اُنہوں نے بازاروں میں منادی بھی کی۔ پینل

لکھتا ہے کہ " میں نے بارہا مختلف مشنوں میں یہ دیکھا ہے کہ جب کوئی مشنری ہمت ہارنے لگتا ہے یابیدل ہونے لگتا ہے توسب سے پہلے اُس کا اثر بازاری منادی پر پڑتا ہے۔ برعکس اس کے جہاں تبلیغ کا جوش اورولولہ موجود رہتا ہے وہاں بازاری منادی پر زیادہ زوردیا جاتا ہے۔ درحقیقت بازاری منادی ایک نہایت موثر طریقہ ہے لیکن اس کے بحال رکھنے کے لئے جوش ۔ سرگرمی، تیاری اوراستقلال کی سخت ضرورت ہے"۔

وزیرآباد سے وہ ڈسکہ اورپسرورگیا۔ لپٹرو کے گرجا کی بابت وہ لکھتا ہے " یہ پہلا موقع تھاکہ میں نے لوگوں کو دیسی طریق پر زمین پر بیٹھ کر عبادت کرتے دیکھا جو مجھے مغربی کرسیوں وغیرہ سے زیادہ مناسب اورآرام دہ معلوم ہوا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ مشنری صاحبان نے کس خیال سے اپنی کلیسیاؤں میں مغربی اُمور کوزبردستی مروج کردیا ہے۔ بھلا دیسی طریق پر عبادت کرنے میں کونسی خرابی تھی کہ ہم نے اس کو ترک کردیا ؟" کیا ممکن نہیں کہ اب بھی اس دیسی طریقہ پر عبادت ہوسکے؟ میرے خیال میں اب تودیسی بھی اس اصلاح کے خلاف ہونگے۔ میں اتنا ضرور کہونگا کہ ہندوستانی کلیسیاؤں نے مغربی رواجوں کو قبول کرنے میں بہت نقصان اٹھایا ہے۔ کیونکہ اُنہوں نے رسولی طریقوں پر انگریزی رواجوں کوترجیح دی ہے۔

پسرور میں سیلف سپورٹ کے متعلق بھی ایک قابل تقلید کوشش کی جارہی ہے۔ دیسی کلیسیا اُس وقت ہی قائم اورسرسبزرہ سکتی ہے جبکہ نہ تومغربی امداد مل سکیگی اورنہ مغربی اُستاد ہی نظر آئینگے۔

پینل پسرور سے نارروال آیا اس جگہ کی بابت وہ لکھتا ہے کہ نارروال پنجاب کے مسیحیوں کی زیارت گاہ ہے۔ وہ کہتا ہے " مشنری اپنے حلقہ خدمت کے اندربودوباش کرتا ہے جہاں لوگ بے خوف وخطربآسانی آجاسکتے ہیں۔ بعض مقامات میں ایک بہت بُرا طریق مروج ہوگیا ہے کہ بنگلے دور فاصلہ پر کسی گوشہ تنہائی میں بنائے جاتے ہیں۔ یہ عجب تماشہ ہے کہ لوگ جوہزاروں میلوں کا سفر طے کرکے انجیل کی خدمت کے لئے آئے ہیں دیسیوں سے اس قدردُورفاصلے پر سکونت اختیارکرلیتے اورایسا بنگلہ بناتے ہیں کہ جس میں

داخل ہوکر ایک بیچارہ غریب حواس باختہ ہوجاتا ہے اورپھر اس بنگلے گرد کا نٹے داردرختوں یا جھاڑیوں کی باڑلگادیتے ہیں اور خونخوارتوپوں کی طرح تُرش مزاج چپڑاسی جا بجا مقررکردیتے ہیں اورسب سے اندر شائد ایک خونخوار بل ڈاگ (کتا)بھی رکھ دیتے ہیں اورباوجود اس تمام قلعہ بندی کے مشنری صاحبان حیران اورشاکی ہیں کہ ہمارے پاس متلاشی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کیوں نہیں آتےمیں نے ایسا کوئی مشنری نہیں دیکھا کہ جس نے لوگوں کے اُس کے پاس جانے کی انتظار میں بیٹھے رہنے کی بجائے اُن کے درمیان سکونت اختیارکی ہو اورپھر اُسے کام کی سست رفتاری پر افسوس کرنا پڑا بلکہ جس قدر مشنری کے ہاں آمدورفت آسان ہوگی اُسی قدر اُس کی محنت کا پھل بافراط ہوگا"۔

افسوس ہے کہ بعد میں نارروال کے مشنری بھی باہر سکونت کرنے لگ گئے ہیں اورشہر کے اندر جو بنگلہ سینیئر مشنری کا تھا اب دیسی اسسٹنٹ کے لئے مخصوص ہوگیا۔

نارروال سے پینل بٹالہ گیا اوروہاں سے قادیان گیا لیکن مرزا غلام احمد کی طبیعت علیل ہونے کے باعث اُس سے ملاقات نہ کرسکا۔ وہاں سے وہ گورداسپور کی راہ ہوشیارپور پہنچا وہاں ڈاکٹر چٹیرجی کے کام کودیکھ کر وہ لکھتا ہے" ہم اس ہندوستانی بزرگ کی کامیابی پر آفرین کہتے ہیں اورخدا کا شکرکرتے ہیں کہ اُس نےیہاں ایک ایسی نظیرپیش کی ہے جس کے باعث ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ کسی مشن کی کامیابی اورترقی کے لئے کسی یورپین مشنری کا وجود لازمی نہیں "۔جالندھر میں غیر مسیحی پینل کی ہندوستانی پوشاک کی وجہ سے اُس سے محبت کرنے لگے وہ کہتا ہے " میرے خیال میں یہ سادہ پوشاک کی برکت ہے۔ اگرمیں پورا انگریز ی لباس پہنے ہوتا توجوموقعے مجھے گفتگو کرنے کے ملے اُن کومیں ہاتھ سے کھوبیٹھتا"۔ وہاں سے لدھیانہ ،کھنہ، راجپورہ ہوتا ہواسہارنپور چلا گیا وہاں سے وہ دہلی اورمظفر نگر کی راہ رڑکی گیاجہاں اُس نے ایک مسجد میں قیام کیا اوروہاں سے ہر دوار چلا گیا اورگوروکل کا نگڑی کے سکول کا ملاحظہ کیا اوررشی کیش کے جنگل کی طرف چلا گیا۔ راہ میں شام پڑگئی تووہاں ایک دھرم سالہ میں رات بسر کی جہاں ایک برہمن نے اُس کو دودھ اورروٹی کھانے کو دی۔ رشی کیش میں اُس نے کھانے پینے اورنہانے دھونے

سے فراغت پاکر سارا دن مختلف سادھوؤں سے ملنے جلنے اوربات چیت کرنے میں بسر کیا۔ رات دھرمسالہ میں کاٹی اور وہاں سے ڈیرہ دون، مُراد آباد ،چند دسی ، علی گڑھ اورمتھرا کی راہ آگرہ کوگیا۔ وہ لکھتا ہے " مراد آباد سے آگرہ تک سفر کرتے ہوئے کبھی مجھے خوشی اورکبھی غم ہوتا تھا۔ خوشی اس بات سے کہ تقریباً ہرگاؤں اورہربستی میں کوئی نہ کوئی مسیحی ملتا اورغم اس وجہ سے کہ بہت سے ایسے لوگ ملے جن میں مسیحیت کی بُوتک نہیں تھی مشنوں میں رواج ہوگیا ہے کہ بلاتحقیقات چوہڑوں اورچماروں کوبپتسمہ دے کراُن کا نام بدل دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کے بدافعال مسیحی مذہب کے لئے بدنما دھبہ ہوتے ہیں اورہندوؤں اورمسلمانوں کے دلوں میں مسیح کی طرف سے نفرت پیدا ہوجاتی ہے۔ شائد یہ فائدہ مدنظر ہوگاکہ اُن کی ایک بڑی تعداد بہت جلد بپتسمہ پالیتی ہے اوریوں اُن مہربانیوں کوجوانگلستان اورامریکہ سے چندہ بھیجتے ہیں خوش کرنے کا ایک اچھا موقعہ ہاتھ آجاتا ہے۔ اکثر یہ صاحبان یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر یہ سچے عیسائی نہیں تواُن کے بچے ضرور سچے

مسیحی ہونگے لیکن بائبل سے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جاسکتا کہ سوائے اس حالت کے جبکہ آدمی سچے دل سے تائب ہو اوراُس میں مسیحی ایمان کے نشان پائے جاتے ہوں کسی کوبھی بپتسمہ دینا روا ہے۔ اوراگریہ مان لیا جائے کہ اُس آدمی کا دل تبدیل نہیں ہوا مگراُس کی اولاد کے بچنے کی اُمید ہے تو اس حالت میں اُسے تعلیم دینی چاہیے نہ کہ بپتسمہ ، اس رواج میں ایک اوربھی قباحت ہے کہ اگرپادری صاحبان زیادہ وقت انہی لوگوں میں گذاریں تواُس سے ہندوؤں اورمسلمانوں میں کام پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں یہ سما گیا ہے کہ مسیحی ہونا ادنیٰ ذات کے لوگوں کا ہی کام ہے۔ ملازمانِ مشن پر بھی اس کا بُرا اثر پڑتا ہے کیونکہ ان لوگوں کا بھی یہ خیال ہوجاتا ہے کہ اگرہم بہت سے لوگوں کو بپتسمہ کے لئے جمع کریں توپادری صاحب ہم سے خوش ہونگے ،آخر وہ کسی بہانہ سے ضیافت کرکے یا کسی اورقسم کا لالچ یادھوکہ فریب دے کر پادری صاحب کی آمد کے دن بہت سے لوگوں کوبپتسمہ کے لئے جمع کرلیتے ہیں ۔ پادری صاحب اُنہیں دیکھ کربہت خوش ہوتے ہیں اوراُس کے کام کی

بے حد تعریف کرتے ہیں لیکن ایک ماہ کے بعد سومیں سے بمشکل پانچ نظر آئینگے ،برخلاف اس کے دوسرا مناد جوکسی ایسے آدمی کو بتپسمہ کے لئے پیش نہیں کرتا جس کی نسبت اُس کی رائے اچھی نہیں توپادری صاحب اُس کے حق میں یہ فرمائیں گے کہ اس بھائی کے کام میں کچھ برکت نہیں وہ سستی کرتا ہے۔ یوں اس غریب کی حق تلفی ہوتی ہے اورنتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مناد جوواقعی ترقی کے قابل ہوتے ہیں بے دل ہوجاتے ہیں،اس سے میرا یہ منشا ہرگز نہیں کہ وہ سب چوہڑے اورچمارجومسیحی کہلاتے ہیں حقیقی مسیحی نہیں ہوتے ،ان میں بھی بہت ایسے پائے جاتے ہیں جوکلیسیا کے لیڈرہونے کے لائق ہیں اورجن کے کام وکلام سے روح کی تاثیر چمکتی ہے"۔

پینل آگرہ سے کانپور،لکھنو، بنارس ، سارناتھ، غازی پور الہ آباد ،جبل پور ،بمبئی اورکراچی گیا، جب وہاں سے سکھر کوروانہ ہونے لگا توخفیہ پولیس اُس کے پیچھے ہولی ایک انگریز افسر کو اُس نے اطمینان دلایاکہ وہ ایک مشنری ہے، تب جاکراس کا پیچھا چھوٹا۔

انگریز مشنری اورہندوستانی کارندوں اورمسیحیوں کے باہمی تعلقات کی بابت پینل کہتاہے کہ" مشنری نہ صرف روحانی رہنما ہے بلکہ وہ اپنے کارندوں کی ماہواری تنخواہ دینے والا آیا بھی ہے۔ اُس کی خوشنودی پراُن کی دنیاوی بہبودی کامدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشن احاطہ ریاکاری، چغل خوری ، اورخوشامد پرستی کا گھربن جاتا ہے،ایسا تنخواہ دارمناد جس کی قابلیت کا یہ حال ہو کہ اگرمشن اُس کو نکال دے تودوسری جگہ آدھی تنخواہ بھی حاصل نہ کرسکے مشن کے لئے بے عزتی کا باعث ہے۔جب کبھی ایسا آدمی بازارمیں منادی کے لئے کھڑا ہوتا ہے توہندو، مسلمانوں کے لئے گویا وہ ایک اشارہ ہے کہ وہ ایسے مذہب سے جس کا وہ نمونہ ہے دور رہیں۔زمانہ حال میں مشنری تحریک کی بنیاد فقط روپیہ پر قائم ہے۔ ہم انجیل میں یہ کہیں نہیں پڑھتے کہ جب کبھی رسول انجیل پھیلانے کے واسطے دیگر ممالک کوگئے تواُن کے لئے یا اُن کے نومریدوں کے لئے چندے جمع کئے گئے ہوں۔لیکن یہاں معاملہ بالکل دگرگوں ہے۔ مشنری صاحبان نہ صرف اپنے لئے تنخواہیں مقررکرکے گھر سے چلتے ہیں بلکہ

نومریدوں کے لئے بھی جیب بھر کر روپیہ لاتے ہیں۔ پس ایسے لوگ اُن کے پاس جمع ہوجاتے ہیں جوزر کے طالب ہوتے ہیں۔ جب بنیاد ہی غلط ہے توعمارت کا کیا ٹھکانا!

"مشنریوں اورغیر مسیحیوں کے درمیان ایک بڑی دیوار بھی حائل ہے۔ ادھر مشنری اپنے سجے ہوئے بنگلے میں آرام چوکی پر مزے سے بیٹھے پڑھ رہے ہیں اُدھر ایک بے چارہ متلاشی میلے کچیلے کپڑے پہنے ڈرتا ڈرتا مسلمان بیرے کے وسیلے اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اب ان دونوں میں کیا ہمدردی کی اُمید ہوسکتی ہے؟ یہ بھی یادرکھنا چاہیے کہ اینگلو انڈین سوسائٹی میں یہ خیال جاگزین ہے کہ اس کالے گورے کی تمیز کو بحال رکھنا یا ہرموقعہ پر ہندوستانیوں کی پستی پرزور دینا چاہیے اورمشنری بھی اینگلو انڈین سوسائٹی کے ممبر خیال کئے جاتے ہیں لیکن ان کے لئے اس امر کو قبول کرنا اُن کے کام کے حق میں سخت مضر ہے۔ چرچ مشنری سوسائٹی کے" ہدایت نامہ مشنریاں" صفحہ ۲۱ پریوں لکھا ہے "جومشنری چاہتا ہے کہ لوگوں پر اپنی تاثیر ڈالے اور مسیح کے لئے روحیں جیتے اُس کے لئے لازم ہے کہ اُن لوگوں کے ساتھ بالکل ایک ہوجائے جن کے درمیان وہ کام کرتا ہے۔ لیکن ہم اکثر بنگلوں میں رکھے جاتے ہیں اورعوام الناس کے ساتھ میل جول کرنے کی راہ میں ہرقسم کی رکاوٹیں پیش کی جاتی ہیں۔کبھی صحت کا " کبھی صفائی کا اورکبھی کوئی اوربہانہ کیا جاتا ہے۔ الہ آباد میں ایک عجیب نظارہ ہے کہ جہاں گنگا اورجمنا ملتے ہیں ان ہر دودریاؤں کے پانی کا رنگ مختلف رہتا ہے اورگووہ دُورتک ایک ساتھ بہتے ہیں تاہم پانی کی رنگت میں اختلاف رہتا ہے۔ یعنی گویہ دونوں دریااب ایک دریا ہوجاتے ہیں تاہم اُس کا پانی زبانِ حال سے کہہ دیتا ہے کہ میں گنگا کا پانی ہوں اورمیں جمنا کا۔ کیا یہی مثال ہم پر صادق نہیں آتی۔ جب یورپین اوردیسی باوجود ایک ساتھ بودوباش کرنے کے ایک دوسرے کے حالات سے محض بے خبر رہ کر اپنے اختلافات کوقائم رکھتے ہیں"۔

مارچ ۱۹۰۴ئ میں اُس نے اپنا فقیری سفرختم کیا۔ اُسی سال موسم گرما میں وہ کوہِ منصوری پر گیا جہاں مشنریوں کی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس کانفرنس میں اُس نے اس بات پرزور دیاکہ ہمیں ایک جگہ بنانی چاہیے جہاں نومریدوں

اورمتلاشیانِ حق کوبپتسمہ سے پہلے تعلیم دی جائے۔ ایسے کانورٹ ہوم کا خیال اُس کو ہمیشہ رہتا تھا۔ اوروہ کرک کو اس کام کیلئے بہترین جگہ خیال کرتا تھا۔

منصوری میں وہ ایک دن اخبار پڑھنے کے لئے یورپین انسٹیٹیوٹ میں گیا۔ چونکہ وہ افغانی لباس میں تھا اُس کو وہاں اندرجانا نہ ملا۔

جب پینل واپس بنوں گیا تووہاں ایک مسیحی کارندے کی بابت شکایت کی گئی ۔ تمام مشنریوں نے اس کارندے سے قطع تعلق کرلیا تھا لیکن پینل اُس کو موقعہ پرموقعہ دیتا گیا۔ اُس نے بڑی محبت سے اُس کوسمجھایا اورپھر موقعہ دیا۔ پینل کے آخری دنوں میں اس خبر نے اُس کو بڑی خوشی دی کہ وہ کارندہ عرب میں بڑے جوش وخروش سے مسیحی کام کررہا ہے۔ پینل کا یہ دستور تھاکہ وہ نہایت تحمل اورصبر سے ہرایک کو موقعہ دیتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس طرح بہت لوگوں نے اُس کو فریب دیا لیکن وہ کہتا تھا کہ یہ بہتر ہے کہ ایک اچھے دیانت دارآدمی کی مدد ہو خواہ بیسیوں بدمعاش مجھے دھوکادے دیں۔

دسمبر ۱۹۰۴ئی میں اُس نے کرک میں کام شروع کردیا اوریہ سٹیشن جہان خان کے ذمہ کردیا گیا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں چندسال پہلے پینل کوکسی نے روٹی کے لئے پوچھا نہ تھا۔ اب اس جگہ پر مسیح کا علم لہرانے لگ گیا۔

نومبر۱۹۰۶ئی میں ڈاکٹر پینل نے لاہورکی اُسقفی کونسل میں ہندوستانیوں اوریورپینیوں کے باہمی تعلقات پر ذیل کی تجاوزپیش کیں :کہ

- تمام چیپلن اُردوکا اعلیٰ امتحان پاس کریں۔
- غیر مسیحیوں کے لئے گرجاؤں میں خاص جگہ ہوجہاں اُن کوعزت وتکریم سے بٹھایا جائے۔
- تمام پردیسی پادری صاحبان ان باتوں کو ملحوظِ خاطر رکھیں جن سے اس ملک کے غیر مسیحی ٹھوکر کھاتے ہیں اوراُن سے پرہیزکریں۔
- پادری صاحبان غیرمسیحیوں کے انبیائی اوررسوم کی توہین نہ کریں۔
- مارچ ۱۹۰۸ئی میں وہ بہت بیمار ہوگیا یہ بہتر خیال کیا گیاکہ وہ اپنی پہلی رخصت پر انگلستان جائے۔ سولہ سال

تک وہ ہندوستان میں رہ چکا تھا اوراس اثنا میں وہ کبھی ہندوستان کے باہر رخصت پر نہ گیا۔ اورہندوستان کے اندربھی وہ شاذونادر دوماہ کی رخصت پر پہاڑ جاتا تھا۔ پہلی دفعہ وہ اب اپنی والدہ سے جدا ہوا اورپھر اُس کو اس دارفانی میں اُس کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا کیونکہ جب وہ انگلستان میں تھا تووہ رحلت کرگئی لیکن اُس کی وفات نے پینل کے کام پر وہاں بھی اثر نہ کیا۔ وہ چارماہ انگلستان میں رہا اوراس اثنا میں اُس نے ۱۰۹ لیکچر دیئے اوراپنی کتاب" سرحدِ افغانسان کے قبائل" بھی لکھتا رہا۔

جون ۱۹۰۸ئی میں اُس کی منگنی ایک ہندوستانی پارسی خاتون مس ایلس سہراب جی کے ساتھ ہوگئی ۔ اوراله آباد میں اُن کی شادی ماہ اکتوبر میں ہوگئی اوروہ بنوں آگئے جہاں اُس نے اوراُس کی بیوی نے جوڈاکٹر تھی کام شروع کردیا۔

۱۹۰۹ئی میں وہ سخت بیمارپڑا یہاں تک کہ اُس کی زندگی کی امُید نہ رہی۔ چاروں طرف سے لوگ اُس کی خبرلینے کے لئے آتے تھے۔ ۱۰ دسمبر کے روز بیماری نے پلٹا کھایا اور وہ روبصحت ہونے لگا۔ جب تندرست ہوگیا اورپہلی دفعہ بازار گیا تولوگوں نے اُس پر پھول برسائے اورہر طرف سے ڈاکٹر صاحب" مبارک باد" کی آوازیں بلند ہوئیں۔

۱۹۱۱ئی میں ڈاکٹر پینل لکھنئو گئے تاکہ اُس کانفرنس میں شریک ہوں جوڈاکٹر زوئیمر (Dr.Zwemer) کی زیرصدارت مسلمانوں میں تبلیغ کرنے کی خاطر منعقد ہوئی تھی وہاں اُس نے بھی لیکچر دیا اوراس بات پر زوردیاکہ پنجابی اورافغان نومرید مشنری بناکر ہندوستان کے باہر غیر ممالک کوبھیجے جائیں کیونکہ تبلیغ کا جوش اُن کے رگ وریشہ میں بھرا ہوتا ہے۔اگریہ لوگ مشنری بنیں گے توہندوستان کی کلیسیا میں بیداری اورزندگی کے آثارخودبخود نمایاں ہوں گے۔

لکھنئو سے واپس آکراُس نے اسی امرکو اپنے نومریدوں کے سامنے پیش کیا اورچند ایک نے مشنری بن کر غیر ممالک کو جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن اُن میں سے صرف ایک شخص منتخب کیا گیا اوروہ ممباسہ بھیجا گیا۔ یہ چوتھا افغان مشنری تھا جوبنوں سے غیرممالک کوگیا۔

اسی سال پینل نے اپنے والدین اوراپنی بیوی کے والدین کی یادگار میں سکول کے لئے ایک عمارت بنوائی جس کا تمام خرچ اُس نے اپنی جیب سے ادا کیا۔

جنوری ۱۹۱۲ئی میں کرک کے گرجا کابنیادی پتھر رکھا گیا۔ یہ دن پینل کی زندگی میں بڑی خوشی کا دن تھا۔ اس متبرک رسم کے بعد ایک مروتی مُلا اعظم خان نے جوعیسائی ہوگیا تھا ارادہ کیاکہ وہ بھی ایک قطعہ زمین گرجا کے لئے اپنے گاؤں میں دے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا تواُنہوں نے اُس کوخوب زدوکوب کیا اورکلہاڑی سے مارکر مردہ سمجھ کر چلے گئے۔ اُس کا چھوٹا بھائی اُس کو گھر لے گیا اورچند روز کے بعداعظم خاں بنوں آیا۔ اُس کو کمزوردیکھ لوگوں نے اُس کی حالت دریافت کی لیکن اُس نے کہا کہ مجھے ایک معمولی زخم لگا ہے۔ اس کا معالجہ شروع ہوا زخم کاری تھا۔ بیماری کے بستر پر اُس نے کہا " میرے حملہ آوروں کو کسی قسم کی سزا نہ دی جائے۔ تاکہ اُن کو معلوم ہوکہ ہم مسیحی ہیں۔ وہ بیچارے نادان جاہل ہیں وہ نہیں جانتے۔ پس ہم کو اُنہیں معاف کرنا چاہیے"۔

ڈاکٹر بارٹن اورڈاکٹر پینل نے دن رات اُس کی خبرگیری کی اوروہ روبہ صحت ہونے لگا اوربلاآخر تندرست ہوگیا۔

انہی ایام میں ایک مریض آیا جوبہت سخت بیمار تھا۔ اُس کا زخم سڑا ہوا تھا۔ ۱۵مارچ کے روز ڈاکٹر بارٹن نے اُس کا اپریشن کیا لیکن چونکہ مرض متعدی تھا ڈاکٹر بارٹن خودبیمار ہوگیا اور۱۷مارچ کو اتوار کے روزڈاکٹر پینل نے ڈاکٹر بارٹن کا اپریشن کیا لیکن مرض ایسا متعدی اورخطرناک تھاکہ پینل بھی بیمار ہوگیا۔ لیکن باوجود بیماری کے ہسپتال کا تمام کام کرتا رہا لیکن ۱۹ کی شام کوچلنے پھرنے سے بھی معذور ہوگیا۔ ۲۰ کوڈاکٹر بارٹن کی زندگی کی اُمید نہ رہی اورگوڈاکٹر پینل خود سخت بیمار تھا اورلوگوں کو اپنے پاس بیٹھنے نہیں دیتا تھا۔ پھر بھی ہرایک کوبارٹن کے پاس خبرگیری کے لئے بھیجتا تھا۔ اُس روزڈاکٹر بارٹن فوت ہوگیا اورپینل اُس کی جوان بیوہ کی فکر میں رہا اوراپنی بیماری کوفراموش کرگیا۔ اُسی رات وہ خود سخت بیمار ہوگیا اوردودن اوردورات زندگی اورموت کے درمیان رہا۔ آخری رات تک وہ ہوش میں تھا اورخوش تھا۔ موت سے وہ

خائف نہ تھا۔ اُس نے ایک ایک ڈاکٹر اوررنس کا شکریہ ادا کیا
اورلگے دن ۶بجے اپنے منجی کے پاس چلاگیا۔

Bibliography

The following books have been consulted in Compiling this books:

1. History of the Church Missionary Society ,4 Volumes , by Engene Stock
2. Report of the Punjab Missionary Conference 1863. (A.P.Mission Press, Ludhiana)
3. Ghiza-e-Ruh (appendix) by Safdar Ali.
4. Waqiat-e-Imadiah by Imad-ud-din.
5. Life of Bishop French 2Vol by Herbert Briks.
6. Karl Gottlied Pfander (James Nisbet & Co. London) by Emily Headland.
7. Tazkira-e-Bishop French, by Tara Chand.
8. Life of Charles W. Forman.
9. Life of Robert Clark, by H.M. Clark.
10. The Punjab Mission News Monthly Magazine, Vol 1-3, by H.M.Clark.
11. Our North India Mission, by Andrew Gordon.
12. Forty years of the Punjab Mission of the Church of Scotland, by Youngson.
13. George Alfred lefroy, by Montgomery.
14. Story of Delhi Mission.
15. Life of Sir James Ewing by Robert E Speer.
16. Pennel of the Afghan Border.
17. Safar Nama-e-Ibu-us-Sabil, by Pennel.

Henry Martyn School of Islamic Studies, Aligarh.
June 18 1957.
BARAKAT ULLHA.